سمندر میں دھماکہ

اے حمید

کمانڈو کی بیٹی

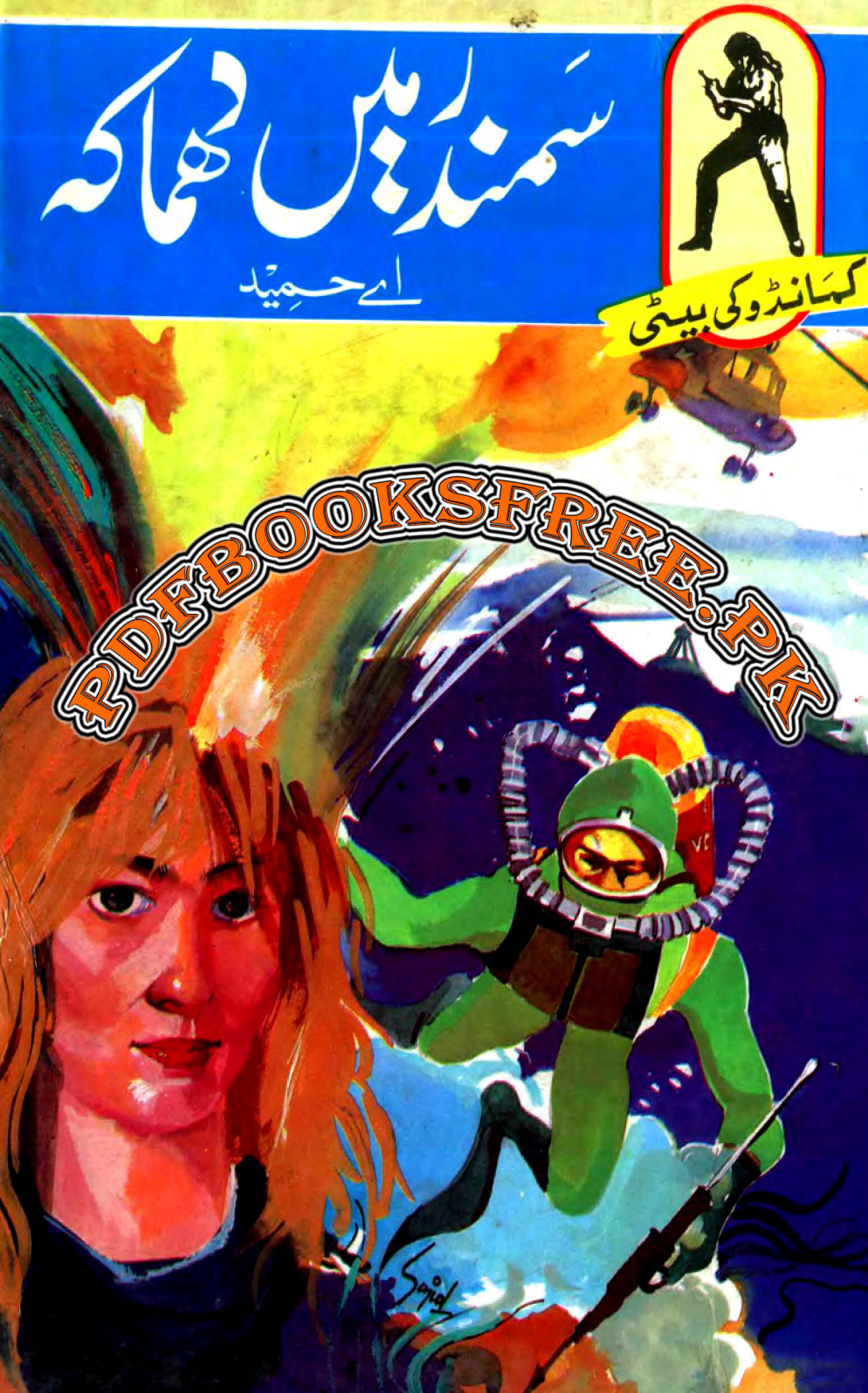

PDFBOOKSFREE.PK

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی واصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی ، قانونی و شرعی جرم ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

شہاب اور اس کے ساتھیوں نے پہاڑی نالے کو شروع سے آخر تک دیکھ ڈالا انہیں شیر خان کی لاش کہیں نظر نہ آئی شہاب کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔ وہ فیروز اور اپنے آدمیوں کو گالیاں بکنے لگا۔

"تم سے ایک آدمی نہیں مارا گیا۔" وہ فیروز پر برس پڑا۔ "تم نے اسے شوٹ کیوں نہیں کر دیا؟" اس وقت دن کی روشنی شام کے جھٹپٹے میں بدل رہی تھی شہاب اپنے اڈے پر واپس آگیا وہ سخت غصے کی حالت میں تھا اس کا وہ دشمن جال میں آکر نکل گیا تھا جو کسی بھی وقت اسے گولی سے اڑا سکتا تھا اس نے خشمگیں آنکھوں سے فیروز کی طرف دیکھا اور بولا۔

"وہ اگر زخمی ہے تو زیادہ دور نہیں گیا ہو گا نالے کے آس پاس کہیں کسی چٹانی غار میں چھپا ہوا ہو گا ابھی آدمی لے کر جاؤ اور ٹارچوں کی روشنی میں اسے تلاش کرو۔"

شہاب بڑبڑاتا' گالیاں بکتا نیچے تہہ خانے میں چلا گیا۔ فیروز نے اسی وقت دو آدمی ساتھ لئے اور اس طرف کو چلا جہاں انہوں نے اپنی طرف سے شیر خان کو ہلاک کیا تھا۔ وہ نالہ پار کر کے دوسرے کنارے پر آگئے اور ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے کے بعد ایک طرف چل پڑے۔ رات ہو گئی تھی اندھیرا پھیل چکا تھا۔ فیروز نے ایک جھونپڑا دیکھا جس کے باہر لالٹین جل رہی تھی۔ جھونپڑے کے پاس آکر اس نے سنہالی میں پکار کر کہا۔

"کون ہے یہاں؟" آواز سن کر سنیاسن منگی باہر نکل آئی۔ فیروز نے اس کے توانا جسم کو اوپر سے نیچے تک دیکھا پھر پوچھا۔ "ادھر کوئی زخمی آدمی تو نہیں آیا؟ اس کا رنگ گورا ہے عمر چالیس پینتالیس کے قریب ہے اگر اس کے بارے میں کچھ بتا دو گی تو بڑا انعام ملے گا۔" سنیاسن آگے سے کچھ نہ بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سنیاسن منگی کی خاموشی پر فیروز نے بڑے رعب سے اپنا سوال ایک بار پھر دہرایا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ یہاں کوئی گورے چٹے رنگ کا زخمی تو نہیں آیا۔ تم بولتی کیوں نہیں ہو؟" سنیاسن منگی نے جواب دیا۔

"حضور یہاں تو کوئی ایسا زخمی نہیں آیا۔"

"فیروز کو شک پڑ گیا تھا کہ سنیاسن اس سے کچھ چھپا رہی ہے۔ زخمی شیر خان ضرور اس کی جھونپڑی میں ہے۔ فیروز جانتا تھا کہ یہ سنیاسی لوگ پیسے لے کر علاج معالجہ بھی کرتے ہیں۔ اس نے اپنے آدمیوں کو وہیں کھڑا رہنے کو کہا اور سنیاسن کو ہاتھ سے پرے ہٹاتے ہوئے جھونپڑی کی طرف بڑھا۔ جھونپڑی میں اندھیرا تھا اس نے ٹارچ روشن کر دی۔ جھونپڑی خالی تھی۔ زمین پر چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ کچھ مٹی کے مٹکے اور ٹوکریاں پڑی تھیں جن میں جڑی بوٹیاں تھیں۔ جتنی دیر فیروز جھونپڑی کی تلاشی لیتا رہا سنیاسن منگی جھونپڑی کے دروازے پر کھڑی رہی۔ فیروز نے جھونپڑی سے باہر آکر پوچھا۔

"تم یہاں اکیلی کیسے رہتی ہو؟" سنیاسن نے کہا۔

"حضور! میں اکیلی نہیں ہوں۔ میرا باپ بھی میرے ساتھ ہے۔" فیروز نے باپ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہے منگی نے درختوں اور چٹانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"میرا باوا جنگل میں جڑی بوٹی کی تلاش میں گیا ہے۔"

"فیروز کو یہ تو معلوم تھا کہ یہ سنیاسی لوگ ہیں اور جنگلوں میں جڑی بوٹیاں تلاش کر کے انہیں شہر میں بیچ کر گزارہ کرتے ہیں مگر وہ بڑا حیران ہوا کہ سنیاسن کا باپ رات کے اندھیرے میں جڑی بوٹی کی تلاش میں کیسے چلا گیا جب اس نے سنیاسن سے پوچھا کہ اس کا باپ رات کے وقت کیوں گیا ہے۔ تو وہ بولی۔

"حضور! بعض جڑی بوٹیاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ صرف رات کو ہی ملتی ہیں۔ کیونکہ وہ رات کے اندھیرے میں جگنو کی طرح چمکتی ہیں اس لئے ان کی تلاش میں ہمیں رات ہی کو جانا پڑتا ہے۔"

فیروز ویسے بھی ذرا موٹی عقل کا آدمی تھا۔ اتنا کہہ کر وہاں سے اپنے آدمیوں کے ساتھ چل دیا کہ اگر کوئی زخمی ادھر آئے تو ہمیں اڈے پر فوراً اطلاع کرنا۔ ان کے جانے

کے بعد سنیاسن جھونپڑی کے دروازے میں ہی بیٹھ گئی اور دل میں اپنے بھگوان اور دیوتاؤں کا شکر ادا کرنے لگی کہ اس شام انہوں نے شیر خان کو جنگل میں ایسی جڑی بوٹیوں کی جھاڑیوں کے پاس پہنچا دیا تھا جن کے بارے میں ان سنیاسیوں کا عقیدہ تھا کہ رات کے وقت ان بوٹیوں سے ایسی شعاعیں نکلتی ہیں جو زخموں کو شفا دیتی ہیں۔ چنانچہ شیر خان اس وقت جھونپڑی سے کوئی آدھے فرلانگ کے فاصلے پر ان جڑی بوٹیوں کی جھاڑیوں کے پاس چٹائی پر اوندھا پڑا تھا اور سنیاسن منگی کا باپ اس کی خبر گیری کر رہا تھا۔ سنیاسن منگی کے دل نے پوچھا۔

"تو نے زخمی شیر خان کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟ وہ لوگ تو تجھے انعام بھی دیتے۔" منگی نے اپنے دل سے کہا۔

"زخمیوں کی خبر گیری کرنا ان کی حفاظت کرنا ہم سنیاسی لوگوں کا دھرم ایمان ہوتا ہے۔" منگی کے دل نے کہا۔

"کہیں ایسا تو نہیں منگی کہ یہ پختہ عمر کا چوڑے شانوں والا گورا چٹا مرد تجھے اچھا لگا ہے؟"

سنیاسن منگی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک پاؤں زور سے زمین پر مارا اور بولی۔

"ہاں ہاں مجھے یہ مرد پسند ہے۔ تم کون ہوتے ہو بیچ میں بولنے والے؟" اور پھر کچھ فکر مند سی ہو کر اس جانب اندھیرے میں دیکھنے لگی جہاں شیر خان زخموں سے نڈھال پڑا تھا۔ منگی کو خیال آیا کہ کہیں یہ لوگ جو شکل و صورت سے اسے اسمگلر اور جرائم پیشہ لگے تھے شیر خان کو ڈھونڈ نہ لیں وہ تیز تیز چل پڑی۔ راستے میں اس نے سوچا کہ یہ مرد بھی ضرور جرائم پیشہ ہو گا۔ ورنہ اس کے دشمن اس پر قاتلانہ حملہ کیوں کرتے؟ منگی کو یہ بات بڑی اچھی لگی کہ وہ ایک ایسے مرد سے پیار کرنے لگی ہے جو بدمعاش ہے۔ اسمگلر ہے جرائم پیشہ ہے۔ سنیاسن منگی کا اپنا مزاج بھی ایسا ہی تھا۔ اسی لئے اسے اس قسم کے یعنی جرائم پیشہ لوگ اچھے لگتے تھے۔ کیونکہ اس کے خیال کے مطابق ایسے لوگ بہادر ہوتے ہیں۔ پورے مرد ہوتے ہیں ان میں زنانہ پن نہیں ہوتا۔

اس وقت مشرق کی طرف سے آدھا چاند نکل آیا اور چٹانی جنگل میں اس کی ہلکی ہلکی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھندلی روشنی پھیل گئی۔ شیر خان طلسمی بوٹیوں والی جھاڑیوں کے درمیان چٹائی پر اوندھا پڑا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کسی بھی وقت کراہنے لگتا تھا۔ اگر سنیاسن کے باپ نے اسے درد کی شدت کو کم کرنے والی خاص بوٹی کا عرق نہ پلایا ہوتا تو اس وقت شیر خان زخموں کی تکلیف سے تڑپ رہا ہوتا۔ ان لوگوں کے پاس ایسی ایسی بوٹیاں تھیں کہ اگر آدمی اس کو پی لے تو سارا جسم سن ہو جائے۔ نہ بول سکے نہ ہاتھ پاؤں ہلا سکے۔ ایک بوٹی ایسی تھی کہ اگر اس کی ایک خوراک کسی کو پلا دی جائے تو وہ کچھ وقت کے لئے اپنی یادداشت بھول جاتا ہے۔ اسے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس کا نام کیا ہے۔ کہاں سے آیا تھا اور کہاں جا رہا تھا۔ اس بوٹی کو استعمال کبھی کبھی ہی کیا جاتا تھا اور وہ بھی اپنے قبیلے کے کسی دشمن پر۔

سنیاسن نے اپنے باپ کو بتایا۔

"کچھ لوگ اس زخمی شیر خان کو تلاش کرتے وہاں آئے تھے۔" سنیاسی بوڑھا سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔

"جب تک یہ آدمی اچھا نہیں ہو جاتا اسے اپنی حفاظت میں رکھنا ہمارا دھرم ہے۔"

منگلی نے جھک کر شیر خان کے چہرے کو دیکھا جو دھندلی چاندنی میں زیادہ زرد اور کمزور نظر آ رہا تھا۔ شیر خان بے ہوش تھا۔ منگلی نے باوا سے کہا۔

"باوا وہ لوگ ادھر جنگل میں اس کی تلاش میں ہیں ادھر آ گئے تو اسے یا تو قتل کر ڈالیں گے یا اٹھا کر لے جائیں گے اور ہمارا دھرم بھرشٹ ہو جائے گا۔" سنیاسی نے ایک نگاہ ہلکی چاندنی میں خاموش کھڑے تاڑ کے درختوں پر ڈالی اور بولا۔

"اس کا ان بوٹیوں کے پاس رہنا ضروری ہے ہم اسے کسی دوسری جگہ تو اب سورج نکلنے پر ہی لے جا سکیں گے۔ جب تک یہ بوٹیاں زخموں کو ٹھیک کرنے والی شعاعیں نہیں چھوڑتیں۔"

"اچھا تو پھر تم جھونپڑے میں جا کر آرام کرو۔ میں اس کا خیال رکھتی ہوں۔" منگلی کے سنیاسی باپ نے کہا۔

"نہیں بیٹی! اس وقت تمہارا جھونپڑی میں رہنا ہی مناسب ہے۔ اگر وہ لوگ واپس آئے اور تمہاری جگہ مجھے جھونپڑی میں دیکھیں گے تو انہیں ضرور شک پڑ جائے گا۔ تم جا

کر سو جاؤ۔ میں اس کا خیال رکھتا ہوں۔"

منگلی جھونپڑی میں آ کر چٹائی پر لیٹ گئی۔ اس نے ایسی ہی ایک جھونپڑی میں آنکھ کھولی تھی اور ساری زندگی سنیاسیوں میں جڑی بوٹیاں تلاش کرتے۔ انہیں بازار میں لے جا کر بیچتے۔ انہیں کوٹتے پیستے اور قبیلے میں مریضوں اور کوئی زخمی ہو جاتا تو اس کی مرہم پٹی کرتے گزار دی تھی۔ قبیلے کے ہی ایک سنیاسی سے اس کی شادی ہوئی مگر خاوند ایک ماہ بعد مر گیا۔ وہ بیوہ ہو گئی اور پھر اس نے شادی نہ کی۔ اب اس کی عمر چالیس کے قریب تھی مگر جنگل کی کھلی فضاؤں میں آزادی سے رہنے کے باعث وہ مضبوط اور شباب سے بھرپور جسم کی مالک تھی۔ وہ ماں کے مرنے کے بعد اپنے باپ کے ساتھ ہی رہی تھی۔ جڑی بوٹیوں کی پہچان اور مختلف بیماریوں میں ان کے استعمال میں وہ ماہر ہو گئی تھی۔ اپنے خاوند کے مرنے کے بعد منگلی کو کبھی کوئی مرد پسند نہ آیا تھا۔ وہ عام سنہالی عورتوں کے برعکس قد کاٹھ میں بھی مضبوط اور چوڑی چکلی تھی اور طبیعت کی بھی تیز تھی۔ پہلی نظر میں ہی شیر خان کی مردانہ وجاہت اس کے دل پر اثر کر گئی تھی۔ وہ جھونپڑی میں اکیلی لیٹی شیر خان کی شکل آنکھوں کے سامنے لا کر سوچتی رہی کہ وہ اگر اچھا ہو گیا تو چلا جائے گا۔ منگلی کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ جس سے وہ محبت کرنے لگی ہے اس کا تعلق جرائم پیشہ لوگوں سے ہے۔ بلکہ وہ شریف اور کم ہمت لوگوں کے مقابلے میں جرائم پیشہ لوگوں کو زیادہ پسند کرتی تھی۔ بس یہ اس کی اپنی پسند کا معاملہ تھا۔ وہ تو صرف یہ چاہتی تھی کہ شیر خان اس کے پاس رہے۔ اس کے ساتھ رہے کیا معلوم اس کے بیوی بچے ہوں۔ پھر تو وہ ضرور واپس چلا جائے گا۔ منگلی نے آنکھیں بند کر لیں وہ یہ تصور نہیں کرنا چاہتی تھی کہ جس سے وہ محبت کرتی ہے اس کو کوئی دوسری عورت بھی چاہتی ہو۔

منگلی کو اپنا حلق خشک ہوتا محسوس ہوا۔ وہ پانی پینے کے لئے اٹھی۔ لالٹین جھونپڑی کے باہر لٹک رہی تھی جس کی روشنی اندر آتی تھی۔ جھونپڑی میں پانی کا مٹکا رکھا تھا۔ پہلے اسے خیال آیا کہ پانی کی بجائے تھوڑی سی تاڑی پی لے اس سے اسے نیند بھی آ جائے گی تاڑی کا مٹکا بھی پاس ہی رکھا تھا جہاں مختلف جڑی بوٹیوں والے مٹی کے چھوٹے چھوٹے مٹکے اور تھیلیاں بھی پڑی تھیں تاڑی اس کے قبیلے میں عورتیں بھی عام پیتی تھیں اور چاندنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راتوں میں تو وہ تاڑی پی کر ساری ساری رات ڈانس کرتی تھیں۔ جانے کیوں اس کا تاڑی پینے کو دل نہ چاہا مٹکے میں سے پانی ڈالنے لگی تو اس کی نگاہ جڑی بوٹیوں والی تھیلیوں پر پڑی۔ ان میں ایک چندن بوٹی کے سوکھے پھول تھے جس کے استعمال سے آدمی کو بڑی گہری نیند آجاتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی دوسری تھیلی تھی جس میں اس جڑی بوٹی کا پسا ہوا سفوف تھا۔ جس کے پینے سے آدمی کا بدن تھوڑی دیر کے لئے بے حس ہو جاتا تھا اور اگر اس کی زیادہ مقدار کسی کو پلا دی جائے تو وہ اگلی دنیا کو سدھار جاتا تھا۔ منگی کا خواب آور بوٹی پینے کو بھی دل نہ چاہا اور وہ صرف پانی پی کر چٹائی پر جا کر لیٹ گئی اور شیر خان کے بارے میں سوچنے لگی کہ اس کے زخم گہرے ہیں انہیں اچھا ہونے میں کافی دن لگ جائیں گے اور اتنی دیر شیر خان اس کے پاس ہی رہے گا۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسے باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اس کے ساتھ ہی ایک مرد جھونپڑی کے دروازے میں آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا جس کا رخ منگی کی طرف تھا۔

"ڈرو نہیں میری رانی! اسی طرح آرام سے لیٹی رہو۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ زخمی شیر خان کو تم نے کہاں چھپا رکھا ہے؟"

منگی فوراً سمجھ گئی کہ یہ اسمگلروں کے اسی گروہ کا آدمی ہے جو پہلے بھی شیر خان کی تلاش میں وہاں آچکے تھے۔ اس نے کہا۔

"میں نے تو کسی زخمی کو نہیں چھپایا ہوا۔ تم کس کی بات کر رہے ہو؟" ان کی گفتگو سنہالی زبان میں ہو رہی تھی۔

یہ آدمی شہاب کے گینگ کا ایک بڑا چھٹا ہوا جاسوس ٹائپ بدمعاش تھا جو اسی امید پر اپنے طور پر شیر خان کی تلاش میں نکل آیا تھا کہ شیر خان مل گیا تو شہاب کی نظروں میں اس کی قدر و منزلت ہی نہیں بڑھے گی بلکہ اسے انعام میں رقم بھی ملے گی۔ اس کا نام کریانی تھا۔ یہ کئی خون بھی کر چکا تھا اور کسی آدمی کو قتل کرنا اس کے نزدیک ایسا ہی تھا جیسے کوئی جسم پر رینگتی ہوئی کسی چیونٹی کو ہاتھ سے مسل ڈالے۔ اس نے منگی کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور الٹے ہاتھ سے ایک زوردار تھپڑ مارا۔

منگی کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا جس سے وہ کریانی پر حملہ کر سکتی۔ شور مچا کر اپنے باپ کو بھی نہیں بلا سکتی تھی۔ کیونکہ اس طرح شیر خان جنگل میں اکیلا رہ جاتا اور اس کی خون کی بو پا کر کوئی بھی جنگلی درندہ اسے شدید نقصان پہنچا سکتا تھا۔ منگی کو یہ ڈر بھی تھا کہ اس کے شور مچانے سے اس بدمعاش کا کوئی دوسرا ساتھی وہاں نہ آجائے۔ کریانی بدمعاش نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"حرام زادی! بتاتی کیوں نہیں ہمارا آدمی کہاں ہے؟" منگی نے ایک بار پھر اپنے غصے کو پی کر کہا۔

"تمہیں کسی نے غلط خبر دی ہے یہاں کوئی آدمی زخمی حالت میں نہیں آیا۔"

کریانی بدمعاش کی آنکھوں میں ہوسناکی کے سائے اترنے لگے۔ اس نے منگی کے عریاں بازوؤں کو پیار سے سہلاتے ہوئے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے میری رانی! یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ تھوڑی دیر کے لئے تم سے پریم کی باتیں ہو جائیں۔" کریانی نے منگی کو بھینچنا چاہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"یہ بات تم نے پہلے کیوں نہیں کی؟ میں تو خود تم سے پریم کرنا چاہتی ہوں۔" بدمعاش کی تو جیسے باچھیں کھل گئیں۔ منگی نے ایک ہاتھ سے بڑی آہستگی سے اسے پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"لیکن تاڑی پیئے بغیر میں محبت نہیں کر سکتی۔" کریانی بدمعاش نے جھوم کر کہا۔

"یہ تو سونے پر سہاگہ ہو گا۔ میں بھی تاڑی پیوں گا۔"

"وہ تو تمہیں ضرور پینی پڑے گی میرے ساتھ۔" اور منگی نے بڑی ادا سے مسکرا کر کریانی بدمعاش کی طرف دیکھا۔ "تم چٹائی پر بیٹھ جاؤ۔ میں مٹکے میں سے تاڑی نکال کر لاتی ہوں۔"

کریانی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ چٹائی پر بیٹھ گیا اور جیب سے سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ منگی کونے میں رکھے تاڑی کے مٹکے کے پاس پہنچ کر مٹی کے دو پیالوں میں تاڑی ڈال رہی تھی اس کی پیٹھ کریانی بدمعاش کی طرف تھی۔ منگی نے جڑی بوٹیوں کی دوسری تھیلی میں سے اتنا سفوف نکال کر تیزی سے ایک پیالے میں ڈال دیا جس سے کم از

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کم چار مرد ہلاک ہو سکتے تھے۔ یہ وہی بوٹی تھی جس کی قلیل مقدار آدمی کے جسم کو تھوڑی دیر کے واسطے سن کر دیتی تھی مگر زیادہ مقدار اسے ہلاک کر دیتی تھی۔

منگی سنہالی زبان کا ایک محبت بھرا گیت گنگناتی کریانی بدمعاش کے پاس آکر بیٹھ گئی اور بوٹی کے سفوف والا تاڑی کا پیالہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"میرے راجہ جی! اسے ایک ہی بار چڑھا جاؤ۔" منگی نے دوسرا ہاتھ بڑی محبت اور پیار کے ساتھ کریانی کے کندھے پر رکھ دیا کریانی اس وقت جذباتی اشتعال کی حالت میں تھا اسے کہاں خیال آتا کہ تاڑی میں کچھ ملایا نہ گیا ہو۔ پیالہ اس نے ہونٹوں کے ساتھ لگایا اور غٹاغٹ ساری تاڑی چڑھا گیا۔

تاڑی کے بارے میں شاید آپ نہ جانتے ہوں یہ تاڑ کے درخت بلکہ اس کی شاخوں سے نکالا گیا دودھ ہوتا ہے۔ تاڑ کے درخت کی دو چار اوپر والی شاخیں کاٹ کر ان کے منہ پر مٹی کے چھوٹے مٹکے باندھ دیے جاتے ہیں ساری رات ان میں دودھ قطرہ قطرہ ٹپکتا رہتا ہے۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے ان مٹکوں کو اتار لیا جاتا ہے۔ اس وقت اگر وہ تاڑی پی جائے تو اس میں نشہ بالکل نہیں ہوتا۔ میں نے ایک جنگل میں صبح کے وقت درخت سے اتارے ہوئے مٹکے کی تاڑی پی تھی۔ اس کا ذائقہ دہی کی گاڑھی لسی کی طرح تھا۔ یہ جگر کے واسطے بڑی مفید ہوتی ہے لیکن جب ان مٹکوں کو بند کر کے دن بھر دھوپ میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے یہ تو اصلی نشے والی تاڑی ہوتی ہے۔ اس کے بعد جو تاڑی لنکا برما اور تھائی لینڈ وغیرہ ملکوں کے بازاروں میں بکتی ہے اس تاڑی میں الکوحل یا میتھولیٹڈ ڈاسپرٹ ملا دی جاتی ہے اور پھر اس کے ڈرموں کے ڈرم بھر دیے جاتے ہیں۔ یہی تاڑی پھر تاڑی خانوں میں فروخت ہوتی ہے۔ یہ ان ملکوں کے مزدوروں اور غریب محنت کش عوام کا مشروب ہے۔ یہ تاڑی انتہائی نشہ آور اور صحت کے لئے مضر ہوتی ہے۔ میں نے لنکا اور رنگون کے تاڑی خانوں میں لوگوں کو تاڑی پی کر اودھم مچاتے ایک دوسرے سے لڑتے دیکھا ہے۔ ان ملکوں میں گھروں اور گلیوں میں صفائی کرنے والی عورتیں بھی تاڑی خانوں کے باہر زمین پر بیٹھ کر تاڑی پیتی ہیں اور پھر آپس میں خوب لڑائی کرتی ہیں۔

سنیاسن منگی کے جھونپڑے میں جو تاڑی کا مٹکا رکھا ہوا تھا وہ بھی بڑی تیز نشہ آور تاڑی تھی اوپر سے منگی نے اس میں بے حس کر دینے والی بوٹی کا سفوف بھاری مقدار میں ملا دیا تھا۔ اس تاڑی نے بڑی جلدی اپنا اثر دکھا دیا۔ کریالی بدمعاش نے تاڑی پینے کے بعد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سگریٹ لگایا اور سنیاسن کو اپنی طرف کھینچا۔ سنیاسن نے آگے سے کوئی مزاحمت نہ کی وہ جانتی تھی کہ جس بوٹی کا سفوف اس کو پلا دیا ہے وہ مزید حرکت کرنے کی اجازت نہیں دے گی اور ایسا ہی ہوا۔ کریانی بدمعاش کو ایک جھٹکا سا لگا۔ سگریٹ اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ سنیاسن منگی پیچھے ہٹ گئی۔ کریانی چٹائی پر بیٹھے بیٹھے پیچھے گر پڑا۔

منگی نے سب سے پہلے اس کے ہاتھ سے گرا ہوا جلتا سگریٹ تاڑی میں ڈال کر بجھایا۔ پھر چٹائی کے قریب بیٹھ کر بدمعاش کریانی کو غور سے دیکھنے لگی۔ لالٹین کی روشنی میں اس کا چہرہ کھینچ گیا آنکھیں اوپر کو چڑھی ہوئی تھیں۔ منگی نے اس کا بازو اوپر اٹھا کر چھوڑا تو وہ کٹی ہوئی شاخ کی طرح نیچے گر پڑا۔ اس نے دل پر ہاتھ رکھا۔ کریانی کے دل کی دھڑکن ڈوب رہی تھی۔ وہ اسی وقت جھونپڑی سے نکل کر جنگل میں اپنے سنیاسی باپ کی طرف دوڑ پڑی۔ بوڑھا سنیاسی شیر خان کے پاس بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ بیٹی کو دیکھ کر اس نے گھبراہٹ میں پوچھا۔

"دوڑی کیوں آ رہی ہو؟"

منگی نے جلدی جلدی ساری بات بیان کر دی سنیاسی باوا نے کہا۔

"تم نے بالکل ٹھیک کیا سنیاسیوں کی بہو بیٹیوں کی بھی عزت آبرو ہوتی ہے۔ لاش کا جھونپڑی میں پڑے رہنا ٹھیک نہیں اس کے ساتھی تلاش میں وہاں آسکتے ہیں۔ میرے ساتھ آؤ" منگی نے کہا۔

"مگر شیر خان یہاں اکیلا رہے گا؟"

"اس کی تم فکر نہ کرو میں نے اسے چندن بوٹی کا پانی پلا دیا ہے۔ یہ صبح تک سویا رہے گا۔"

"مگر باوا جنگل کا کوئی درندہ ادھر آجائے گا۔" منگی کی اس بات کے جواب میں سنیاسی باوا یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس کے زخموں پر جس بوٹی کا لیپ لگایا گیا ہے اس کی بو کسی جانور درندہ تو کیا کسی کیڑے مکوڑے کو بھی اس کے پاس نہیں آنے دے گی۔"

بیٹی کے ساتھ سنیاسی باوا جھونپڑی میں آیا۔ آتے ہی اس نے کریانی بدمعاش کی نبض

دیکھی نبض خاموش تھی۔ کریانی مرچکا تھا انہوں نے مل کر لاش کو اٹھایا اور کچھ فاصلے پر ان چٹانوں میں لے آئے جہاں کھاڑی کا سمندری پانی اندر تک آگیا تھا۔ یہاں زمین بے حد نرم اور ریتلی تھی وہ ایک کھرپا اپنے ساتھ لائے تھے۔ رات کے اندھیرے میں انہوں نے ایک چٹان کی اوٹ میں آکر زمین میں گڑھا کھودا اور کریانی بدمعاش کی لاش کو اس میں گرا کر اوپر ریت ڈال کر اسے بھر دیا منگی ادھر ادھر سے چھوٹے پتھر اکٹھے کر کے لے آئی سنیاسی باوا نے ان پتھروں کو اوپر بکھیر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنی جھونپڑی میں آگئے۔ سنیاسی باوا کہنے لگا۔

"تم یہاں آرام کرو۔ میں شیر خان کے پاس جاتا ہوں۔" پھر اس نے رومال میں لپٹا ہوا کریانی بدمعاش کا پستول نکال کر بیٹی کو دیا اور کہا "اس میں گولیاں پڑی ہوئی ہیں اگر اب کوئی بدمعاش ادھر آیا تو بے شک اس پر گولی چلا دینا۔ پھر جو ہو گا میں دیکھ لوں گا۔ ہم لوگ اپنی عزت بچانا جانتے ہیں۔"

پستول چاقو خنجر چھرا ان سنیاسیوں کے لئے کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ ان کے قبیلے میں بھی جرائم پیشہ لوگ تھے جو آئے دن چوریاں ڈاکے مارتے رہتے تھے اور گولیاں بھی چلتی رہتی تھیں۔ منگی نے پستول لے کر سرہانے کے نیچے رکھ لیا اور گہرا سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو جھونپڑی میں دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور درختوں پر چڑیاں بول رہی تھیں۔ اتنے میں اس کا باپ بھی آگیا۔ کہنے لگا۔

"بانس کا بھوپان لاؤ۔ شیر خان کو وہاں سے دوسری جگہ لے جانا ہو گا۔ اب خطرہ ہے کہ اسمگلر اپنے آدمی کی تلاش میں ادھر ضرور آئیں گے۔"

"مگر ہم اسے کہاں لے کر جائیں گے؟"

"میں نے ایک جگہ دیکھ لی ہے تم جلدی سے بھوپان نکالو۔"

یہ بانس کو جوڑ کر انہوں نے ایک ہلکا پھلکا اسٹریچر بنایا ہوا تھا۔ منگی جھونپڑی کے پیچھے سے بانس کا بھوپان لے آئی۔ وہ چھوٹی سیڑھی کی طرح تھا۔ پستول کو سنیاسی باوا نے جھونپڑی کے سامنے ایک درخت کے پاس زمین کھود کر چھپا دیا۔ بھوپان کاندھے پر رکھ کر وہ منگی کے آگے آگے چل پڑا۔ شیر خان ہوش میں تھا۔ منگی نے جھک کر کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہم تمہیں ایک دوسری جگہ لے جا رہے ہیں تمہارے دشمن تمہارے پیچھے لگے ہیں۔"

شیر خان کے ذہن پر ابھی تک چندن بوٹی کا اثر تھا اور اس پر غنودگی سی طاری تھی۔ زخموں میں سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ کیلے کے پتوں کے بستر پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ نقاہت کی وجہ سے اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف آنکھوں سے ایسا اشارہ کیا جیسے اس نے سب کچھ سن لیا ہے۔

سنیاسی باوا اور اس کی بیٹی نے شیر خان کو بڑی احتیاط سے اٹھا کر بانس کے اسٹریچر پر ڈالا اور اسے لے کر ایک طرف چل پڑے۔ سنیاسی باوا نے اسٹریچر کو آگے سے پکڑ رکھا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ کہاں جانا ہے۔ جگہ جو سنیاسی باوا نے شیر خان کو چھپانے کے واسطے منتخب کی تھی وہاں سے کچھ فاصلے پر ہی تھی یہ ایک قدرتی چٹانی غار تھا جو زمین سے کوئی پچاس فٹ کی بلندی پر تھا اور پیچھے سے ایک تنگ راستہ چڑھائی پر جاتا تھا

سنیاسی باوا اور منگی نے زخمی شیر خان کو غار میں ایک طرف دیوار کے ساتھ گھاس پھوس کا نرم بستر بچھا کر منہ کے بل لٹا دیا۔ کیونکہ تینوں زخم شیر خان کی پیٹھ پر لگے تھے۔ یہاں وہ محفوظ تھا۔ یہ ایسا غار تھا جہاں نہ تو کبھی کوئی آتا تھا اور نہ کسی کا اس طرف خیال ہی گیا تھا۔ سنیاسن منگی اور اس کے باپ نے غار میں لگے سارے جالے صاف کر کے وہاں پانی سے بھرا ہوا مٹکا دو چٹائیاں اور شیر خان کے زخموں پر لگائی جانے والی جڑی بوٹیاں بھی لا کر رکھ دیں جنہیں پیس کر صبح شام ان کا لیپ لگایا جاتا تھا۔ کھانے پینے کے بارے میں سنیاسیوں کا اپنا طریقہ ہے۔ شیر خان کے واسطے منگی اپنے قبیلے میں سے ایک بکری لے آئی تھی جس کا دودھ اسے پلاتی تھی۔

یہ لوگ شیر خان کی بڑی اچھی طرح سے دیکھ بھال کر رہے تھے۔

اب ہم اپنی شیرنی یعنی عائشہ کی طرف چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ ہم نے عائشہ شیرنی کو اسی عالم میں چھوڑا تھا کہ اس نے بودھ بھکشنوں والا بھیس بدل رکھا تھا۔ یعنی سر کے بال اور بھویں صاف کروادی تھیں بدن پر زعفرانی رنگ کی بھکشوؤں والی چادر تھی۔ گلے میں کھدر کا پرانا تھیلا لٹک رہا تھا اور کاندھے پر ناریل کی شاخوں سے بنی

ہوئی چھتری تھی۔ رامیکا نے اسے کچھ پیسے بھی دے دیے تھے اور وہ پورا تھنی کی بودھ خانقاہ کی طرف جا رہی تھی۔ یہ خانقاہ جافنا سے پچاس میل پہلے آتی تھی۔ چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن پر وہ ٹرین میں بیٹھ گئی۔ لنکا میں ریلوے والے بودھ بھکشوؤں سے کوئی کرایہ نہیں لیتے۔ یہ لوگ ٹرین میں مفت سفر کرتے ہیں۔ چنانچہ شیرنی بھی ٹکٹ لئے بغیر ٹرین میں سوار ہو گئی۔ گیٹ سے گزرتے وقت ٹکٹ چیکر نے اس سے ٹکٹ کے بارے میں کچھ نہ پوچھا تھا۔ یہاں سب سے بڑا مسئلہ اس کے سامنے زبان کا تھا۔ وہ لنکا کی سنہالی زبان نہیں جانتی تھی۔ وہ پنجاب میں پیدا ہوئی تھی۔ پنجابی اس کی مادری زبان تھی۔ اردو قومی زبان تھی اور انگریزی فرانسیسی زبانیں اس نے کانونٹ میں پڑھی تھیں۔ یہاں وہ اب تک انگریزی یا ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی زبان میں ہی بات کرتی آئی تھی۔ کیونکہ جنوبی ہند اور لنکا میں انگریزی اور ہندوستانی ہر کوئی بول لیتا تھا۔ ٹرین اپنی منزل کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ شیرنی کے سامنے والی سیٹ پر ایک دبلی پتلی لڑکی بیٹھی تھی جو شکل صورت سے پڑھی لکھی لگتی تھی۔ جنوب میں عام بھکشنی عورتوں کا رنگ سانولا اور سبزی مائل ہوتا ہے جب کہ عائشہ کا رنگ سرخ و سفید تھا اس لڑکی نے عائشہ سے پوچھ ہی لیا۔

"تم کہاں سے آ رہی ہو بہن؟" یہ جملہ اس نے ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی یا اردو زبان میں ادا کیا تھا۔ عائشہ نے بھی ویسی ہی شکستہ اردو میں جواب دیا

"میں پنجاب سے آ رہی ہوں۔" اس سنہالی لڑکی نے تعجب سے پوچھا۔

"مگر پنجاب میں تو مہاتما بدھ کو ماننے والے نہیں ہوتے۔" عائشہ نے پہلے سے اس کا جو جواب سوچ رکھا تھا وہ دے دیا اور اس نے کہا۔

"تم نے ٹھیک کہا۔ میں پنجاب کی برہمن ہندنی ہوں۔ میرا نام ساوتری ہے۔ مجھے مہاتما بدھ کے وچار بڑے اچھے لگے۔ میں نے بدھ مت اختیار کر لیا اور بھکشنی بن گئی۔ اب لنکا کی بودھ خانقاہوں کی یاترا کے لئے یہاں آئی ہوں۔"

ادھر ادھر بیٹھے ہوئے دوسرے مسافروں نے بھی عائشہ کی طرف دیکھا اور ان کی بھی تسلی ہو گئی ورنہ عائشہ کا سرخ و سفید رنگ انہیں بھی مغالطے میں ڈالے ہوئے تھا کہ اتنی گوری چٹی بھکشنی کہاں سے آ گئی ہے پورا تھنی اسٹیشن پر گاڑی رکی تو سنہالی لڑکی نے عائشہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کہا کہ وہ اس کے گھر چل کر رات ٹھہرے عائشہ نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"ہم بھکشو لوگ کسی کے ہاں مہمان نہیں ٹھہرتے۔" یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اسٹیشن سے باہر آگئی۔ رامیکا نے اسے پوراتھنی خانقاہ کا محل وقوع بتادیا تھا۔ چنانچہ وہ بودھ خانقاہ میں پہنچ گئی۔ یہاں تین چار اور بھکشو عورتیں بھی ٹھہری ہوئی تھیں۔ عائشہ کے رنگ روپ نے ان عورتوں کو بھی اس کی طرف متوجہ کر دیا۔ عائشہ نے یہاں بھی وہی سوچی سمجھی وضاحت پیش کر دی۔ ان سے عائشہ نے جافنا کے آس پاس کی دو تین بودھ خانقاہوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں مگر ان عورتوں نے عائشہ کو جافنا کی خانقاہوں میں جانے سے منع کیا۔

"بہتر ہو گا کہ تم یہیں سے کسی گاڑی میں بیٹھ کر کولمبو چلی جاؤ کیونکہ شمال میں آج کل تامل ٹائیگرز نے بڑی تباہی مچا رکھی ہے وہ یہاں کے لوگوں کو بے دریغ قتل کر رہے ہیں۔ تم کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤ۔"

لیکن عائشہ جن لوگوں سے اپنی اور اپنے ماں باپ کی بے عزتی کا بدلہ لینے آئی تھی وہ تو جافنا کے اردگرد ہی تھے وہ کیسے کولمبو جا سکتی تھی اس نے یونہی کہہ دیا۔

"جافنا کی ایک خانقاہ کی زیارت کے بعد میں کولمبو چلی جاؤں گی۔" عائشہ کو ملنے والی اطلاعات کے مطابق یہ بودھ خانقاہ جافنا شہر کے شمال میں ایک پہاڑی جنگل میں واقع تھی۔ یہاں شہاب اور فیروز کے خفیہ اڈے کی موجودگی کا امکان تھا۔ عائشہ کے سامنے سب سے پیچیدہ پرابلم یہ تھی کہ وہ ان دشمنوں کا سراغ کیسے لگائے؟ اپنے آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اس نے بودھ بھکشو عورت کا بھیس بدلا تھا۔ لیکن مصیبت یہ بن گئی تھی کہ وہ اس بھیس میں بدمعاشوں جرائم پیشہ لوگوں اور اسمگلروں کی دنیا کا رخ نہیں کر سکتی تھی۔ پوراتھنی کی خانقاہ میں چٹائی پر لیٹے وہ سونے سے پہلے کافی دیر تک اسی مسئلے پر غور و فکر کرتی رہی۔ وہ کوئی کمزور دل نازک اندام عورت نہیں تھی۔ اس کا جگر شیرنی کا تھا اور اس کے شیر دل ماں باپ نے اسے کمانڈو کی تربیت بھی دے رکھی تھی اور وہ ہر قسم کا اسلحہ چلا سکتی تھی۔ دشمن سامنے آجائے تو جھجکے بغیر اسٹین گن کا پورا برسٹ مار سکتی تھی۔ ایک مذہبی فرقے سے تعلق رکھنے والی فقیرنی جوگن ٹائپ عورت کا اسمگلروں سے کیا کام ہو سکتا

تھا۔ دوسرے اسے یہ خیال بھی تھا کہ اگرچہ اس نے سر کے بال اور بھویں منڈوا کر کافی حلیہ بدل لیا تھا مگر شہاب اور فیروز کی تیز آنکھیں اسے پہچاننے میں غلطی نہیں کھا سکتی تھیں۔ لنکا میں اسے کسی نہ کسی طرح پہنچنا تھا سو وہ پہنچ گئی تھی اب آگے اسے اپنے اور اپنے باپ کے دشمنوں کو تلاش کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتارنا باقی تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ سب سے پہلے تو اسے مہلک قسم کا اسلحہ حاصل کرنا چاہئے اس کے بعد شہاب اور فیروز کا کھوج لگا کر ایک منٹ ضائع کئے بغیر ان کو گولیوں سے بھون ڈالنا چاہئے چاہے اس میں اس کی اپنی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

پوراتھنی کی بودھ خانقاہ میں رات بسر کرنے کے بعد عائشہ اگلے روز جافنا کی طرف روانہ ہو گئی۔ جافنا کا اسٹیشن کافی بڑا تھا مگر تامل ٹائیگرز یا تامل ایلام کی دہشت گردیوں کی وجہ سے خالی پڑا تھا۔ جو مسافر ریل سے اترے وہ بھی جلدی جلدی اسٹیشن سے باہر نکل گئے تھے۔ عائشہ بھی بدھ بھکشنی کے لباس میں اسٹیشن سے باہر نکل آئی۔ یہ ساری جگہیں اس کے لئے اجنبی اور بالکل نئی تھیں لیکن عائشہ اعتماد کی طاقت سے مالا مال تھی۔ وہ بہادر تھی۔ بہادر ان معنوں میں کہ اپنی عزت اور اپنے ناموس کی خاطر جان لے بھی سکتی تھی اور اپنی جان قربان بھی کر سکتی تھی۔ ایک طرح سے وہ موت کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر اس مہم پر نکلی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وطن سے دور ایک اجنبی ملک میں آکر بھی وہ بے خوف اور بے باک تھی۔ اس کے علاوہ عائشہ کے دل میں ان گھناؤنے جرائم کرنے والے لوگوں کے خلاف انتقام کی آگ بھی مسلسل بھڑک رہی تھی۔ جنہوں نے اسے اغوا کر کے بدکردار بدمعاش لوگوں کے پاس فروخت کر دیا تھا ان تمام باتوں نے مل کر عائشہ کو ایک خونخوار شیرنی بنا دیا تھا جو اجنبی جنگل میں آکر اپنے دشمن کی بو سونگھتی پھر رہی تھی۔

جس بودھ خانقاہ کا پتا پوراتھنی کی بھکشو عورتوں نے اسے دیا تھا وہ جافنا کے شمال میں شہر سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی مقام پر واقع تھی۔ لنکا میں چونکہ بودھ مت سرکاری مذہب ہے اس لئے وہاں لوگ بودھ بھکشوں اور بھکشنوں کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک سائیکل رکشا والے سنہالی نے عائشہ کو خانقاہ تک پہنچا دیا۔ یہ خانقاہ بھی پہلی خانقاہ کی طرح ہی تھی۔ وہی افسردہ سی خاموشی درودیوار سے لپٹا ہوا اندھیرا زندگی کے میدان جنگ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھاگی ہوئی عورتوں کے لٹکے ہوئے اداس چہرے اور ان چہروں پر فطری جذبوں کے خلاف کی ہوئی ریاضتوں کی تھکن ..... اس خانقاہ میں بودھ مت کے مرد بھکشو راہب بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔ سب کے سر منڈے ہوئے تھے۔ بظاہر ان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا جس کمرے میں گوتم بودھ کی مورتی رکھی تھی اس طرف سے بودھ اشلوک پڑھنے کی دھیمی دھیمی دردناک سی آواز آ رہی تھی۔ فضا میں لوبان اور اگربتیوں کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ ایک مرد بھکشو عائشہ کو غور سے دیکھتا ہوا بھکشنوں کے پاس لے گیا۔ ہر کوئی عائشہ کے گورے چٹے رنگ دراز قد اور چوڑے قد کاٹھ کی وجہ سے بڑے تعجب سے اسے دیکھتا تھا یہاں بھی عائشہ نے بودھ مت اختیار کرنے کا وہی فرضی افسانہ دہرا دیا جو پہلے والی خانقاہ میں اس نے عورتوں کو بتایا تھا۔

اسی خانقاہ کے پیچھے ایک چشمہ بہتا تھا۔ شام کو سب راہب عورتیں وہاں اشنان کرنے جاتی تھیں۔ یہاں قصبے سے خیرات میں ملا ہوا کھانا وغیرہ آتا تھا۔ اس میں ہر قسم کی سبزیاں' پھل' چاول' اور پکا ہوا کھانا بھی ہوتا تھا۔ عائشہ کو اس خانقاہ میں رہتے ہوئے تین دن ہو گئے تھے۔ اس دوران اس نے ہر شے کا اچھی طرح سے جائزہ لیا تھا۔ ایک بھکشنی عورت عائشہ کو کچھ مشکوک سی نظر آئی تھی۔ مہاتما بدھ کی مورتی کی پوجا کرتے وقت وہ قطار میں سب سے پیچھے ہوتی اور کسی وقت اس کا سر یوں ایک جانب اپنے آپ جھک سا جاتا تھا جیسے اس نے کوئی نشہ کیا ہوا ہو۔ اس بھکشنی کو وہاں سب جانکی کے نام سے بلاتے تھے۔ عائشہ نے ایک عورت سے جانکی کے بارے میں بات کی تو اس نے رازدارانہ انداز میں عائشہ کو بتایا کہ یہ عورت نشہ کرتی ہے چونکہ بڑے بھکشو کے ساتھ اس کی دوستی ہے اس لئے بیٹھی ہے ورنہ کب کی یہاں سے نکالی جا چکی ہوتی۔ عائشہ نے سوچا کہ اگر یہ عورت جانکی نشہ کرتی ہے تو ضرور کہیں سے ہیروئن یا کوئی دوسری نشہ آور شے خریدتی ہو گی۔ یا کوئی اسے دینے یہاں چھپ کر آتا ہو گا۔ اس عورت سے یہاں کے جرائم پیشہ لوگوں کے کسی ٹھکانے کا سراغ مل سکتا تھا۔

عائشہ نے جانکی کے ساتھ تعلقات بڑھانے کی کوشش کی مگر جانکی نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا اور اپنے رویے سے عائشہ کو بتا دیا کہ وہ دوستی نہیں کرنا چاہتی۔ عائشہ نے سوچا

کہ اس عورت سے دوستی تو نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ پتا چلانے کی کوشش کرنی چاہئے کہ یہ نشہ آور چیزیں لینے کہاں جاتی ہے یا اسے یہ چیزیں یہاں کون دینے آتا ہے۔ عائشہ نے جانکی کو اپنی نگاہوں میں رکھ لیا اور اس کی نگرانی شروع کر دی۔

اسی خانقاہ میں بھکشو عورتوں کی تعداد سات تھی جب کہ مرد بھکشو دس گیارہ کے قریب تھے۔ عورتیں رات کو ایک کمرے کے فرش پر چٹائیاں بچھا کر سوتی تھیں اور مرد ساتھ والے کمرے میں سوتے تھے۔ اسی رات کا ذکر ہے کہ آدھی رات کے وقت باہر سے اچانک فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں۔ خانقاہ کے بھکشو مرد اور عورتیں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ عائشہ بھی جاگ پڑی۔ فائرنگ کی آواز قریب آ رہی تھی۔ یہ اسٹین گنوں کے برسٹ فائر کیے جا رہے تھے جس کمرے میں مرد بھکشو تھے ادھر بھی شور مچ گیا۔ کسی نے چلا کر کہا۔

"تامل ایلام والے آ گئے ہیں۔ بھاگ جاؤ۔"

کچھ عورتیں پچھلے دروازے میں سے بھاگ گئیں۔ تامل گوریلے دروازہ توڑ کر اندر گھس آئے۔ آتے ہی انہوں نے پورا برسٹ دیوار پر مارا اور لنکا کی سنہالی زبان میں کچھ کہا جسے عائشہ نہ سمجھ سکی۔ اس وقت کمرے میں صرف تین بھکشو عورتیں رہ گئی تھیں۔ ایک عائشہ ایک جانکی اور ایک اور بھکشو عورت۔ تامل گوریلے ان سب کو بازوؤں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئے۔ باہر دوسرے گوریلے دھڑا دھڑ فائرنگ کر رہے تھے اور چیخ چیخ کر نعرے لگا رہے تھے۔ بھکشو مردوں کو وہ ٹھڈے مار مار کر ایک طرف بٹھا رہے تھے۔ یہ چھ گوریلے تھے۔ ان سب نے گوریلوں والی خاکی وردیاں پہن رکھی تھیں۔ سب کے پاس اسٹین گنیں تھیں۔ عائشہ پہلی بار تامل گوریلوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے دیکھتے دیکھتے انہوں نے دو بھکشوؤں کو برسٹ مار کر ہلاک کر دیا۔ خانقاہ کے برآمدے میں جو بلب جل رہا تھا اس کی روشنی میں بے گناہ بھکشو مردوں کی لاشیں خون میں تڑپ رہی تھیں۔ باقی دونوں عورتوں کے ہوش اڑ گئے تھے عائشہ پر بھی خوف طاری تھا مگر وہ اپنے ہوش و حواس کو سنبھالے ہوئے تھی۔ ایک گوریلا ان کا لیڈر تھا وہ اسٹین گن ہاتھ میں لئے عائشہ۔ جانکی اور دوسری بھکشو عورتوں کے پاس آیا۔

اس نے عائشہ کو غور سے دیکھا اور اپنے ساتھی سے سنہالی زبان میں کچھ کہا اور پھر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ ظاہر ہے یہی کہا ہو گا کہ یہ گوری چٹی بھکشنی یہاں کہاں سے آ گئی ہے۔ گوریلا لیڈر نے سنہالی زبان میں عائشہ سے کچھ پوچھا۔ عائشہ نے انگریزی میں کہا کہ میں انڈیا کی رہنے والی ہوں۔ سنہالی زبان نہیں سمجھتی اس پر گوریلا لیڈر نے انگریزی میں کہا۔

"تم چاہے جہاں سے بھی آئی ہو اب ہمارا مال ہو۔ چلو۔"

وہ عائشہ اور دوسری دونوں عورتوں کو کھینچتے ہوئے دوسرے کمرے میں لے گئے۔ تینوں عورتوں کو کمرے میں بند کر دیا اور باہر برآمدے میں بیٹھ کر وہ شراب پینے لگے۔ جانکی اور دوسری بھکشو عورت کے رنگ اڑے ہوئے تھے۔ خوف کے مارے ان سے بولا نہیں جاتا تھا۔ عائشہ نے انہیں ٹوٹی ہوئی ہندوستانی میں کہا۔ "مری کیوں جاتی ہو۔ جب تک جان میں جان ہے مقابلہ کریں گی۔" باہر تامل گوریلوں کے قہقہوں اور اونچی اونچی آوازوں میں باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان آوازوں سے عائشہ کو اندازہ ہوا کہ یہ لوگ وہاں سے کچھ دور بیٹھے ہیں۔ بند دروازے اور دیواروں میں باہر جھانکنے کے لئے کوئی دراڑ بھی نہیں تھی۔ اتنے میں بھاری بوٹوں کی آواز آئی۔ پھر دروازہ کھلا اور سامنے تامل گوریلوں کا لیڈر ہاتھ میں اسٹین گن لئے کھڑا تھا۔ اس نے پاؤں سے دروازہ بند کر دیا۔ صاف لگتا تھا کہ اس نے شراب پی رکھی ہے۔ عائشہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے انگریزی میں بولا۔

"پہلے تم میرے ساتھ آؤ۔"

عائشہ کمرے میں جلتے بلب کی روشنی میں گوریلا لیڈر کو تکنے لگی۔ یہ سب گوریلے ناٹے قد کے دبلے پتلے کالے کالے تھے۔ قد کاٹھ میں عائشہ ان سب سے مضبوط اور توانا تھی۔ گوریلا لیڈر کو عائشہ کی طرف اسٹین گن کا رخ کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ تو ان کی مفتوحہ عورتیں تھیں۔ اس کو کیا پتا تھا کہ وہ کس عورت پر ہاتھ ڈالنے والا ہے۔ وہ وقت آ گیا تھا جس وقت کے لئے عائشہ نے اپنی جان اور عزت سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ اسے اپنی عزت بچانے کے لئے سب سے پہلے دشمن پر ہلاکت خیز حملہ کرنا تھا اور ناکامی کی صورت میں اس چاقو سے اپنے آپ کو ہلاک کر دینا تھا جو عائشہ ہمیشہ اپنے لباس میں چھپا کر

رکھتی تھی۔ ایک سیکنڈ کے اندر اندر عائشہ کے جسم میں جیسے ایک جوالا مکھی سا پھٹ پڑا۔ اس کے ساتھ ہی عائشہ وہ غضبناک شیرنی بن چکی تھی جو دشمن پر حملے کرتے ہوئے یہ کبھی نہیں سوچتی کہ وہ خود بھی ہلاک ہو سکتی ہے۔ عائشہ نے پلک جھپکتے میں طے کر لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ جونہی گوریلا لیڈر نے آگے بڑھ کر عائشہ کو بازو سے پکڑنا چاہا۔ عائشہ نے اچھل کر پوری قوت اور مہارت سے گوریلا لیڈر کے پیٹ میں ٹھڈا مارا جونہی وہ دہرا ہوا عائشہ نے اوپر سے اپنا سیدھا بازو اس کی گردن پر مارا۔ یہ ایسی ضرب تھی جس کی شیر خان نے خاص طور پر عائشہ کو ٹریننگ دی ہوئی تھی۔ یہ اتنی شدید تھی کہ دبلے پتلے جسم والے تامل گوریلا لیڈر کو کوئی ہوش نہ رہا۔ بجلی کی چمک کی طرح عائشہ شیرنی نے گوریلے کی ٹھوڑی کے نیچے اپنا بازو ڈال کر اوپر کو زبردست جھٹکا دیا۔ اس جھٹکے نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور تامل گوریلا لیڈر کی گردن کی ہڈی دو جگہ سے ٹوٹ گئی۔

سارا منظر دونوں بھکشو عورتیں دہشت زدہ ہو کر دیکھ رہی تھیں۔ شیرنی نے گوریلے لیڈر کی اسٹین گن سنبھال لی اور اشارے سے دونوں عورتوں کو فرش پر لیٹ جانے کو کہا۔ دونوں عورتیں اسی وقت فرش پر اوندھے منہ لیٹ گئیں۔ دروازہ بند تھا۔ شیرنی نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ چار تامل گوریلے برآمدے والے بلب کی روشنی میں ذرا نیچے زمین پر بیٹھے شراب پی رہے تھے ان میں سے ایک گوریلے نے دروازے کی طرف منہ کر کے اونچی آواز میں کچھ کہا۔ شاید وہ اپنے لیڈر کو بلا رہا تھا۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو وہ قہقہہ لگا کر اپنے ساتھی گوریلوں سے کچھ کہنے لگا۔

عائشہ کے لئے ان چاروں گوریلوں کو ہلاک کرنے کا اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں تھا۔ یہ سوچنے اور منصوبہ بندی کرنے کا نہیں بلکہ عمل کرنے بے دھڑک ایکشن کرنے کا وقت تھا۔ یہی عائشہ کو اپنے باپ اور شیرنی ماں سے ٹریننگ ملی تھی۔ اس نے ایک دم دروازہ کھولا اور اسٹین گن کو لہے سے لگا کر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ یہ ناممکن تھا کہ عائشہ کا نشانہ خطا جاتا۔ جب کہ ٹارگٹ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر ہی تھا۔ دیکھتے دیکھتے اس نے چاروں گوریلوں کو بھون کر رکھ دیا۔ وہ جانتی تھی کہ فائرنگ کی آواز سن کر باقی کے دو تین گوریلے بھی ادھر دوڑیں گے۔ عائشہ نے لات مار کر کمرے کا دروازہ بند کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ اچھل کر برآمدے کا جنگلہ پھلانگا اور جہاں تامل گوریلوں کی لاشیں خون میں تڑپ رہی تھیں وہاں پتھر کے چبوترے کی اوٹ میں بیٹھ گئی۔ اس کی گن کا رخ خانقاہ کے بڑے کمرے کی طرف تھا جہاں باقی تامل گوریلے بھکشوؤں کو بند کر کے ان سے علاقے میں موجود لنکا کے نیم فوجی دستوں کے ٹھکانوں کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ فائرنگ کی آواز سن کر تینوں گوریلے باہر نکل آئے۔ شیرنی انہیں ایک سیکنڈ کی بھی مہلت نہیں دینا چاہتی تھی۔ اگر ان میں ایک بھی گھات لگا کر بیٹھ جاتا ہے تو مقابلہ لمبا ہو سکتا تھا اور اس میں شیرنی کا نقصان تھا۔

چنانچہ جونہی تینوں گوریلے بڑے دروازے سے نکل کر اپنے ساتھیوں کو آوازیں دیتے باہر آئے، شیرنی نے انہیں اپنی اسٹین گن کی زد میں لے لیا اور اس کی گن کی نالی شعلے اگلتی دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں چلنے لگی۔ میگزین ختم ہو گیا تو شیرنی نے گن پھینک کر مرے ہوئے تامل گوریلے کی اسٹین گن اٹھا لی۔ مگر اس دوران تینوں گوریلے پیٹ اور سینوں میں گولیوں کے برسٹ کھانے کے بعد خون میں لت پت ہو کر برآمدے کے فرش پر گر چکے تھے۔ شیرنی فائرنگ کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور دوڑ کر ان گوریلوں کے سر پر پہنچ گئی۔ اس نے بڑے کمرے کے ادھ کھلے دروازے کی طرف گن کا رخ کیا اور انگریزی میں چیخ کر کہا۔

"باہر آ جاؤ۔"

اندر صرف سہمے ہوئے چھ سات بھکشو مرد ہی تھے جو سہمے سہمے سے باہر نکل آئے۔ ان کا خیال تھا کہ باہر تامل گوریلے ہوں گے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ فرش پر تینوں گوریلوں کی لاشیں پڑی ہیں اور سامنے اسٹین گن لئے ان کی خانقاہ میں آئی ہوئی مہمان بھکشنی کھڑی ہے تو حیرت اور خوشی سے ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ عائشہ نے ہندوستانی میں پوچھا۔

"اندر کوئی تامل گوریلا تو نہیں ہے؟" بڑے راہب نے سینے پر ہاتھ باندھ رکھے تھے وہ گھبرایا ہوا تھا۔ بولا۔

"نہیں میری بچی! اندر اب کوئی بدمعاش نہیں ہے۔" اگرچہ بودھ خانقاہ کے کچھ بھکشو

بھی مارے گئے تھے مگر اس کے باوجود تامل گوریلے اور ان کا لیڈر بھی مارا گیا تھا جس سے خانقاہ کے بڑے راہب کو تشویش تھی کہ تامل ایلام اب اس خانقاہ کو تباہ کر دیں گے۔ جب چیف بھکشو نے عائشہ سے اپنے اس خدشے کا اظہار کیا تو اس نے انگریزی میں کہا۔

"تو کیا تم یہ چاہتے تھے کہ تامل گوریلے تمام بھکشو عورتوں کی عزتیں لوٹ کر انہیں ہلاک کر کے چلے جاتے؟ اور تم دیکھتے رہتے؟ میں نے جو کچھ کیا تم لوگوں کی جانیں اور خانقاہ کی بھکشو عورتوں کی عزتیں بچانے کے لئے کیا ہے اور مجھے اس پر کوئی پریشانی کوئی ڈر خوف نہیں ہے۔"

اسٹین گن ابھی تک عائشہ شیرنی کے ہاتھ میں تھی۔ اتنے میں وہ بھکشو عورتیں بھی واپس آ گئیں جو تامل گوریلوں کے حملے کے وقت بھاگ گئی تھیں۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ بہادرانہ کارنامہ ان ہی کی خانقاہ کی ایک بھکشنی کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا ہے۔ وہ سب بڑی خوش اور جوش میں تھیں اور عائشہ کی جرات مندی کی تعریف کر رہی تھیں۔ جانکی تو بہت زیادہ عائشہ کی حمایت کر رہی تھی اور بار بار اس کا ہاتھ چوم رہی تھی۔

"ساوتری! تمہارا مقابلہ تو کوئی بڑے سے بڑا کمانڈو بھی نہیں کر سکتا۔ تم نے جس طرح گوریلا لیڈر کو گرا کر اس سے گن چھینی میں اسے کبھی نہیں بھول سکتی۔"

بھکشو مرد بھی اب عائشہ کی حمایت کرنے لگے کہ اگر یہ لڑکی جرات سے کام نہ لیتی تو تامل گوریلے ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑتے۔ چیف راہب دل سے عائشہ کی بہادری کا قائل ہو گیا ہوا تھا مگر وہ تامل گوریلوں کی طاقت سے گھبراتا تھا۔ کہنے لگا۔

"وہ تو میں بھی مانتا ہوں مگر ان لاشوں کو کہاں لے جائیں؟" عائشہ کہنے لگی۔

"تامل گوریلوں کی لاشوں کو ہم گڑھا کھود کر زمین میں دبا دیں گے۔ اپنے بھکشوؤں کا ہم عزت و احترام کے ساتھ کریاکرم کریں گے۔ ہم قریبی چوکی میں جا کر رپورٹ کریں گے کہ ہماری خانقاہ میں رات تامل گوریلوں نے حملہ کیا اور ہمارے بھکشوؤں کو ہلاک کر کے رات کے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ ہم اس کا ذکر ہی نہیں کریں گے کہ یہاں کسی تامل گوریلے کا خون ہوا ہے جب ان کی لاشیں یہاں نہیں ہوں تو ہمارے بیان پر سب کو یقین آ جائے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چیف بھکشو نے ایسا ہی کیا۔ ابھی کافی رات باقی تھی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ سب بھکشو اور بھکشو عورتوں نے مل کر خانقاہ کے پیچھے ایک کھڈ میں کافی بڑا خندق نما گڑھا کھود ڈالا۔ پھر سارے تامل گوریلوں کی لاشیں اس میں ڈال کر اسے مٹی پتھروں سے بھر دیا اور اوپر درختوں کے پتے اور جھاڑیاں کاٹ کر بکھیر دیں۔ گوریلوں کی اسٹین گنیں' شراب کی خالی بوتلیں اور سگریٹوں کے ٹکڑے بھی ایک الگ گڑھے میں دبا دیئے گئے۔ صرف ایک اسٹین گن اور گولیوں کی ایک بیلٹ عائشہ نے اپنے پاس رکھی اور اسے الگ جگہ ایک درخت کے نیچے دبا دیا۔ یہ کام ختم کرنے کے بعد چیف بھکشو نے قریبی قصبے کے تھانے میں جا کر رپورٹ درج کرا دی۔ وہاں کی پولیس خود تامل ایلام سے ڈرتی تھی پولیس نے رپورٹ درج کر لی اور چیف بھکشو سے کہا۔

"تم خوش قسمت ہو کہ تم زندہ بچ گئے اب اس کا ذکر کسی فوج والے سے نہ کرنا نہیں تو تامل ٹائیگرز تمہاری خانقاہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اس بات کو دبا ہی دو تو بہتر ہے۔ ہم بھی آگے اس کی رپورٹ نہیں کریں گے۔ بس تم یہی سمجھو کہ کچھ نہیں ہوا۔ اب جاؤ اور اپنے آدمیوں کا کریا کرم بھی خاموشی سے ہی کرو۔"

صبح ہونے تک خانقاہ کے جو بے گناہ بھکشو مارے گئے تھے ان کی لاشوں کو وہاں کی رسم کے مطابق خاموشی سے دوسری خانقاہ میں جلانے کے لئے پہنچا دیا گیا۔ اس واقعے کے بعد خانقاہ میں عائشہ کی بڑی دھاک بیٹھ گئی۔ ہر بھکشو اور بھکشنی اس سے ڈرنے لگی۔ عائشہ شیرنی کو اس سے یہ فائدہ ہوا کہ نشے کی عادی جانکی بھکشنی اس کی دوست بن گئی اور اس نے شیرنی کے ذرا سے پوچھنے پر صاف صاف بتا دیا کہ وہ ہیروئن کے نشے کی عادی ہو چکی ہے۔

"مگر ساوتری! میں زیادہ ہیروئن نہیں لیتی دن میں دو ایک بار اسے تھوڑا تھوڑا استعمال کرتی ہوں۔"

"یہ ہیروئین تم کہاں سے لیتی ہو؟ کیا کسی جگہ خود جاتی ہو یا کوئی آدمی تمہیں یہاں دے جاتا ہے؟" جانکی نے شیرنی کی منت کرتے ہوئے کہا۔

"بھگوان کے لئے کسی کو بتانا نہیں۔ نہیں تو یہ لوگ مجھے یہاں سے نکال دیں گے۔"

"میں کسی کے آگے ذکر نہیں کروں گی۔ تم یہ بتاؤ کہ یہ دوا تم کہاں سے لاتی ہو؟"

جانکی اور شیرنی اس وقت خانقاہ کے پچھواڑے کیلے کے درخت کے پاس بیٹھی تھیں۔ جانکی کہنے لگی۔

"یہاں سے تھوڑی دور نالے کے پار ایک جھونپڑی میں بیوہ مچھیرن رہتی ہے۔ وہ یہی دھندا کرتی ہے میں ہفتے میں ایک دن شام کو اس کے پاس جاتی ہوں اور ایک پڑیا لے آتی ہوں۔" شیرنی نے پوچھا۔

"وہ مچھیرن یہ دوا کہاں سے لاتی ہے؟" جانکی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تم اتنا کرید کرید کر کیوں پوچھ رہی ہو؟ کیا تم بھی چکھنا چاہتی ہو؟" پھر جانکی خود ہی ہنس دی۔ شیرنی نے کہا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے مجھے اس نشے کا شوق نہیں ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ پچھلے انڈیا میں میرے ایک ماموں تھے وہ بھی یہی نشہ کیا کرتے تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ کسی وجہ سے ان کا ہیروئن بیچنے والوں سے جھگڑا ہو گیا۔ سنا ہے کہ وہ لوگ اسے اغوا کر کے یہاں جافنا کے کسی اسمگلروں کے اڈے میں لے آئے ہیں اور یہاں اس سے مشقت کراتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ اب یہاں آئی ہوں تو ماموں کا ہی کچھ پتا چلا لوں۔" جانکی بولی۔

"اس مچھیرن کو اسمگلروں کے سارے اڈوں کا پتا ہے کیونکہ یہ نشے والی دوائی باہر سے ہی اسمگل ہو کر یہاں آتی ہے۔ تم کسی روز میرے ساتھ مچھیرن کے پاس چلنا۔ وہ تمہیں ان کے اڈے بتا سکے گی۔ کہ کہاں کہاں ہیں۔ آگے پتا چلانا تمہارا کام ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" عائشہ نے کہا۔ دو دن بعد جانکی دوپہر کے بعد شیرنی کے قریب سے گزرتے ہوئے رک گئی اور دھیمی آواز میں کہنے لگی۔

"آج شام کو مچھیرن کے پاس چلیں گے۔ تم تیار رہنا۔" شام کو جب خانقاہ کے سبھی بھکشو اور بھکشنیں پوجا پاٹ میں لگی تھیں جانکی نے شیرنی کو اپنے ہمراہ لیا اور مچھیرن کی طرف چل دی۔ مچھیرن کی جھونپڑی نالے کے پار ایک چھوٹے سے تالاب کے پاس تھی۔ کالے رنگ اور شنگرفی آنکھوں والی بوڑھی مچھیرن کے موٹے موٹے سفید بال ناریل کے تیل میں چمک رہے تھے۔ اس نے شیرنی کی طرف مشتبہ نظروں سے دیکھا۔ جانکی نے اسے اپنی زبان میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ میری سہیلی ہے۔ انڈیا سے آئی ہے۔ ابھی اسے نشہ نہیں لگا۔ آہستہ آہستہ میں اسے بھی لگا دوں گی۔"

بوڑھی مچھیرن اپنے ٹوٹے پھوٹے لال پیلے دانت نکال کر ہنسنے لگی۔ شیرنی عائشہ بھی مسکرا دی۔ اس کے بعد شیرنی عائشہ نے اپنے فرضی ماموں کے بارے میں مچھیرن سے پوچھ گچھ کی۔ مچھیرن نے حلیہ پوچھا تو شیرنی نے شہاب یا فیروز کا حلیہ بتانے کی بجائے یونہی فرضی حلیہ بیان کر دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ شہاب یا فیروز تک یہ اطلاع پہنچے کہ ایک بھکشنی جو شمالی انڈیا سے آئی ہے اس کا حلیہ پوچھ رہی تھی شیرنی کا مقصد یہ تھا کہ وہ مچھیرن سے ادھر ادھر کی باتوں سے شہاب اور فیروز کے بارے میں ان کا حلیہ بتائے بغیر معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن مچھیرن کی باتوں سے شیرنی کو اندازہ ہوا کہ اس کا تعلق بڑے اسمگلروں کے کسی گینگ سے نہیں ہے۔ اسے ہیروئن اور چرس کی تھوڑی سی مقدار ایک آدمی آکر دے جاتا ہے جسے وہ آگے لگے بندھے گاہکوں میں فروخت کر دیتی ہے۔

شیرنی نے قصداً اس کے بعد کوئی بات نہ کی اور جانکی کے ساتھ خانقاہ میں واپس آگئی۔

ایک دن چھوڑ کر شام کے وقت شیرنی خود مچھیرن سے ملنے چلی گئی۔ مچھیرن شیرنی کو دیکھ کر بڑی خوش ہوئی اور کہنے لگی۔

"تھوڑی سی دوائی لاؤں؟ ایک بار پی کر تو دیکھو۔ ساری زندگی مجھے یاد کرو گی۔" شیرنی ہنسنے لگی۔

"نہیں ابھی نہیں۔ میں تو تم سے ایک اور بات کرنے آئی ہوں۔"

"کیا بات کرنی ہے کہو؟" مچھیرن شیرنی کے قریب ہو گئی۔ شیرنی نے بظاہر بڑی رازداری کے ساتھ کہا۔

"تم اپنا دھندا کیوں نہیں شروع کر دیتیں؟ جھونپڑی کی جگہ بے شک اپنا محل بنا لینا۔ باقی زندگی عیش آرام سے گزارو گی۔ نوکر چاکر خدمت کریں گے۔" مچھیرن ہنسنے لگی۔

"اپنے پاس اتنی رقم کہاں ہے بیٹی۔ یہ تو بڑے پیسوں والوں کا کام ہے اور پھر میں اکیلی یہ سب کچھ کیسے کر سکتی ہوں؟" عائشہ شیرنی نے فوراً کہا۔

"میں پیسہ لگاؤں گی۔ میرے پاس پیسہ ہے۔"

مچھیرن کی آنکھیں ایک بار تو چمک اٹھیں کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ہیروئن کے ناجائز دھندے میں دولت ہی دولت ہوتی ہے اگر برائی کرنی ہی ہے تو پھر بڑے پیمانے پر ہی کی جائے۔ خطرہ تو ایک سو روپے کی ہیروئن میں بھی ہے اور ایک لاکھ کی ہیروئن میں بھی۔ شیرنی مچھیرن کو زیادہ سوچنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس نے کہا۔

"تم اتنا پتا کرو کہ جو آدمی تمہیں تھوڑا سا مال دے کر جاتا ہے وہ یہ کہاں سے لاتا ہے۔" مچھیرن کہنے لگی۔

"مگر تم بھکشنی ہو۔ تم یہ کام کیسے کرو گی؟" شیرنی بولی۔

"عورت اگر چاہے تو کیا کچھ نہیں کر سکتی؟ اور پھر ہو سکتا ہے کہ اسی طرح مجھے میرا گمشدہ ماموں بھی کہیں سے مل جائے۔ میں کل آؤں گی اسی وقت۔ تم سارا پتہ کر رکھنا۔ اور ہاں اس کا ذکر کسی سے مت کرنا۔"

"میں پاگل تو نہیں ہوں۔" مچھیرن نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔ شیرنی نے مچھیرن کو پچاس روپے دے کر کہا۔

"انہیں اپنے پاس رکھ لو۔ یہ میری طرف سے تمہارے واسطے ہیں۔" مچھیرن پچاس روپے لے کر بڑی خوش ہوئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ بھکشنی جو اپنا نام ساوتری بتاتی ہے مالدار عورت ہے اور ہیروئن کی اسمگلنگ سے اور دولت پیدا کرنا چاہتی ہے۔ اس نے شیرنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ہاتھ چوم لیے اور شکریہ ادا کرنے لگی۔

اگلے روز عائشہ شیرنی پھر شام کے وقت مچھیرن کی جھونپڑی میں پہنچ گئی۔ مچھیرن نے ساری معلومات لے رکھی تھیں کہنے لگی۔

"یہ آدمی جن لوگوں سے مال لاتا ہے ان کا بہت بڑا کاروبار ہے۔ یہ لوگ ہیروئن کے علاوہ ہیرے جواہرات بھی باہر سے لاتے ہیں۔" شیرنی نے پوچھا۔

"یہ کون لوگ ہیں اور ان کا ڈیرہ کہاں پر ہے؟ میں یہ اس لیے پوچھ رہی ہوں تاکہ میں خود ان کی جانچ پڑتال کر سکوں۔ اس کے بعد ہم براہ راست ان سے بات کر کے اپنا حصہ ڈالیں گے۔ اور منافع آدھا آدھا کریں گے۔" مچھیرن کو اپنا بڑھاپا بڑا شاندار نظر آنے لگا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اسمگلر لوگ ایک ایک پھیرے میں کروڑوں روپے کما لیتے ہیں۔

کہنے لگی۔

"وہ آدمی بتا رہا تھا کہ ان لوگوں کے کئی ڈیرے ہیں۔ یہاں ان کا ڈیرہ کھنڈی کے جنگل میں ہے۔ یہاں سے چھ سات میل دور ہو گا۔"

"ڈیرے کو کون چلاتا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ اس کا یہاں مالک کون ہے؟ کیونکہ ہم تو ڈیرے کے مالک ہی سے بات کریں گے نا؟" مچھیرن نے کہا۔

"وہ میں نے اس سے پوچھا تھا۔ مگر جو آدمی مجھے مال دیتا ہے اسے ڈیرے کے مالک کا نام معلوم نہیں۔ اتنا بتا رہا تھا کہ دو آدمی ہیں۔ لنکا کے نہیں ہیں۔ اوپر انڈیا کے ہیں۔ پر بڑے سالوں سے یہاں رہ رہے ہیں۔" شیرنی کی آنکھوں میں ایک بجلی سی چمک گئی۔ اس نے مچھیرن سے کہا۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم خود اس آدمی کے ساتھ جا کر معلوم کرو کہ یہ آدمی کون ہیں اور کس وقت ڈیرے پر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہم نے ہزاروں روپے لگانے ہیں۔ اپنی تسلی تو کر لینی چاہئے نا۔"

"کیوں نہیں۔ میں کل ہی ڈیرے پر جا کر سب کچھ معلوم کر لوں گی۔"

"مگر ایک بات کا دھیان رہے۔ وہاں کسی کو یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تم کسی مقصد کو دل میں لے کر آئی ہو۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں کوئی اناڑی نہیں ہوں۔" مچھیرن نے بڑے پراعتماد لہجے میں کہا۔ "میں کل خود کسی بہانے آدمی کے ساتھ وہاں جاؤں گی۔ اس آدمی کو بھی نہیں بتاؤں گی کہ میں ڈیرے کے آدمیوں کا پتا کرنے آئی ہوں۔"

شیرنی کو کافی تسلی ہو گئی کہ یہ عورت تجربہ کار ہے اور رازداری سے بھی کام لینا جانتی ہے۔ اس نے مزید پچاس روپے نکال کر اسے دیے۔ جسے مچھیرن نے بڑے خوش ہو کر شکریے کے ساتھ قبول کر لیے۔ شیرنی دوسرے روز آنے کا کہہ کر خانقاہ میں واپس آ گئی۔ خانقاہ میں کسی کو اس کے آنے جانے کا علم نہیں ہوا تھا۔

مچھیرن بڑی ہوشیار اور ذمے دار عورت نکلی۔ اگلے روز جب شیرنی اس کے پاس گئی تو مچھیرن نے وہ سب کچھ بتا دیا جس کی شیرنی کو ضرورت تھی۔ اسے معلوم ہو گیا کہ اس ڈیرے کو شہاب اور فیروز ہی چلاتے ہیں اور وہ ایک دو دن سے زیادہ ڈیرے پر نہیں ٹھہرتے۔ مگر آج کل وہ اپنے کسی دشمن کی کھوج میں ہیں جس نے ان کے کچھ آدمی قتل کر دیے ہیں۔ اسی واسطے اکثر ڈیرے پر ہی ہوتے ہیں۔ شیرنی کے لیے یہ ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ اسے معصوم عورتوں کی عزتوں کے سودے کرنے والے قاتلوں کا پتا چل گیا تھا۔ جنہوں نے شیرنی کو بھی اغوا کر کے بدمعاشوں کے پاس فروخت کر دیا تھا اور ان کے ہنستے بستے گھر کا سکون تہہ و بالا کر دیا تھا۔ اس نے مچھیرن کو مزید کچھ رقم دی اور کہا۔

"اب تم میرا انتظار کرنا۔ میں کولمبو رقم لینے جاؤں گی۔ وہاں ایک ہفتہ لگ جائے گا۔ سیدھی تیرے پاس آؤں گی۔ پھر ڈیرے پر چل کر ان لوگوں سے بات کریں گے۔" مچھیرن نے کہا۔

"اتنی دیر میں تو شاید وہ دونوں چلے جائیں۔" شیرنی نے ہنس کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ وہ کہیں نہیں جائیں گے۔" شیرنی واپس چل پڑی راستے میں سوچنے لگی کہ اسے وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ بہت ممکن ہے کہ شہاب اور فیروز وہاں سے کہیں نکل جائیں۔ ان کے ٹھکانے کا سارا راستہ شیرنی نے معلوم کر لیا تھا۔ رات کو اسے دیر تک نیند نہیں آئی۔ وہ یہی سوچتی رہی کہ کوئی پستول ریوالور وغیرہ کیسے اور کہاں سے حاصل کیا جائے؟ ایک دم اسے خیال آیا کہ جن تامل گوریلوں کو اس نے ہلاک کیا تھا ان کی اسٹین

گنیں اور گولیوں کے بلٹ اس نے خانقاہ کے پیچھے ایک درخت کے پاس زمین میں دبا دیے تھے۔ پہلے اس کا پروگرام اگلی رات کو وہاں سے نکلنے کا تھا۔ مگر جب اسلحہ ایک طرح سے مل گیا تو شیرنی نے اسی رات خانقاہ کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اب یہ خانقاہ اس کے لیے بیکار تھے۔

کافی رات گزر گئی تھی جب اس کے دماغ میں دبائے ہوئے تامل گوریلوں کے اسلحہ کا خیال آیا تھا۔ چنانچہ شیرنی ایک منٹ ضائع کیے بغیر اٹھی اور کمرے سے باہر آگئی۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیلا ہوا تھا خانقاہ کے دروازے پر ہی ایک کمزور سا بلب روشن تھا شیرنی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ جس کمرے کا دروازہ وہ بند کر کے آئی تھی وہ ویسے ہی بند پڑا تھا۔ شیرنی خانقاہ کے پیچھے درخت کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اور ایک جگہ سے پتھر ہٹا کر ہاتھوں سے مٹی باہر نکالنی شروع کر دی اسلحہ بھی زیادہ گہرا نہیں دبا ہوا تھا۔ تھوڑی سی محنت کے بعد اس کا ہاتھ پہلے اسٹین گن سے ٹکرایا۔ اس نے گن باہر نکال کر چادر کے پلو سے صاف کی۔ پھر گولیوں کی بیلٹ بھی باہر کھینچ لی۔ اسے مزید اسلحہ کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے مٹی اور پتھر ڈال کر زمین کو پہلے کی طرح برابر کر دیا اور اٹھ کر درختوں کے نیچے آگئی۔ اس نے میگزین اور اسٹین گن کو دیکھا جس میں سے آدھی گولیاں چل چکی تھیں۔ شیرنی نے اس میں نیا میگزین بھر دیا۔ بیلٹ کے ساتھ چھ میگزین تھے۔ یہ بیلٹ اس نے اپنے زعفرانی لبادے کے نیچے کمر کے ساتھ باندھ لی۔ اسٹین گن کو بھی لبادے کے اندر ایک جگہ اڑس لیا اور مچھیرن کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑی۔ اس کے سر اور بھنوؤں کے بال اس لیے نہیں اگے تھے کہ یہ بال عبادت سے پہلے روزانہ صبح انہیں استرے سے صاف کرنے پڑتے تھے۔ اس اعتبار سے شہاب اور فیروز سے سامنا ہو جانے پر عائشہ کو اتنی جلدی پہچان نہیں سکتے تھے۔ مگر اب شیرنی اس بھکشوؤں والے زعفرانی لباس سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ پھر اسے خیال آیا کہ اسی لباس میں ڈیرے کے اردگرد کسی نے اسے دیکھ بھی لیا تو کوئی اس پر شک نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے زعفرانی لباس سے نجات حاصل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

شیرنی عائشہ کے سامنے چھ سات میل کا سفر تھا جو زیادہ تر ساحلی چٹانوں اور چھوٹے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھوٹے جنگلوں پر مشتمل تھا۔ شیرنی ویسے ہی بے خوف قسم کی لڑکی تھی اور اسے رات کے اندھیرے میں اکیلی سفر کرتے ہوئے کبھی ڈر نہیں لگا تھا اور اب تو اس کے پاس اسٹین گن تھی۔ میگزین میں گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ اگر اسے کوئی خطرہ تھا تو صرف یہ کہ کہیں کسی طرف سے تامل گوریلوں کے آدمی اس پر اچانک حملہ نہ کر دیں۔ اس خیال کے پیش نظر اس نے اپنا سیدھا ہاتھ لبادے کے اندر ڈال کر اسٹین گن پر مضبوطی سے جمایا ہوا تھا۔ تاکہ اگر کوئی خطرہ آجائے تو وہ تیزی سے گن نکال کر حالات کا مقابلہ کر سکے۔ اور بروقت فائرنگ کر سکے۔ باہر سے تو عائشہ شیرنی نے بدھ مت کی بھکشنی کا لبادہ پہن رکھا تھا لیکن اندر سے وہ چنگیز خان تھی مظلوم عورتوں کی عزتوں کا سودا کرنے والے جرائم پیشہ لوگوں کے حق میں ایک خونخوار شیرنی بن چکی تھی۔ مچھیرن نے اسے ایک نشانی بتائی تھی۔ یہ نشانی ایک ٹاور کی بتی تھی جو شہاب اور فیروز کے اڈے کی طرف جاتے ہوئے کھاڑی کے کنارے چٹانوں پر رات کو جلا کرتی تھی۔

شیرنی کو وہ بتی نظر آگئی۔ وہ محتاط ہو گئی۔ ایک طرح سے وہ دشمن کے علاقے میں داخل ہو گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ لوگ رزق حلال کا کاروبار نہیں کرتے بلکہ انسان دشمن سماج ہیں اور اخلاق سوز کام کرتے ہیں جو ناجائز بھی ہے اور غیر قانونی بھی ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے اپنے اڈے کے آس پاس رات کو ضرور پہرہ لگایا ہو گا۔

شیرنی مچھیرن کے بتائے ہوئے اشاروں کے مطابق آگے بڑھ رہی تھی۔ اگرچہ چاروں طرف رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر شیرنی کی آنکھیں ستاروں کی دھندلی روشنی میں بھی اپنا راستہ تلاش کر سکتی تھی۔ یہاں اس کے باپ شیر خان اور ماں روبی شیرنی کی دی ہوئی کمانڈو ٹریننگ کام آرہی تھی۔

وہ زمین پر بچھے ہوئے سوکھے پتوں اور درختوں کی گری پڑی شاخوں پر اس طرح جما کر قدم رکھتی اور پھر جما کر اٹھاتی کہ آواز پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اس کی چھٹی بلکہ ساتویں حس بھی بیدار تھی۔ اچانک اس نے فضا میں سگریٹ کے تمباکو کی بو سونگھی۔ وہ وہیں سے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی اور اسٹین گن لبادے کے اندر سے نکال لی۔ دو تین بار فضا میں سونگھنے کے بعد اسے معلوم ہو گیا کہ یہ بو اس کی بائیں جانب ایک ٹیلے کے پیچھے سے آرہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ وہ دبے پاؤں اس ٹیلے کی طرف بڑھی۔ قریب جانے پر اسے دو آدمیوں کے ہلکا سا قہقہہ لگا کر باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے کان لگا دیے۔ یہ دونوں وہاں کی زبان میں باتیں کر رہے تھے جو شیرنی کی سمجھ سے باہر تھی۔ اب وہ انتظار کرنے لگی کہ یہ لوگ یہاں سے ہٹیں تو وہ آگے بڑھے۔ کیونکہ مچھیرن کے مطابق وہ ہی ایک پگڈنڈی شہاب اور فیروز کے اڈے کو جاتی تھی۔ وہ ٹیلے کی ڈھلان پر جھاڑیوں کے پیچھے اسٹین گن لیے بیٹھی رہی۔ اچانک دونوں آدمی انگریزی میں باتیں کرنے لگے۔ شیرنی کے کان کھڑے ہو گئے۔ ان کی باتوں سے سوائے اس کے شیرنی کو اور کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ اسمگلروں کے گروہ کے آدمی ہیں اور رات کے پہرے پر ہیں۔ پھر دونوں باتیں کرتے آئے اور شیرنی کے آگے سے ہوتے ہوئے گزر گئے اندھیرے میں شیرنی ان کے کاندھوں سے لٹکی ہوئی اسٹین گنیں ہی دیکھ سکی۔ جب دونوں گارڈ وہاں سے کافی دور نکل گئے تو شیرنی جھاڑیوں سے نکل کر پگڈنڈی پر چل پڑی۔ ایک جگہ سے پگڈنڈی سے ہٹ کر کیلے اور پپیتے کے درختوں کے نیچے ایک جیپ کا ڈھانچہ نظر آیا۔ وہ آگے بڑھ گئی۔ سامنے ایک روشنی ٹمٹما رہی تھی۔

شیرنی رک گئی۔ یہ لالٹین کی روشنی ہو سکتی تھی۔ کیونکہ بجلی ادھر نہیں تھی اور دیے کی روشنی اتنی تیزی سے نہیں ٹمٹماتی۔ وہ تھوڑا چکر کاٹ کر اس مقام پر آئی جہاں یہ لالٹین لکڑی کے ایک کیبن کے سامنے بانس کے ساتھ لٹک رہی تھی۔ ایک ناٹے قد کا سنہالی کاندھے پر اسٹین گن لٹکائے کیبن کے آگے بیزاری سے ٹہل رہا تھا۔ کیبن کے اندر بھی روشنی ہو رہی تھی۔ اچانک اندر سے کسی مرد کی آواز آئی۔ اس نے مقامی زبان میں کچھ کہا تھا۔ پہریدار سنہالی لپک کر کیبن کے اندر چلا گیا۔ اندر کوئی مرد غصے سے بولے جا رہا تھا۔

یہ آواز شیرنی کو بہت مانوس محسوس ہوئی اس آواز کو شیرنی نے اپنے گھر میں سنا تھا جب شہاب اور فیروز ان کے گھر آ کر کئی روز رہے تھے۔ شیرنی نے ذہن پر زور دیا تو اسے یاد آ گیا کہ یہ آواز شہاب کے ساتھی فیروز کی تھی۔ یہ جس کی بھی آواز تھی وہ شیرنی کا دشمن تھا اور شیرنی اس آواز کو ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دینا چاہتی تھی۔ جس کی یہ آواز تھی شیرنی اسے موت کی نیند سلانے کے لیے ہی یہاں تک آئی تھی۔ پہریدار کیبن سے باہر آ گیا

اور ایک طرف گیا جدھر ایک دوسرا کیبن بنا ہوا تھا۔ شیرنی کو موقع مل گیا وہ درختوں کے پیچھے سے ہوتی ہوئی اسی کیبن کے پاس آ گئی جس میں روشنی ہو رہی تھی اور جہاں سے اسے اپنے دشمن کی آواز آئی تھی۔ کیبن کی ایک کھڑکی ضرور تھی مگر وہ بند تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ لگی آگے کو کھسکتی ہوئی دروازے کے پاس آ گئی۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ شیرنی نے جھانک کر دیکھا سب سے پہلے اسے اپنے دشمن فیروز کی شکل نظر آئی جو بانس کے صوفے پر لیٹا تھا۔ اس کے پاس ہی لکڑی کے فرش پر شراب کی بوتل اور گلاس پڑا تھا۔ ایک سنہالی اس کے پاؤں دبا رہا تھا۔ دوسرا سنہالی فیروز کے بالوں میں انگلیاں ڈال کر سہلا رہا تھا۔ دونوں آدمیوں کے کاندھوں کے ساتھ اسٹین گنیں لٹک رہی تھیں۔ اچانک پیچھے سے کسی نے سنہالی زبان میں شیرنی کو آواز دی یہ پہریدار تھا ظاہر ہے اس نے یہی کہا ہو گا کہ کون ہے؟ یہ پہریدار ضرور فائر کر دیتا مگر لالٹین کی روشنی میں شیرنی کے بھکشوؤں والے زرد کپڑے دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔ شیرنی نے پلٹ کر دیکھا تو پہریدار کو اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی اسٹین گن نظر آ گئی۔ اس نے شیرنی پر فائر کر دیا۔ شیرنی اس سے ایک سیکنڈ پہلے چھلانگ لگا کر ایک طرف ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی اس نے بھی گن کو لبے کے ساتھ لگا کر برسٹ مارا اور سنہالی پہریدار اچھل کر زمین پر گر پڑا۔

فائرنگ کی آواز سن کر فیروز اور دونوں سنہالی بھی کیبن سے فائرنگ کرتے باہر نکل آئے۔ شیرنی اوٹ میں تھی۔ اس نے فیروز کو نشانہ بنا کر ٹریگر دبا دیا۔ تڑاتڑ گولیاں گن کی نالی سے شرارے اڑاتی نکلیں اور فیروز لڑکھڑا گیا۔ شیرنی نے گن کا رخ اس کے ساتھیوں کی طرف کر دیا۔ وہ اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔ مگر انہیں شیرنی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اتنی دیر میں شیرنی کی گن سے نکلی ہوئی گولیوں نے دونوں سنہالیوں کو بھون کر رکھ دیا اور لالٹین کی روشنی میں سارا منظر اسے صاف نظر آ رہا تھا۔ فیروز شدید زخمی ہونے کے بعد زمین پر پڑا رینگ رہا تھا۔ شیرنی ابھی تک گھات میں ہی تھی وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اس اڈے پر اگر کوئی اور آدمی ہے تو وہ بھی باہر آ جائے۔ تینوں سنہالیوں کے جسم بے حس و حرکت پڑے تھے اس کا مطلب تھا کہ وہ یا تو مر چکے ہیں یا مرنے والے ہیں صرف فیروز کیبن کی طرف رینگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گولیوں کے دھماکوں کے بعد جنگل میں ایک بار پھر رات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا سناٹا چھا گیا تھا۔

شیرنی نے جب دیکھا کہ وہاں اور کوئی نہیں ہے۔ اس کا خیال تھا کہ شاید کہیں سے شہاب نکل آئے۔ مگر ایسا نہ ہوا تب شیرنی گھات سے نکل کر فیروز کے سر پر جا کر کھڑی ہوئی۔ اس نے پنجابی میں کہا۔

"مجھے پہچانا؟" اسٹین گن گولیوں کا پورا برسٹ فیروز کے پیٹ کو ادھیڑتا ہوا نکل گیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے پیٹ کو پکڑ رکھا تھا جہاں سے خون کا پرنالہ بہہ رہا تھا۔ فیروز نے لالٹین کی روشنی میں اپنے سامنے زرد لباس میں ملبوس ایک بدھ بھکشن کو دیکھا تو اس پر نزع کی حالت طاری تھی۔ وہ کچھ نہ سمجھ سکا کہ یہ عورت کون ہے اور کیا کہہ رہی ہے۔ اس کے کان میں سیٹیاں بج رہیں تھیں۔ شیرنی عائشہ فیروز کے سرہانے بیٹھ گئی اور اس کے سر کو بالوں سے پکڑ کر پیچھے کو جھٹکا دیا اور بولی۔

"میں شیر خان کی بیٹی عائشہ ہوں۔ کیا اب بھی تم نے نہیں پہچانا؟

شہاب کہاں ہے؟"

فیروز کی ریڑھ کی ہڈی کو ایک جھٹکا سا لگا اور اس کی آنکھیں پتھرانے لگیں۔ منہ کھل گیا۔ یوں سانس لینے لگا جیسے کوئی اس کا گلا دبا رہا ہو۔ شیرنی نے کہا۔

"نہیں ابھی نہیں مرنا۔ ابھی نہیں مرنا۔" اس نے اسٹین گن کی نالی فیروز کے کھلے ہوئے منہ کے اندر ڈالی اور پورا برسٹ فائر کر دیا۔ جب اس نے نالی باہر نکالی تو اس سے خون ٹپک رہا تھا۔

پہلی بار جب فائرنگ کی آوازیں جنگل میں گونجیں تو ان دو سنہالی جو راستے میں شیرنی کو ملے تھے یہی سمجھا کہ یہ گھاٹ کی طرف سے آواز آئی تھی جہاں رات کو ساحلی گارڈ کے سپاہی اسمگلروں کو خبردار کرنے کے واسطے اکثر فائرنگ کرتے رہتے تھے مگر جب دوسری بار برسٹ فائر ہوا تو ان میں سے ایک بولا۔

"یہ آواز تو بڑے قریب سے آئی ہے۔" دوسرے نے سگریٹ پھینک دیا۔

"چلو چل کر دیکھتے ہیں۔ کہیں اڈے پر چھاپہ تو نہیں پڑ گیا۔"

شیرنی اتنی احمق نہیں تھی کہ فیروز کی لاش کے پاس بیٹھی رہتی۔ اسے اس بات کا

افسوس تھا کہ شہاب اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ وہ وہاں پر نہیں تھا لیکن وہ اس کا انتظار کرنا چاہتی تھی۔ وہ وہاں سے لوٹ کر کیبن کے پیچھے لکڑی کی دیوار کے پاس بیٹھ گئی۔ اس خیال سے کہ فائرنگ کی آوازیں پیدا ہوتی رہی ہیں تو کوئی نہ کوئی ادھر ضرور آئے گا۔ اس کا خیال ان دو سنہالیوں کی طرف بھی گیا جنہیں شیرنی نے راستے میں دیکھا تھا۔ ابھی وہ ان کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ وہ دونوں وہاں آ گئے۔ زمین پر فیروز اور دوسرے آدمیوں کی لاشیں دیکھ کر وہ تو حواس باختہ ہو گئے۔ ایک نے اسٹین گن سے ہوائی فائر بھی کر دیا۔ دوسرا گھبرا کر کچھ بکتا اور ادھر ادھر اچھلنے لگا۔ شیرنی نے دونوں کو نشانے کی زد میں لے کر ٹریگر پر اپنی انگلی کا پورا دباؤ ڈالا اور گولیوں کی بوچھار اس کی گن سے نکلی اور دونوں اسمگلروں کے جسموں کو ادھیڑتی ہوئی گزر گئی۔ وہ گرے اور تڑپنے لگے۔ شیرنی دوڑ کر ان کے پاس آئی۔ دونوں کی اسٹین گنیں پاؤں کی ٹھوکر سے دور پھینکیں اور انگریزی میں پوچھا۔

"شہاب کہاں ہے؟" ایک کی تو بری حالت تھی۔ وہ بول بھی نہیں سکتا تھا۔ دوسرے میں کچھ جان باقی تھی۔ اس نے انگریزی میں پانی مانگا شیرنی اسے گھسیٹتی ہوئی کیبن کے دروازے کے پاس لے گئی کیبن کے اندر جا کر فیروز کی بوتل جو اسی طرح فرش پر رکھی ہوئی تھی اٹھائی اور اسمگلر کے منہ کے پاس لا کر بولی۔ "شہاب کہاں ہے؟" سنہالی اسمگلر کی انتڑیاں باہر نکل آئی تھیں۔ وہ ہاتھ ادھر ادھر مار رہا تھا۔

"پانی پانی۔" شیرنی نے دانت پیستے ہوئے پوچھا۔

"پہلے بتاؤ شہاب کہاں ہے؟"

"جافنا..... جافنا....." اس کا سانس اکھڑنے لگا۔

شیرنی نے بوتل اس کے منہ میں انڈیل دی۔ شراب اس کے حلق سے نیچے اتر کر خون کے ساتھ مل کر انتڑیوں کے شگافوں سے باہر بہہ نکلی۔

شیرنی نے خالی بوتل ہوا میں ایک طرف اچھال دی اسمگلر کی لاش کو زور سے ٹھوکر ماری۔ لبادے کے اندر سے میگزین کی نئی اسٹک نکال کر اسٹین گن میں چڑھائی۔ ایک فاتحانہ نگاہ چاروں طرف ڈالی اور جنگل میں اس طرف چل پڑی جدھر سے وہ یہاں آئی تھی۔ واپس خانقاہ کے پیچھے آ کر اس نے اسٹین گن اور میگزین وہیں زمین میں دبا دیا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پچھلے دروازے سے ہو کر کوٹھری میں آکر چٹائی پر لیٹ گئی۔ اندھیرے میں ایک عورت نے پہلو بدل کر اس کی طرف منہ کیا اور سرگوشی میں پوچھا۔

کہاں گئی تھیں ساوتری؟" یہ جانکی تھی جس نے شیرنی کو کوٹھری میں دبے پاؤں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا وہ ہنس رہی تھی۔" بڑے بھکشو نے تو نہیں بلایا تھا؟" شیرنی نے اپنا ہاتھ جانکی کے منہ پر رکھ کر اتنی زور سے دبایا کہ وہ بلبلا اٹھی۔

"پھر کبھی ایسی بات نہ کہنا۔" شیرنی نے غصیلی آواز میں جانکی کو متنبہ کرتے ہوئے کہا۔ جانکی ڈر گئی۔ وہ اس بھکشنی کو تامل گوریلوں کو گولیوں سے اڑاتا دیکھ چکی تھی اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے معاف کر دو ساوتری۔ میں مذاق کر رہی تھی۔"

شیرنی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور چٹائی پر منہ دوسری طرف کر کے لیٹ گئی۔ جس سنہالی سے شیرنی نے شہاب کے بارے میں پوچھا تھا اس نے جافنا شہر کا نام لیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ شہاب جافنا میں ہے۔ سنہالی نے آگے کچھ نہیں بتایا تھا اور مر گیا تھا۔ جافنا شہر میں ایک چھٹے ہوئے تجربہ کار اسمگلر بدمعاش کو تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ خاص طور پر جب کہ شیرنی یہاں کے لوگوں کی زبان نہیں بول سکتی تھی۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ شہاب اگلے روز جافنا سے واپس چل پڑے۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ اگر حالات معمول کے مطابق رہتے ہیں تو وہ شہاب کو اس کے اڈے پر ہی ملے گی۔ اور وہ جہاں کہیں بھی ہو گا آئے گا اپنے اڈے پر ہی۔ اور شیرنی اس کے اڈے کے قریب ہی مقیم تھی۔ اسے انتظار کرنا چاہیے۔

دوسرا دن چڑھا تو شہاب صبح صبح ہی جافنا سے واپس آگیا۔ اڈے پر تباہی مچی ہوئی دیکھی تو ششدر ہو کر رہ گیا۔ فیروز کی لاش اوندھی پڑی تھی۔ وہاں لاشیں ہی لاشیں تھیں۔ کوئی زندہ شخص نہ تھا جو اسے بتاتا کہ یہ سب کچھ کس نے کیا؟ کیسے ہو گیا؟ شہاب کے ساتھ اس کے دونوں باڈی گارڈ بھی تھے کہ ایک ہی آدمی پر اسے شک تھا اور وہ شیر خان تھا شیر خان وہاں پہنچ چکا تھا اور یہ کام سوائے شیر خان کے اور کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ شہاب نے اسی وقت ایک آدمی ارجنا کی طرف ٹرنکو مالی دوڑا دیا کہ وہ اسے جا کر فوراً لے آئے۔ ہندو

سنہالیوں کی لاشوں کو جلا دیا گیا۔ فیروز کی لاش کو شہاب نے خود غسل دے کر کفن پہنایا اور اشکبار آنکھوں سے قبر میں اتار دیا۔ فیروز کی موت کا اسے گہرا صدمہ ہوا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے اس کا ایک بازو کاٹ دیا گیا ہے۔ دونوں کا اتنی مدت کا ساتھ رہا تھا۔ اس کے سینے میں شیر خان کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ جیسے بھی ہو وہ شیر خان کا کھوج لگائے اور اسے اپنے ہاتھوں گولیوں سے بھون ڈالے۔

لیکن دل کے کسی گوشے میں خوف کی ایک لہر بھی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ وہ شیر خان کی پوری ہسٹری سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شیر خان ایک جی دار اور غیرت مند آدمی ہے اور یہ معاملہ اس کی بیٹی کے اغوا کا ہے اور وہ جوالا مکھی بن چکا ہے شہاب نے اسی دن اپنے باڈی گارڈز کی نفری میں مزید تین آدمیوں کا اضافہ کر دیا۔ دن کے ڈیڑھ بجے ارجنا آگیا۔ شہاب اسے لے کر نیچے خفیہ تہہ خانے میں آگیا اور سارا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا۔

"ارجنا! یہ سارے قتل شیر خان ہی نے کیے ہیں اور اب وہ میری تلاش میں ہے۔ لیکن میں نے بھی کوئی چوڑیاں نہیں پہن رکھیں۔" ارجنا کہنے لگا۔

"مگر شہاب تمہیں شیر خان کی بیٹی کو اغوا کر کے بدمعاشوں کے پاس فروخت نہیں کرنا چاہیے تھا۔" شہاب آگ بگولا ہو کر بولا۔

"میں نے تمہیں یہاں نصیحتیں کرنے کے لیے نہیں بلایا۔ میں نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا ہے۔" ارجنا چپ ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ مجھے شہاب کے معاملات میں اتنا دخل نہیں دینا چاہیے۔ ارجنا کی تقریباً ساری آمدنی کا انحصار شہاب کی سپلائی پر تھا۔

"شہاب بھائی۔ میں نے محض اس خیال سے یہ بات کہہ دی تھی کہ اس طرح سے تمہیں خواہ مخواہ پریشان ہونا پڑ رہا ہے ویسے شیر خان کی اتنی جرات نہیں ہو سکتی کہ تم پر ہاتھ اٹھائے۔" شہاب نے چائے کا مگ ہاتھ سے پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"میں نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ میرے دو چار آدمیوں کو ساتھ لو اور اس سارے علاقے کا چپہ چپہ چھان مارو۔ اس وقت یہاں سوائے تمہارے اور میرے تیسرا کوئی آدمی نہیں۔ جس نے شیر خان کی شکل دیکھی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ شیر خان تمہیں اپنا دوست سمجھتا ہے۔ وہ تمہیں دیکھ کر سامنے آجائے گا۔ بس تمہارا صرف اتنا کام ہے کہ شیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خان جہاں کہیں بھی ہو اسے وہیں رکھو اور مجھے آ کر اطلاع کر دو۔ کیونکہ میں تم پر یہ بھروسہ نہیں کر سکتا کہ تم اسے قتل کر دو گے۔" ارجنا بولا۔

"شہاب بھائی۔ تمہاری خاطر تو میں جس کو کہو قتل کر سکتا ہوں۔" شہاب جانتا تھا کہ ارجنا ایسا نہ کر سکے گا۔ اس نے کہا۔

"نہیں تم صرف مجھے اس کی نشان دہی کر دینا باقی کام میں خود کر لوں گا۔ باڈی گارڈ تمہیں اس لیے دے رہا ہوں کہ غلط فہمی میں آ کر کہیں شیر خان تم پر حملہ نہ کر دے۔"

"تو کیا میں بھاگ جاؤں گا دادا؟" ارجنا نے ہنس کر کہا۔ "تمہارا شاگرد ہوں سات خون تو کر چکا ہوں۔ تم میرے ساتھ اتنے آدمی کیوں کرتے ہو؟ صرف رنجھو ٹھیک رہے گا۔ یہ میرا پرانا ساتھی بھی ہے اور نشانے کا بھی بڑا پکا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" شہاب بولا۔ "جیسے تمہاری مرضی تم رنجھو کو ساتھ لے جاؤ۔ مگر تم پہلے کس طرف جاؤ گے؟" ارجنا سوچنے لگا۔ پھر جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور بولا۔

"شیر خان نے رات کو واردات کی ہے۔ میرے خیال میں وہ ٹاور کے پیچھے کھاڑی کے جنگل میں کہیں چھپا ہوا ہو گا۔ آخر یہ جگہ اس کے لیے نئی نہیں ہے۔ وہ تو اس جگہ جما پلا ہے۔ ان جنگلوں کی ایک ایک چٹان ایک ایک درخت سے وہ واقف ہے۔"

شہاب نے فکر مندی سے کہا۔

"اسی وجہ سے تو میں کہہ رہا ہوں کہ تمہیں زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہو گی۔ ممکن ہے وہ تمہارے ساتھ رنجھو سنہالی کو دیکھ کر شک کرے کہ تم اس کا سراغ لگانے آئے ہو۔" ارجنا سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے بولا۔

"دادا! مجھے اتنا بیوقوف تو مت سمجھو یار....."

ارجنا نے شہاب کے اڈے کو مرکز بنایا اور آس پاس کے علاقے میں شیر خان کی تلاش کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ رنجھو سنہالی اس کے ساتھ تھا۔ رنجھو کے پاس اسٹین گن تھی اور ارجنا نے بھرا ہوا ریوالور اپنی جیکٹ میں چھپا رکھا تھا اگرچہ وہ شیر خان کا بھی دوست رہ چکا تھا مگر شہاب کی وجہ سے ارجنا کا سارا کاروبار چل رہا تھا۔ شیر خان اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا۔ اور جرائم پیشہ زندگی خاص طور پر اسمگلنگ کے کاروبار میں دوستیاں نہیں چلتیں

روپے کا لین دین چلتا ہے۔ شہاب کی وجہ سے ارجنا کو ٹرنکو مالی میں بیٹھے بیٹھے ایک پھیرے میں لاکھوں روپے کا فائدہ ہو جاتا تھا۔ شیر خان کی دوستی تو اب ارجنا کو نقصان ہی پہنچا سکتی تھی۔ وہ دل میں یہ طے کر کے شیر خان کی تلاش میں نکلا تھا کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو گا اس کی اطلاع شہاب کو دے' دے گا اور خود ان کے درمیان سے ہٹ جائے گا۔ شیر خان جانے اور شہاب جانے۔

شہاب نے اپنی حفاظت کے پیش نظر اس اڈے میں آنا جانا ملتوی کر دیا اور کھاڑی کے کنارے ٹاور کی طرف ایک پرانے غار والے گودام میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا۔ اس ٹھکانے کی خبر اس کے باڈی گارڈوں کے سوا اور کسی کو نہیں تھی۔ شہاب نے اپنی تمام کاروباری مصروفیات کو کچھ وقت کے لیے ملتوی کر دیا تھا۔ وہ خود بھی اپنے حفاظتی دستے کے ساتھ شام کا اندھیرا پھیل جانے کے بعد شیر خان کی تلاش میں نکل جاتا تھا۔ دن کے وقت شہاب یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے خیال کے مطابق شیر خان اس کی تلاش میں اتنے آدمیوں کو قتل کرتا چلا آ رہا تھا چونکہ شیر خان اسی سارے علاقے کا بھیدی تھا اس لیے کسی بھی جگہ وہ موجود تھا اور کسی طرف سے اچانک شہاب پر قاتلانہ حملہ کر سکتا تھا۔ یہ بات تو شہاب کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ یہ قتل عام شیر خان نہیں بلکہ اس کی شیرنی بیٹی کر رہی ہے۔ اس کے گروہ میں سے جس جس نے شیرنی کو دیکھا تھا وہ اس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گیا تھا۔ پھر شہاب کو کون بتاتا کہ یہ کام ایک عورت کر رہی ہے۔

دوسری طرف شیر خان کے تینوں زخم بھرنا شروع ہو گئے تھے۔ سنیاسن اور اس کا باپ اس کی بڑی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ منگلی سنیاسن تو اپنا زیادہ وقت ٹیلے والی خفیہ غار میں شیر خان کے پاس ہی گزارتی تھی۔ صبح و شام خود ہی اس کے زخموں کی پٹی بدلتی اسے مچھلی کا شوربہ اور مختلف جڑی بوٹیوں کے عرق تیار کر کے پلاتی۔ شیر خان بڑی تیزی سے صحت یاب ہو رہا تھا۔ سنیاسن منگلی نے اسے بتا دیا تھا کہ اس کے دشمن اسے اپنی طرف سے قتل کر کے نالے میں پھینک گئے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مگر ہم تمہیں اٹھا کر اپنی جھونپڑی میں لے آئے۔" منگلی نے اس کے بعد کے واقعات بھی شیر خان کو بتا دیے تھے کہ کس طرح فیروز اور اس کے ساتھی یہاں اس کا کھوج لگانے آتے رہے ہیں۔ شیر خان چونکہ خود سنہالی اور تامل زبانیں بڑی روانی سے بول لیتا تھا اس لیے اسے منگلی اور اس کے باپ سے بات کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔ شیر خان نے منگلی اور اس کے سنیاسی باوا سے اصلی بات پوشیدہ رکھی تھی۔ جس محبت اور جانفشانی سے سنیاسن اس کی تیمارداری کر رہی تھی اس سے شیر خان بڑا متاثر ہوا تھا۔ سنیاسن کے دل میں شیر خان کے بارے میں جو محبت بھرے جذبات تھے اس کا بھی شیر خان کو احساس ہو گیا تھا۔ مگر شیر خان یہاں محبت کی پینگیں بڑھانے نہیں آیا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کی تلاش میں تھا اور اپنے دشمنوں سے اپنی بے عزتی کا انتقام لینے آیا تھا۔ فیروز کا تو اس کا آمنا سامنا بھی ہو گیا تھا۔ اس نے فائر بھی کیا تھا۔ مگر فیروز کے محافظ نے پیچھے سے شیر خان پر حملہ کر کے اسے بے بس کر دیا تھا۔ اگر وہ اپنے آپ کو نیچے نالے میں نہ گراتا تو فیروز نے اسے ہلاک کر دیا ہوتا۔ کبھی شیر خان کو خیال آتا کہ وہ ان سنیاسی باپ بیٹی کو اصل حقیقت بتا دے کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے۔ پھر وہ یہ سوچ کر چپ ہو رہتا کہ اگر ان سے بات آگے نکل گئی تو دشمن یہاں پہنچ جائے گا اور شیر خان اس حالت میں نہیں تھا کہ اپنے دشمنوں کا پوری طرح مقابلہ کر سکتا۔ سنیاسن منگلی اور اس کے باپ کو شیر خان نے یہ فرضی کہانی بیان کر کے اعتماد میں لے لیا تھا کہ وہ اس کی فیروز اور شہاب اسمگلروں سے دشمنی ہے اور وہ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ساتھ ہی شیر خان نے دونوں سے یہ وعدہ بھی لے لیا تھا کہ وہ اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے۔ شیر خان بڑی بے صبری اور بے چینی سے اپنے صحت یاب ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ اپنی بیٹی عائشہ کے بارے میں بھی پریشان تھا۔ کیونکہ ابھی تک اسے بچی کی موجودگی کا کوئی اشارہ نہیں ملا تھا۔ ایک تشویش شیر خان کو یہ بھی تھی کہ فیروز نے اسے دیکھ لیا ہے اور اس نے شہاب کو بھی بتا دیا ہو گا کہ شیر خان آ گیا ہے۔ دونوں نے اس کی لاش کو نالے میں ضرور تلاش کیا ہو گا۔ جب لاش نہیں ملی ہو گی تو وہ اسی نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ شیر خان زخمی حالت میں کسی طرف نکل گیا ہے۔ چنانچہ اس کے آدمی نیچے والی جھونپڑی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں اس کی تلاش میں آئے بھی تھے جس کے متعلق سنیاسن نے شیر خان کو سارا قصہ بیان کر دیا تھا شیر خان اس سنیاسن عورت کی دلیری اور جرات پر بڑا حیران ہوا تھا۔ شیر خان اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ وہاں سے تھوڑے فاصلے پر بودھ خانقاہ میں اس کی بہادر اور غیرت مند بیٹی عائشہ شیرنی بھکشنی کے بھیس میں موجود ہے اور اس کے ایک دشمن فیروز کو موت کے گھاٹ اتار چکی ہے۔

شیرنی بھی اپنی جگہ پر ایک اضطرابی کیفیت میں تھی۔ وہ ایک دشمن کو جہنم میں پہنچا چکی تھی۔ اب اسے دوسرے دشمن اور مجرم شہاب کی تلاش تھی۔ مگر وہ خانقاہ میں رہ کر اسے تلاش نہیں کر سکتی تھی۔ اس حقیقت سے بھی وہ بے خبر نہیں تھی کہ شہاب خود اپنے دست راست فیروز کے قاتل کی تلاش میں ہو گا اور اس کے جرائم پیشہ ساتھی شکاری کتوں کی طرح علاقے میں پھر رہے ہوں گے۔ شیرنی اسٹین گن تو اپنے پاس نہیں رکھ سکتی تھی مگر ایک چاقو وہ ہر وقت اپنے پاس رکھنے لگی تھی۔ اس دوران شہاب کو شمالی بندرگاہ پورٹ پیڈرو جانا پڑ گیا۔ کیونکہ ہانگ کانگ سے مال آنے والا تھا۔ پیچھے اڈے پر ارجنا ہی تھا وہ بھی دن بھر اپنے خاص آدمی کے ساتھ شیر خان کی تلاش میں رہتا کہ اگر شیر خان کسی طرح ہتھے چڑھ جائے تو وہ اسے قتل کر کے شہاب کی خوشنودی اور مزید لاکھوں کا بزنس حاصل کر سکے۔ دولت کے لالچ نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی اور اس نے شیر خان کے ساتھ اپنی پرانی دوستی کو بھلا دیا تھا۔

جانکی بھکشنی جس کو ہیروئن کا نشہ لگ چکا تھا ایک روز ہیروئن کی پڑیا لینے معمول کے مطابق ایک روز خانقاہ سے نکل کر مچھیرن کے جھونپڑے میں گئی تو وہاں مچھیرن نہیں تھی۔ کچھ دیر وہاں انتظار کرنے بیٹھ گئی۔ پھر اس کا جسم ٹوٹنے لگا۔ نشے کے بغیر اس کی حالت بگڑنے لگی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ خود اڈے پر جا کر ہیروئن خرید لے؟ وہ یہ سوچ کر جھونپڑی سے باہر نکل رہی تھی کہ سامنے سے ارجنا چلا آ رہا تھا۔ اس کا محافظ سنہالی اس کے ہمراہ تھا۔ ارجنا نے جھونپڑی میں سے ایک زرد کپڑوں والی بھکشنی کو نکلتے دیکھا تو اسے شک پڑا کہ یہ عورت یہاں کیا کر رہی ہے۔ جانکی بھی اپنے سامنے دو آدمی دیکھ کر کچھ گھبرا گئی۔ ارجنا نے پوچھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" جانکی کا انگ انگ دکھ رہا تھا۔ اس کا جسم ہیروئن کا نشہ طلب کر رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود جانکی اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھی۔ کہنے لگی۔

"یہاں مچھیرن رہتی ہے۔ وہ بیمار تھی میں اس کی خبر معلوم کرنے آئی تھی۔" ارجنا کے ساتھ جو سنہالی تھا اس نے ارجنا کے کان میں کہا۔

"یہاں جو مچھیرن رہتی ہے وہ ہیروئن سپلائی کرتی ہے۔ یہ بھکشن بھی ہیروئن لینے آئی ہو گی۔" ارجنا ہنس پڑا۔ اس نے جیب سے پلاسٹک کا چھوٹا سا لفافہ نکال کر جانکی کو دکھایا اور بولا۔

"تم اس کی تلاش میں تو نہیں آئی ہو؟" اس میں تمہارا نشہ ہے۔

پلاسٹک کے لفافے میں سے جھانکتی سفید ہیروئن کے سفوف کو دیکھ کر جانکی کے صبر کا بندھ ٹوٹ گیا۔ ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ ارجنا نے ہاتھ پیچھے کر لیا اور بولا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے کسی زخمی آدمی کو تو یہاں نہیں دیکھا؟ وہ گورے رنگ کا ہے سنہالی نہیں ہے۔" جانکی نے کہا۔

"نہیں۔ میں نے تو ایسے کسی زخمی کو نہیں دیکھا۔" ارجنا نے سنہالی زبان میں جانکی کو گالی دی اور اسے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

"تم بکواس کرتی ہو۔" اصل میں ارجنا نے یونہی اندھیرے میں تیر چلا دیا تھا۔ یہ ایک طرح سے فلوک ہی تھا۔ جو کام کر گیا۔ جانکی نے ہاتھ باندھ دیے اور بولی۔

"بھگوان کے لیے مجھے ہیروئن دے دو میں نے کسی گورے رنگ کے زخمی کو نہیں دیکھا۔" پھر ذرا ٹھٹک کر کہا۔

"ہماری خانقاہ میں ایک نئی بھکشنی آئی ہے۔ اس کا نام ساوتری ہے۔ اس کا رنگ بھی گورا ہے۔ وہ بھی سنہالی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے اسے کسی گورے رنگ والے زخمی کا پتا ہو۔" ارجنا نے اپنے سنہالی ساتھی کی طرف دیکھا۔ پھر جانکی سے پوچھا۔

"وہ خانقاہ میں کب آئی تھی؟"

"کچھ روز ہی ہوئے ہیں۔ بڑی بہادر ہے تامل گوریلوں نے خانقاہ پر حملہ کر دیا تھا تو اس عورت نے فائرنگ کر کے انہیں ہلاک کر ڈالا تھا۔" جانکی اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے ارجنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو زیادہ سے زیادہ معلومات دینا اور اسے مطمئن کرنا چاہتی تھی۔ مقصد صرف یہ تھا کہ کسی طرح اسے ہیروئن کا لفافہ مل جائے۔ "اب مجھے یہ لفافہ دے دو۔" ارجنا نے کہا۔

"صرف ایک شرط پر تمہیں یہ لفافہ ملے گا۔ بلکہ میں تمہیں دو اور لفافے بھی دے دوں گا۔"

"مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔" جانکی نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

ارجنا کو شک ہو گیا تھا کہ جو بھکشنی سنہالی نہیں ہے اور اتنی بہادر ہے کہ تامل گوریلوں کو گولیوں سے بھون سکتی ہے وہ ضرور اسے بتا سکے گی کہ شیر خان کہاں ہے یا یہ کہ فیروز اور اس کے ساتھیوں کو کس نے ہلاک کیا تھا۔ یہ بھی ایک طرح سے ہوا میں تلوار چلانے کے مترادف تھا۔ مگر ارجنا کو امید تھی کہ کوئی نہ کوئی سراغ ضرور مل جائے گا۔ کیونکہ اس نے آج تک ایسی کوئی بھکشنی نہیں دیکھی تھی جو اسٹین گن کے برسٹ مار کر تامل گوریلوں کو خون میں نہلا دے۔ ارجنا کو یہ خیال بھی آیا کہ ہو سکتا ہے اسی بھکشنی کا تعلق اس گروہ سے ہو جس کے آدمیوں نے فیروز اور اس کے اڈے کے دوسرے لوگ قتل کیے ہیں اس نے جانکی سے کہا۔

"میں تمہیں اس وقت نشہ پورا کرنے کے لیے تھوڑی سی ہیروئن دوں گا۔ باقی لفافے اس وقت دوں گا جب تم اس گوری بھکشنی کو کسی طریقے سے اس جھونپڑی میں لاؤ گی۔" ارجنا کے محافظ سنہالی نے جانکی کو اطلاعاً کہا۔

"اور یہ بات دھیان میں رکھنا کہ جو مچھیرن تمہیں پڑیا دیا کرتی تھی وہ بیمار ہو کر یہاں سے بہت دور اپنی بیٹی کے پاس جا چکی ہے اور تمہارا نشہ صرف ہم لوگ ہی تمہیں سپلائی کر سکتے ہیں۔"

جانکی کے لیے یہ بڑی آسان شرط تھی جب اس نے وہیں بیٹھ کر ہیروئن کے سفوف کے چند کش نتھنوں کے ذریعے اپنے بدن میں پہنچائے تو اس کی جان میں جان آ گئی۔ یہ نشہ اس کو صرف ایک گھنٹہ تک سکون میں رکھنے کے لیے کافی تھا۔ اس کے بعد پھر اسے نشے کی ضرورت پڑنے والی تھی اس نے ارجنا کو پورا اعتماد دلاتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی تھوڑی دیر میں بھکشنی ساوتری کو یہاں لے آتی ہوں۔ مگر ایک وعدہ کرو کہ تم لوگ اسے خراب نہیں کرو گے۔" ارجنا ہنس دیا کہنے لگا۔

"نہیں۔ ہم ایسا نہیں کریں گے وعدہ کرتے ہیں۔ جاؤ اور اسے لے کر آجاؤ تمہارا باقی نشہ تمہارا انتظار کر رہا ہو گا۔ یہ دیکھو ہیروئن کے چار لفافے میرے پاس موجود ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ارجنا نے جیکٹ کی جیب سے ہیروئن کے سفوف والے چار چھوٹے چھوٹے لفافے نکال کر جانکی کو دکھائے جانکی کی آنکھیں کھل گئیں۔ اتنی ہیروئن اسے ایک مہینے کے لیے کافی تھی۔ اور وہ بھی اسے مفت مل رہی تھی۔ جانکی فوراً خانقاہ میں واپس آگئی۔ راستے میں اس نے سارا منصوبہ سوچ لیا تھا۔ خانقاہ میں آتے ہی وہ شیرنی کو ایک طرف لے گئی اور گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ساوتری! مجھے اکیلی مچھیرن کی جھونپڑی میں جاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے اپنی دوا لانی ہے تم میرے ساتھ چلو۔" شیرنی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ جانکی سے ہمدردی بھی رکھتی تھی۔ اور پھر مچھیرن کی جھونپڑی قریب ہی تھی۔ جب وہ جھونپڑی میں پہنچیں تو شیرنی نے پوچھا۔

"تمہاری مچھیرن کہاں ہے جانکی؟"

جھونپڑی کے باہر لالٹین جل رہی تھی۔ یہ لالٹین ارجنا اور اس کے ساتھی نے جلا دی تھی تاکہ وہ گورے رنگ کی بھکشنی کو دیکھ سکے کہ وہ کون ہے۔ جانکی نے کہا۔

"پتا نہیں آج کہاں چلی گئی ہے یہ عورت۔ شام کو تو جھونپڑی میں ہی ہوتی ہے۔"

اتنے میں اچانک ارجنا اور اس کا سنہالی ساتھی اسلحہ تان کر ان کے سامنے آگئے۔

"خبردار! تم میں سے کوئی ذرا سی بھی ہلی تو ہماری گولیاں تمہیں بھون کر رکھ دیں گی۔"

ارجنا شیرنی کے قریب آگیا۔ جونہی روشنی میں قریب آکر شیرنی کے چہرے پر اس کی نظر پڑی تو وہ اسے دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ یہ گوری لڑکی ہو بہو شیر خان کی محبوبہ روبی کی تصویر

تھی۔ ارجنا ان دنوں شیر خان اور روبی کے ساتھ ہی ہوا کرتا تھا جب وہ تمام اسمگلنگ گینگ کے ممبر تھے اور لنکا ہانگ کانگ کے سیٹھوں کے اشارے پر اسمگلنگ کیا کرتے تھے۔ شہاب اور فیروز بھی ان کے ساتھ ہوا کرتے تھے شیر خان اور روبی کی ان دنوں بڑی دوستی تھی۔ بعد میں دونوں وہاں سے فرار ہو کر پاکستان چلے گئے تھے۔ شیرنی کی شکل میں اور شیر خان کی اس زمانے کی دوست اور بعد کی بیوی روبی کی شکل میں حیرت انگیز حد تک مشابہت تھی۔ ارجنا کو فوراً یاد آگیا شہاب نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ اور فیروز شیر خان کی بیٹی کو پاکستان سے اغوا کر کے انڈیمان فروخت کر آئے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ شیر خان کی بیٹی ہی ہو اور انڈیمان سے بھاگ کر شہاب اور فیروز سے بدلہ لینے یہاں پہنچ گئی ہو۔ اگرچہ شیرنی کے بال غائب تھے مگر باقی سارا چہرہ روبی کا تھا۔ ارجنا کو روبی کی شکل بڑی اچھی طرح یاد تھی۔ ارجنا یہ بھی جانتا تھا کہ شیر خان بھی لنکا پہنچ چکا ہے۔ ارجنا کے ذہن میں تیزی سے ایک اسکیم آگئی۔ اگر شیر خان نہیں مل سکا تو وہ اس کی بیٹی کو پکڑوا کر شہاب کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ بیٹی کے یرغمالی بن جانے سے شیر خان کو آسانی سے پکڑا جا سکتا تھا۔ یہ ساری باتیں ایک سیکنڈ کے اندر اندر ارجنا کے دماغ میں لہرا گئی تھیں۔ اس نے اب خاص اداکاری شروع کر دی۔ اور انتہائی حیرت بھرے لہجے میں انگریزی میں پوچھا۔ کیونکہ جانکی نے اسے بتا دیا تھا کہ یہ گوری لڑکی سنہالی نہیں ہے۔ ارجنا اپنے شک کی تصدیق بھی چاہتا تھا۔

"بیٹی تمہاری ماں کا نام روبی تو نہیں تھا؟"

جانکی بڑی حیران ہوئی کہ اس آدمی کو کیا ہو گیا ہے کہ ساوتری کو اچانک اپنی بیٹی بنا بیٹھا۔ ماں کا نام سنتے ہی شیرنی ایک دم سے چونک پڑی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی ماں اور باپ نے اسی علاقے میں اپنی نوجوانی کا زمانہ گزارا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ اس آدمی نے یہ کیسے اندازہ لگالیا کہ میں روبی کی بیٹی ہوں؟ شیرنی نے آہستہ سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں میری ماں کا نام روبی تھا۔ مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں اس کی بیٹی ہوں؟"

جب اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ یہ لڑکی شیر خان کی ہی بیٹی ہے تو ارجنا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ مگر باہر سے وہ پورا سنجیدہ بنا رہا۔ اداکاری کرتے ہوئے اس نے فوراً

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسٹین گن نیچے کر دی۔ اور ہاتھ باندھ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"بھگوان کا میں کس زبان سے شکر ادا کروں بیٹی کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔ میرا نام ارجنا ہے۔ میں تمہارے باپ شیر خان کا پرانا دوست ہوں۔ تمہاری ماں جب تمہاری طرح کی لڑکی تھی تو ہم سب ایک ہی جگہ پر یہاں کام کیا کرتے تھے۔ تمہاری شکل تمہاری ماں روبی سے اتنی ملتی ہے کہ میں حیران رہ گیا ہوں۔ اسی وجہ سے مجھے خیال آیا کہ تم ضرور روبی کی بیٹی ہو گی بھگوان کے لیے میرے ساتھ چلو بیٹی! تمہارا باپ اور میرا جگری دوست شیر خان تمہاری تلاش میں یہاں مارا مارا پھر رہا ہے۔" شیرنی عائشہ نے باپ کا نام سنا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"کیا ابو یہاں آئے ہوئے ہیں؟"

"ہاں بیٹی! وہ میرے ہی پاس ٹھہرے ہوئے ہیں جلدی سے میرے ساتھ چلو۔ شیر خان تمہیں دیکھ کر کتنا خوش ہو گا۔"

باپ کی محبت نے وقتی طور پر شیرنی پر غلبہ حاصل کر لیا اور وہ کچھ بھی نہ سوچ سکی۔ اوپر سے ارجنا نے ایک اور اثر یہ ڈالا اسے کہنے لگا۔

"بیٹی! کیا تمہارے ڈیڈی نے میرا کبھی ذکر نہیں کیا تھا میرا نام ارجنا ہے میں نے ہی تمہارے باپ اور تمہاری ماں کو یہاں سے بارڈر پار کرایا تھا۔" تب بدقسمتی سے شیرنی کو یاد آگیا کہ جب کبھی اس کے ابو لنکا کے زمانے کی باتیں سنایا کرتے تھے۔ تو ارجنا نام کے ایک آدمی کا ذکر بھی کیا کرتے تھے کہ ارجنا اس کا بڑا اچھا دوست تھا۔ اور اس میں شک کی بات بھی نہیں تھی۔ ارجنا کو شیر خان نے ہمیشہ اپنا بہترین دوست سمجھا تھا۔ مگر ارجنا اس دوستی کا خون کر رہا تھا۔ شیرنی نے کہا۔ "ہاں ابو آپ کا ذکر کیا کرتے تھے۔"

ارجنا نے آگے بڑھ کر شیرنی کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ دیا اور آنکھوں میں مصنوعی آنسو بھر کر بولا۔

"چلو بیٹی۔ اپنے باپ سے چل کر مل لو۔"

جانکی یہی سمجھی کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے بالکل صحیح ہو رہا ہے اور ساوتری واقعی کسی شیر خان کی بیٹی ہے جو اپنی بیٹی کی تلاش میں یہاں آیا ہوا ہے اور جو ارجنا کا دوست بھی ہے۔ وہ

بڑی خوش ہوئی کہ اس بھکشنی کو اس کا بچھڑا ہوا باپ مل گیا۔ شیرنی ارجنا کے ساتھ آگے بڑھی تو ارجنا نے گردن گھما کر اشارے سے اپنے ساتھی سے کہا کہ وہ جانکی کو اس کی مطلوبہ شے دے' دے سنہالی محافظ کی جیب میں ہیروئن کا ایک پیکٹ پڑا ہوا تھا وہ اس نے جانکی کو دیا اور جلدی سے ارجنا اور شیرنی کے قریب آکر پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ ارجنا شیرنی کو اتنا موقع ہی نہیں دینا چاہتا تھا کہ اس کے ذہن میں کسی قسم کا شک پیدا ہو۔ چنانچہ وہ بولے جا رہا تھا۔

"بیٹی! تمہارا باپ شیر خان یہاں سیدھا میرے پاس ہی آیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ شہاب اور فیروز دشمنی کی وجہ سے تمہیں اغوا کر کے لے آئے ہیں۔ میں خود ان دونوں کو مدت ہوئی چھوڑ چکا ہوں۔ تم کو بھی یہ سن کر خوشی ہو گی کہ ہمارے دشمن فیروز کو کل رات کسی نے قتل کر دیا ہے۔ شیر خان کو بھی یہ سن کر خوشی ہوئی تھی۔"

ارجنا بڑا چالاک شخص تھا اس نے اندازہ لگا لیا کہ یہ روبی کی بیٹی ہے۔ اور جانکی بتا چکی ہے کہ اس نے خانقاہ پر حملہ کرنے والے تمام کے تمام تامل گوریلوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ شہاب کے اڈے پر جو قتل عام کل رات ہوا ہے۔ وہ بھی اس روبی کی بیٹی کا ہی کارنامہ ہوا اور فیروز کو بھی اس نے ہلاک کیا ہو۔

اس پس منظر میں اگر وہ اسے شہاب کے ٹھکانے کی طرف سے گیا تو وہ فوراً پہچان لے گی کہ ارجنا اسے شہاب کے اڈے کی طرف لے آیا ہے اور وہ مقابلے پر اتر آئے گی اور بہت ممکن ہے کہ شیر خان کی دلیر بیٹی وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب بھی ہو جائے ارجنا یہ خطرہ مول لینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے وہیں سے پٹڑی بدل لی اور شہاب کے اڈے کا رخ کرنے کی بجائے دیودار اور تاڑ کے درختوں کی طرف ہو گیا جہاں وہ ٹارچ روشن کر کے آگے بڑھ رہا تھا۔ شیرنی نے پوچھا۔

"ڈیڈی خیریت سے ہیں نا انکل؟"

"ہاں بیٹی بالکل خیریت سے ہیں بس تمہاری وجہ سے پریشان ہیں۔ بے حد پریشان۔ لیکن اب تمہیں دیکھے گا تو بے حد خوش ہو جائے گا میرا دوست۔" اتنا کہہ کر مکار ارجنا بار بار بھگوان کا نام پکارنے لگا۔ "بھگوان! تمہارے کام بھی نیارے ہیں۔ کیسے باپ بیٹی کو ملوا دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھگوان تیری لیلا نیاری ہے۔" وغیرہ وغیرہ اس وجہ سے شیرنی کے دل میں ایک لمحے کے لیے بھی کوئی شک پیدا نہ ہوا کہ اس کے ساتھ بہت بڑا دھوکا کیا جا رہا ہے۔ شیرنی اپنے پیارے ڈیڈی سے ملنے کے لیے بے تاب تھی۔ اس نے دو ایک بار پوچھا بھی کہ ابھی کتنی دور جانا ہے انکل؟ اس کے جواب میں ارجنا یہی کہتا۔ بس بیٹی دو قدم کا فاصلہ رہ گیا ہے اس دوران ارجنا بڑی ہوشیاری سے شیرنی کو جنگل میں اس جگہ لے آیا جہاں انہوں نے اپنے تعاقب میں آنے والی پولیس کے واسطے زمین میں گہرا گڑھا کھود کر اوپر گھانس پھوس ڈال رکھا تھا۔ اس ٹریپ کے پاس آکر ارجنا رک گیا اور شیرنی سے جو ذرا پیچھے چلی آرہی تھی کہا۔ "آجاؤ بیٹی وہ سامنے والی جھونپڑی میں تمہارا ڈیڈی ہے۔" جونہی شیرنی ارجنا کے قریب آئی اس نے شیرنی کو گھاس پھوس کی چھت پر دھکا دے دیا شیرنی اس چھت کے ساتھ ہی پندرہ فٹ گہرے گڑھے میں گر گئی۔

شیرنی بانس کی تیلیوں اور گھاس پھوس والی نازک چھت کے ساتھ ہی پندرہ فٹ گہرے گڑھے میں گری تھی۔ ایک لمحے کے لیے اس کا جسم سن ہو کر رہ گیا۔ اسے اندھیرے میں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ گڑھے کے باہر سے اسے ارجنا کی آواز آرہی تھی۔ وہ سنہالی زبان میں اپنے ساتھی کو کچھ کہہ رہا تھا جو شیرنی کی سمجھ سے باہر تھا۔ یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ اس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے اور یہ ارجنا اس کے ڈیڈی کا دوست نہیں بلکہ دشمن تھا اور اس نے صرف شیرنی کو قابو میں کرنے کے لیے یہ سارا کھیل رچایا تھا۔ کیا جانکی بھی ارجنا کے ساتھ مل گئی تھی؟ شیرنی کو یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ گڑھے میں بے کسی کی حالت میں پڑی تھی اس نے سب سے پہلے اپنے جسم کا جائزہ لیا۔ اس کی کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی تھی بانس کے چھاپے اور گھاس پھوس نے اسے بچا لیا تھا۔ گڑھے کے اوپر سے دھم دھم کی آوازیں آنے لگیں۔

اندھیرے میں شیرنی نے سر اوپر اٹھا کر دیکھا۔ چکور گڑھے کے اوپر دھندلی سی روشنی نظر آرہی تھی۔ وہاں اب درختوں کے گرے پڑے تنے اٹھا کر ڈالے جا رہے تھے۔ ارجنا اپنے گارڈ اور سنہالی ساتھی بندرا کو جلدی جلدی درختوں کے تنے اور کٹی ہوئی شاخیں لانے کو کہہ رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے گڑھے کے اوپر بھاری تنے اور درختوں کی

ٹہنیاں ڈال کر اسے بند کر دیا۔ صرف ایک طرف تھوڑا سا شگاف ہوا کے لیے رکھ دیا۔ گڑھے میں گھپ اندھیرا ہو گیا۔ ارجنا نے بندرا سے کہا۔

"سن! یہاں ایک طرف بیٹھ کر پہرہ دینا۔ اگر اس عورت نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو بے شک اس کے بازو پر گولی مار کر تھوڑا زخمی کر دینا اور ہرگز ہرگز گڑھے سے باہر مت نکلنے دینا۔ ویسے وہ گڑھے سے باہر نہیں نکل سکتی۔ میں اڈے پر جا رہا ہوں۔ خبردار یہاں سے ادھر ادھر مت جانا۔ اگر گڑھے میں لڑکی نے شور مچانے کی کوشش کی تو اوپر سے گڑھے میں اس طرح فائر کرنا کہ گولی عورت کو نہ لگے۔ ہوشیار رہنا اگر یہ بھاگ گئی تو تیری خیر نہیں ہے۔"

ارجنا یہ کہہ کر وہاں سے شہاب کے اڈے کی طرف چل دیا۔ شہاب پورٹ پیڈرو سے ابھی نہیں آیا تھا۔ اس نے اسی وقت ایک آدمی کو یہ پیغام دے کر شہاب کی طرف دوڑا دیا کہ بڑی مچھلی ہاتھ آئی ہے۔ فوراً پہنچو۔ کہیں مچھلی جال سے نکل نہ جائے۔ پورٹ پیڈرو وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ آدمی اگر جیپ پر جائے تو ڈیڑھ گھنٹے میں واپس آسکتا تھا۔ شہاب اسی وقت مال کی تھیلیاں زیر زمین گودام میں رکھوا رہا تھا۔ اسے ارجنا کا پیغام ملا تو یہی سمجھا کہ اس نے شیر خان کو قابو کر لیا ہے۔ یہ بڑی خوشخبری تھی یہ سوچ کر کہ ارجنا اناڑی ہے اور شیر خان بڑا دلیر اور تجربہ کار آدمی ہے۔ کہیں واقعی وہ اس کے ہاتھ سے نہ نکل جائے شہاب اسی وقت واپس روانہ ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اڈے پر پہنچا تو دن کی ہلکی ہلکی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی۔ ارجنا اسے آگے بڑھ کر ملا اور ایک طرف لے گیا۔

"کہاں ہے شیر خان؟" اس نے ارجنا سے پوچھا۔ ارجنا نے بڑی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"دادا بھائی! شیر خان نہیں شیر خان کی بیٹی ہاتھ آگئی ہے۔" شہاب جیسے سناٹے میں آگیا۔ یہ عورت انڈیمان کے چھٹے ہوئے قاتل بدمعاشوں کے چنگل سے کیسے نکل بھاگی۔ اس کے دماغ میں یہی ایک سوال گونجنے لگا۔ اس نے پوچھا۔

"کہاں ہے وہ؟"

ارجنا نے جنگل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ اسے گڑھے میں بند کر دیا ہے۔

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ شیر خان کی بیٹی ہے؟" شہاب نے پوچھا۔ ارجنا نے کہا۔

"ایک تو اس کی شکل ہو بہو روبی سے ملتی تھی جس کو ہم جوانی میں دیکھتے آئے تھے اور جب میں نے اس سے پوچھا تو اس نے اعتراف کیا کہ وہ شیر خان کی بیٹی ہے اور اپنے باپ کی تلاش میں ہے۔" شہاب نے کہا۔

"مجھے چل کر دکھاؤ۔" اور وہ جنگل کی طرف چل پڑے۔ شہاب کے دل میں شیرنی کی طرف سے ایک خوف سا بھی پیدا ہو گیا تھا کہ جو عورت اتنی دلیری دکھا سکتی ہے کہ کانچو رام ایسے بدمعاشوں کے چنگل سے نکل بھاگے وہ اس کے لیے یہاں بھی مسائل پیدا کر سکتی ہے لیکن اسی کے ساتھ ہی اسے خوشی بھی ہوئی تھی کیونکہ بیٹی کو یرغمال بنا کر شہاب اس کے باپ شیر خان کو آسانی سے اپنے ہاں بلا کر قتل کر سکتا تھا۔ عورت کا کیا ہے۔ شہاب نے

اپنے دل کو تسلی دی۔ عورت کتنی دلیر کیوں نہ ہو آخر عورت ہے وہ مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

شیرنی گڑھے کے اندر بند پڑی تھی۔ سنہالی بندرا باہر اسٹین گن لیے بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ شہاب اور ارجنا کو آتا دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ارجنا نے اشارہ کیا۔ بندرا جلدی جلدی گڑھے کے اوپر سے درختوں کے تنے ایک طرف ہٹانے لگا۔ گڑھے میں طلوع ہوتے سورج کی روشنی میں شہاب نے جھانک کر دیکھا۔ ارجنا نے اسے بتا دیا تھا کہ شیر خان کی بیٹی بودھ بھکشو عورتوں کے لباس میں ہے اور اس نے سر کے بال منڈوا رکھے ہیں مگر شہاب نے اس حلیے میں بھی عائشہ کو پہچان لیا۔ یہ شیر خان کی بیٹی عائشہ ہی تھی۔ وہ بڑا خوش ہوا۔ اس نے گڑھے میں جھانک کر عائشہ شیرنی سے کہا۔

"بیٹی عائشہ! مجھے معاف کر دو۔ میرے آدمیوں نے تجھے بڑی تکلیف پہنچائی ہے۔ میں تمہیں اپنی بیٹی ہی سمجھتا ہوں۔ مجھ سے اور فیروز سے جو غلطی ہو گئی تھی وہ محض غصے اور جذبات کے بھڑکنے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ فیروز بے چارہ تو اگلی دنیا کو چلا گیا۔ وہ بھی بڑا پچھتاتا تھا۔ میں تم سے ایک بار پھر معافی مانگتا ہوں۔"

شہاب نے ارجنا کو یونہی ڈانٹ کر کہا۔

"تم سے یہ حرکت کرنے کو کس نے کہا تھا؟ اگر تمہیں معلوم ہو گیا تھا کہ یہ میرے دوست شیر خان کی بیٹی ہے تو اسے میرے ڈیرے پر کیوں نہیں لائے۔ نکالو میری بچی کو۔"

اسی وقت گڑھے میں درختوں کے تین چار تنے اس طرح گرا دیے گئے کہ ان کی ایک ڈھلان سی بن گئی۔ شہاب نے اوپر سے آواز دی۔

"عائشہ بیٹی! اوپر آجاؤ۔"

شیرنی جانتی تھی کہ پہلے شہاب کے ساتھ ارجنا نے اسے دھوکا دیا تھا اور اب شہاب خود اسے دھوکا دے رہا ہے۔ وہ شہاب کی باتوں پر کبھی بھروسہ نہیں کر سکتی تھی۔ جس نے اپنے پرانے دوست شیر خان کے اعتماد کا خون کیا تھا اور اس کی بیٹی کو اغوا کر کے بدمعاشوں کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ وہ اس کا خیر خواہ کیسے ہو سکتا تھا لیکن شیرنی کے سامنے اب کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ وہ دشمنوں میں گھر چکی تھی اور اس وقت مصلحت اسی میں تھی کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خاموشی سے شہاب کی ہدایات پر عمل کرتی جائے اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو وہ مرنے سے پہلے کم از کم شہاب کو ضرور مار دے گی۔ اس بات کا شیرنی نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ گڑھے سے باہر آگئی۔ دن کی روشنی میں شہاب نے اسے دیکھ کر کہا۔

"عائشہ بیٹی! میں اپنے گناہ پر سخت شرمندہ ہوں۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم گناہ کی اس دلدل سے نکل کر آگئی ہو جس میں ہم تمہیں پھینک آئے تھے۔ کئی روز سے میرا ضمیر مجھے تڑپا رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ سلامت آگئیں۔ خدا کے واسطے مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔" ارجنا سمجھ گیا کہ استاد عیاری سے کام لے رہا ہے۔ شہاب عائشہ سے اردو میں بات کر رہا تھا۔ جسے ارجنا بڑی آسانی سے سمجھ سکتا تھا۔ شیرنی نے بھی عیاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"انکل! اگر آپ واقعی اپنے کیے پر نادم ہیں تو میں بھی آپ کو معاف کرتی ہوں لیکن میں نے سنا ہے کہ میرے ابو میری تلاش میں یہاں آئے ہوئے ہیں۔ مجھے میرے ابو کے پاس لے چلو۔" شہاب نے ایک نظر ارجنا کو دیکھا پھر بولا۔

"سنا تو میں نے بھی تھا کہ میرا دوست شیر خان لنکا آیا ہوا ہے مگر میری اس سے ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی۔ تم فکر نہ کرو میں چاروں طرف آدمی دوڑا دوں گا۔ شیر خان جہاں کہیں بھی ہوگا میں خود تمہیں اس کے پاس لے چلوں گا اور اس کے قدموں میں گر کر اس سے معافی مانگوں گا۔ آؤ بیٹی میرے ساتھ آؤ۔"

شہاب شیرنی کو اپنے ڈیرے پر لے گیا۔ لکڑی کا ایک کیبن اس کے واسطے خالی کروا کر ضرورت کی ہر شے رکھوا دی۔ شیرنی کو ناشتہ پیش کیا خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور باتیں کرنے لگا۔

"بیٹی جو ہو چکا اسے بھول جاؤ۔ ہم نے تمہارے ساتھ جو ظلم کیا اس کے لیے مجھے معاف کر دو۔ میں شیر خان کے بھی پاؤں پڑ جاؤں گا۔ میں تو خوش قسمت ہوں کہ مجھے زندگی میں ہی تم سے اپنے گناہ بخشوانے کا موقع مل گیا۔ فیروز تو اس گناہ کی آگ میں جلتا ہوا ہی مر گیا۔"

پھر باتوں ہی باتوں میں شہاب نے شیرنی سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ وہ جزائر

انڈیمان سے کس طرح بھاگی اور وہاں کانچورام اور اس کے ساتھی بدمعاشوں کو کہیں اس نے قتل تو نہیں کر دیا؟ کیونکہ شہاب جانتا تھا کہ عائشہ کو اس کے باپ نے کمانڈوز کی زبردست ٹریننگ دے رکھی ہے اور پہلے شیر خان کے بنگلے پر وہ عائشہ کی بہادری اور کمانڈو ایکشن کے حیرت انگیز کارنامے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ شیرنی بھی پوری طرح ہوشیار تھی۔ اس کا ذہن بھی حالات کے عین مطابق کام کر رہا تھا۔ ایسا ممکن تھا کہ شہاب کو کالے پانی والے بدمعاش کانچورام اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا پتا چل چکا ہو مگر شیرنی ان کے قتل کو اپنے نام نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ اس نے بھی یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ وہاں کانچورام اور ان کے ساتھیوں کی آپس میں لڑائی ہو گئی تھی جس میں کانچورام بھی مارا گیا اور مجھے وہاں سے نکل بھاگنے کا موقع مل گیا۔

"بس پھر ایک نیک دل آدمی نے میری مدد کی مجھے بودھ خانقاہ میں داخل کروا دیا اور یوں میں یہاں پہنچ گئی۔ یہاں سے میں واپس پاکستان چلے جانا چاہتی تھی کہ مجھے یہ خبر ملی کہ میرے ابو یہاں میری تلاش میں آئے ہیں۔ بس پھر میں نے پاکستان جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ تب سے اپنے ابو کے لیے پریشان ہوں۔ ارجنا نے کہا کہ وہ مجھے میرے باپ کے پاس لے جائے گا میں اس کے ساتھ چل دی اور اس نے دھوکے سے مجھے گڑھے میں بند کر دیا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ارجنا نے ایسا کیوں کیا؟" شہاب نے ارجنا کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا۔

"وہ ایک متعصب ہندو ہے اس کی بات نہ کرو۔ اس نے یہی سوچا کہ تم وہاں سے فرار ہوئی ہو تو شاید اب مجھ سے اور فیروز سے بدلہ لینے کی کوشش کرو۔ بس اسی لیے ارجنا نے تمہیں قید کر لیا اور مجھے اطلاع کرنے چلا آیا۔ تم بے فکر ہو کر یہاں رہو۔ میں آج ہی سے شیر خان کی تلاش شروع کر دیتا ہوں۔ ایک عورت تمہاری خدمت کے لیے آجائے گی اور اب اپنے سر اور بھنوؤں کے بال مت اتارنا۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ شیر خان تمہیں اس حالت میں دیکھ کر کیا کہے گا۔"

ایک بات شیرنی کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ شہاب یہ سارا ڈراما کس مقصد کے لیے کر رہا ہے اس نے کافی غور کیا مگر وہ کسی واضح نتیجے پر نہ پہنچ سکی۔ ایک بات صاف تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ شہاب کی نیت صاف نہیں وہ اسے اپنے پاس رکھ کر کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے؟ یہ شیرنی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ سوچ کے کسی کمزور لمحے میں اسے یہ بھی خیال آنے لگتا کہ انسان پھر انسان ہے ہو سکتا ہے شہاب کو اپنے گناہ کا احساس ہو گیا ہو اس کا ضمیر بیدار ہو کر اسے کچوکے لگا رہا ہو اور وہ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہو۔ جب شہاب کی شکل سامنے آتی تو شیرنی کا اس خیال پر سے یقین اٹھ جاتا۔ شیرنی کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا تھا کہ وہ یہاں بڑی چوکس ہو کر رہے۔ ہاں اپنے پیارے ڈیڈی کا اسے ضرور انتظار تھا۔ جانے کیوں اس کا دل کہتا کہ اس کا پیارا باپ لنکا میں موجود ہے اگر وہ لنکا میں موجود ہے تو ظاہر ہے بیٹی کی تلاش میں ہو گا اور وہ شہاب کے ٹھکانے پر ضرور آئے گا۔ یہ جگہ اس کے لیے کوئی نئی نہیں ہے۔ دوسری طرف شہاب نے شیرنی کے ساتھ اس قدر شفقت کا برتاؤ شروع کر دیا کہ کبھی کبھی تو شیرنی کو یقین ہونے لگتا کہ شہاب انکل واقعی بدل چکا ہے اور اپنے گناہوں پر نادم ہے۔ ایک سنہالی عورت اس نے شیرنی کی خدمت پر مامور کر رکھی تھی جو شیرنی کا ہر طرح سے خیال رکھتی تھی۔ اس جگہ پر شہاب نے اسمگلنگ اور منشیات کی سرگرمیوں کو بھی ختم کروا دیا تھا۔ یہ سارا کام وہاں سے کچھ ہی دور دوسرے اڈے پر منتقل کر دیا گیا تھا۔

شیرنی کو بہت جلد یہ بھی احساس ہو گیا کہ کوئی اس کی نگرانی نہیں کر رہا۔ وہ پوری طرح آزاد ہے جنگل میں جس طرف چاہے آزادی سے آجا سکتی ہے۔

مگر ایسی بات نہیں تھی یہاں شیرنی دھوکا کھا رہی تھی۔ کیونکہ دو آدمی دن کے وقت دو آدمی رات کے وقت شیرنی کی مسلسل نگرانی کرتے تھے۔ ان آدمیوں کو شہاب نے اس طرح سے روپوش رکھا ہوا تھا کہ شیرنی ایسی ہوش مند عورت بھی انہیں نہیں دیکھ سکی تھی۔ اس خیال سے کہ ارجنا کو دیکھ کر عائشہ کو دھوکے سے گڑھے میں قید کر دینا یاد نہ آئے۔ شہاب نے ارجنا کو شیرنی کے سامنے آنے سے منع کر دیا تھا شہاب خود دن میں دو تین مرتبہ عائشہ شیرنی کے پاس اس کا حال پوچھنے اور شیر خان کی تلاش کے سلسلے میں جھوٹی کارروائی بتانے آتا تھا۔ وہ ہر بار عائشہ کو تسلی دیتا کہ شیر خان کی تلاش زور شور سے جاری ہے خدا نے چاہا تو بہت جلد وہ تم سے آن ملے گا۔

شہاب اپنے طور پر سخت پریشان بھی تھا کیونکہ اسے ابھی تک شیر خان کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا اور شیرنی کے بارے میں اسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ تنگ آکر خود باپ کی تلاش میں نہ نکل کھڑی ہو۔ وہ عائشہ کی عادت کو جانتا تھا جب کہ وہ عائشہ شیرنی کو کسی بھی حالت میں وہاں سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے عائشہ کو ایک طرح سے یرغمال بنا رکھا تھا۔ شہاب کو اس بات کا بھی یقین ہو چکا تھا کہ یہ عائشہ ہی تھی جس نے رات کے وقت حملہ کر کے فیروز اور اس کے ساتھیوں کو اڈے پر گولیوں سے اڑا دیا تھا کیونکہ وہ فیروز اور شہاب سے بدلہ لینے کے لیے ہی لنکا آئی تھی ورنہ انڈیمان سے فرار ہونے کے بعد وہ سیدھی پاکستان چلی جاتی باپ کے یہاں پہنچنے کی اطلاع تو عائشہ کو اب ملی تھی اور وہ بھی اس کے لیے ابھی تک ایک افواہ ہی تھی کیونکہ اسے ارجنا نے یہ نہیں بتایا تھا کہ شیر خان اس کے پاس ٹرنکومالی پہنچا تھا۔

شہاب نے دل میں عہد کر رکھا تھا کہ اس بار وہ ان باپ بیٹی سے ایسا انتقام لے گا کہ دنیا یاد رکھے گی مگر شیر خان کا جلدی سراغ لگانا بہت ضروری تھا کیونکہ صرف اس کے ملنے سے ہی شیر خان کو پنجرے میں پھنسایا جا سکتا تھا۔ اصل میں شہاب بھی شیر خان سے خوف زدہ تھا۔ یہ وہ جانتا تھا کہ شیر خان اتنی آسانی سے قتل نہیں ہو گا لیکن اگر اس کی بیٹی کو ڈھال بنا کر پیش کیا جائے تو پھر شیر خان کا قابو میں آجانا یقینی بات تھی ورنہ دوسری صورت میں اس کی بیٹی کے ساتھ جھوٹ موٹ کا ڈرامہ کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ شہاب نے ارجنا کے ساتھ مل کر شیر خان کا سراغ لگانے کی مہم تیز تر کر دی۔ اس نے ٹرنکومالی اور پورٹ بیڈرو سے بھی کچھ آدمی بلوا کر اس کام پر لگا دیے۔ انہیں شیر خان کا حلیہ بتا دیا گیا اور سب کو تاکید کی گئی کہ اگر آسانی سے شیر خان کو گولی ماری جا سکے تو گولی مار دی جائے لیکن دوسری صورت میں خطرہ مول نہ لیا جائے اور اڈے پر آکر صرف اطلاع کر دی جائے۔

بدھ مت خانقاہ میں صرف جانکی ایک ایسی عورت تھی جس کو عائشہ شیرنی کے بارے میں تشویش تھی۔ یہ راز جانکی پر بھی کھل گیا تھا کہ ساوتری مسلمان ہے اور اسے اپنے باپ کی تلاش ہے۔ تین چار روز گزر جانے پر بھی جب وہ خانقاہ میں واپس نہ آئی تو جانکی شہاب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے اڈے کی طرف روانہ ہوئی کہ شیرنی کی خیریت معلوم کرے۔ سنہالی بندرا کو بھی شیرنی کی خفیہ نگرانی پر لگایا گیا تھا جو اڈے کے قریب ہی ایک جگہ چھپا بیٹھا تھا۔ اس نے جانکی کو جاتے دیکھا تو اٹھ کر اس کے سامنے آگیا۔

"کیا بات ہے جانکی؟ تمہیں تو نشے کا پورا پیکٹ دیا تھا میں نے۔ پھر ادھر کیا لینے آئی ہو؟" جانکی نے عورتوں والا حربہ استعمال کرتے ہوئے بندرا کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور کہا۔

"وہ میری سہیلی ہے۔ میں اس کے بغیر اداس ہو گئی ہوں مجھے اس سے ملا دو بندرا۔" بندرا نے ادھر ادھر دیکھا اور کہا۔

"صرف ایک شرط پر۔" جانکی بولی۔

"مجھے منظور ہے۔ مگر پہلے میری ملاقات کراؤ۔" یہ بات بندرا بھی جانتا تھا کہ عائشہ پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی اور اسے یہاں سب سے بات چیت کرنے کی اجازت ہے۔ اس کی نگرانی صرف اس لیے کی جا رہی ہے کہ کہیں وہ وہاں سے فرار نہ ہو جائے۔ بندرا نے کیبن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کیبن کے اندر ہے مگر جلدی واپس آجانا۔"

دوپہر کا وقت تھا آسمان پر بادل چھا رہے تھے اور ہوا چل رہی تھی۔ جانکی سیدھی کیبن کے اندر چلی گئی۔ شیرنی نے جانکی کو دیکھا تو خوش ہو کر بولی۔

"جانکی تم - اچھا کیا جو مجھ سے ملنے آگئیں۔" جانکی اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"ساوتری اب تو مجھے بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تم ہندو نہیں ہو مسلمان ہو۔ کیا تم مجھے اپنا نام نہیں بتاؤ گی۔" عائشہ شیرنی نے اسے اپنا اصلی نام بتایا۔ جانکی نے شیرنی کے باپ کے بارے میں پوچھا۔ شیرنی نے سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر ڈیڈی یہاں ہیں تو پھر ان لوگوں کو ان کا سراغ کیوں نہیں مل رہا۔" جانکی نے آہستہ سے کہا۔

"عائشہ! مجھے تو دال میں کچھ کالا کالا نظر آتا ہے۔" شیرنی ذرا سا مسکرائی۔ اس نے جانکی کی طرف دیکھا اور کہا۔

"پھر یہ لوگ میرا کیا بگاڑ لیں گے۔" جانکی نے کہا۔

"تم بڑی نڈر ہو۔ تمہیں اپنے اوپر بڑا بھروسہ ہے مگر عائشہ میں تمہیں مصیبت میں نہیں دیکھ سکتی۔"

"کونسی مصیبت؟" عائشہ نے پوچھا۔ جانکی نے کہا۔

"تم بہت بڑے بدمعاشوں کے پھندے میں گھری ہوئی ہو۔ تمہاری نگرانی بھی ہو رہی ہے۔"

"یہ تمہیں کس نے کہا؟" شیرنی نے جانکی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ جانکی نے بندرا کے بارے میں بتا دیا کہ وہ درختوں میں چھپا اس کی نگرانی کی ڈیوٹی پر ہے۔ شیرنی سوچ میں پڑ گئی۔ جانکی نے رازداری کے ساتھ کہا "تم فکر نہ کرو ابھی مجھے بندرا کے پاس جانا ہے وہ بھی نشہ کرتا ہے میں اس سے معلوم کرنے کی کوشش کروں گی کہ یہ سارا چکر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے ضرور پتا ہو گا۔ میں کل پھر تمہارے پاس آؤں گی۔"

جانکی شیرنی سے مل کر واپس چلی گئی۔ راستے میں بندرا اس کا انتظار کر رہا تھا وہ اسے ایک طرف لے گیا۔ دونوں نے مل کر ہیروئن پی اور پھر باتیں کرنے لگ گئے۔ جانکی نے بندرا سے پوچھا - "یہ عورت یہاں کس واسطے لائی گئی ہے۔" بندرا نے کہا۔

"جانکی! مجھے صرف اتنی ہی معلومات ہے کہ شہاب دادا اور ارجنا اس عورت کے باپ کی تلاش میں ہیں۔ پہلے ارجنا نے اسے گڑھے میں ضرور پھانس لیا تھا مگر پھر شہاب کے آنے پر سارا ڈرامہ بدل گیا۔ اب شہاب دادا اس لڑکی کو بیٹی کہتا ہے اور ارجنا بھی اس کے ساتھ اخلاق سے پیش آتا ہے۔ اس سے زیادہ مجھے کسی نے کچھ نہیں بتایا۔ ہاں ایک بات ضرور ہے ہمیں سختی سے ہدایت کی گئی ہے کہ ہم اس عورت کی نگرانی کرتے رہیں اور یہ علاقے کی حدود پار کرنے کی کوشش کرے تو اسے فوراً پکڑ لیا جائے۔ گولی بالکل نہ ماری جائے۔" جانکی نے بندرا کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بندرا تمہارا کیا خیال ہے یہ سارا چکر کیا ہے؟"

بندرا کو ہیروئن کا بھرپور نشہ ہو گیا تھا اور وہ باتیں نہیں کرنا چاہتا تھا۔

جانکی پیچھے ہٹ گئی۔ بندرا سے اصل بات اگلوانے کا اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مل سکتا تھا۔ بندرا کو نشہ چڑھ گیا تھا جانکی کو اپنی سہیلی اور دوست شیرنی سے محبت تھی اور وہ اس کے مسائل کا حل تلاش کرنا چاہتی تھی۔ اس نے تھوڑا سا ہاتھ کھینچا تو بندرا نے کچھ نشے کی کیفیت اور زیاہ ہوس کے طوفان میں بہہ کر سارا راز اگل دیا۔ ساتھ ہی جانکی کو تاکید بھی کرتا گیا کہ وہ اس کا ذکر کسی کے آگے نہ کرے۔ جانکی اسے تسلی دیتی ہوئی بولی۔

"میں کوئی پاگل ہوں کیا؟ میں تو یونہی تمہاری محبت کو آزمانے کے لیے پوچھ رہی تھی ورنہ مجھے اس بھکشنی سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

بندرا تو بعد میں وہیں جھاڑیوں میں بے سدھ ہو کر پڑ گیا۔ اس نے ہیروئن کا زیادہ نشہ کر لیا تھا' جانکی نے ساڑھی درست کی اور اسی وقت سیدھی عائشہ کے پاس آ گئی۔

"جانکی! تم ابھی گئی نہیں تھیں؟" جانکی نے ماحول کا جائزہ لیا۔ سنہالی خادمہ صحن میں مسالہ پیس رہی تھی۔ کیبن خالی تھا۔ جانکی عائشہ کو کیبن کے اندر لے گئی اور کہنے لگی۔

"تمہیں شہاب نے جال میں پھنسایا ہوا ہے عائشہ۔"

شیرنی خاموش نگاہوں سے جانکی کا منہ تکنے لگی۔ جانکی بولی "میں ٹھیک کہہ رہی ہوں میری دوست! بندرا نے نشے کی حالت میں مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ تمہارا باپ لنکا میں ضرور آیا ہوا ہے مگر شہاب تمہیں دھوکے سے یہاں لے آیا ہے تاکہ تمہیں یرغمال بنا کر تمہارے باپ کو بے بسی کی حالت میں پکڑ لیا جائے اور پھر اس کے سامنے تمہیں اذیتیں دی جائیں۔ شہاب کا پروگرام پہلے تمہیں اذیتیں دے دے کر تمہارے باپ کے سامنے ہلاک کرنے کا ہے۔ پھر تمہارے باپ کو قتل کر دیا جائے گا۔ یہ اصل کہانی ہے جو میں تمہیں بتانے اس وقت آ گئی ہوں۔ اس کا ثبوت ایک یہ بھی ہے کہ تمہاری چاروں طرف سے نگرانی ہو رہی ہے۔"

شیرنی بڑے غور سے جانکی کے بیان کو سنتی رہی۔ جب جانکی نے بات ختم کر لی تو شیرنی نے پوچھا۔

"کیا تمہیں ارجنا نے یہ نہیں بتایا کہ میرے ڈیڈی لنکا میں کہاں ہیں؟"

"یہ بات ان لوگوں میں سے کسی کو بھی معلوم نہیں یہ سارے کے سارے تمہارے باپ کو بڑے زور و شور سے تلاش کر رہے ہیں۔ تمہیں ملوانے کے لیے نہیں بلکہ تمہارے

باپ کو بلیک میل کرنے کے لیے۔" شیرنی اٹھ کر لکڑی کے فرش پر ٹہلنے لگی۔

"مجھے پہلے ہی شہاب کی نیت پر شک تھا۔" پھر شیرنی نے جانکی کو اپنے قریب بٹھا لیا۔ اس کو رازداری سے کہا۔

"جانکی! جب تک ان لوگوں کو میرے ڈیڈی کا کوئی سراغ نہیں ملتا مجھے یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اصل حالات کا مجھے علم ہو گیا ہے۔ اب میں کھلی آنکھ سے سب کچھ دیکھوں گی۔ تم بندرا سے رابطہ رکھنا اور جونہی میرے باپ کا کوئی کھوج ملے مجھے اسی وقت اطلاع کر دینا۔" جانکی شیرنی کو اطمینان دلا کر واپس چلی گئی۔

شیرنی اب کسی دوسرے انداز میں حالات کو دیکھ رہی تھی۔ اسے صرف ایک ہی خوشی تھی کہ اس کا پیارا باپ اسی علاقے میں کہیں موجود تھا۔ شہاب کی ایک ایک حرکت کا اب وہ بڑے غور سے جائزہ لیتی اور اسی کی روشنی میں آگے کوئی عمل کرتی۔

دوسری طرف شیر خان کے زخم کافی بہتر ہو گئے تھے اور اب وہ اپنے آپ کو پہلے سے صحت مند محسوس کرنے لگا تھا۔ مگر سنیاسن نے اسے غار سے باہر نکلنے سے منع کر دیا تھا۔ شیر خان کو یہ پابندی ہرگز قبول نہیں تھی۔ جب اس نے احتجاج کیا تو سنیاسن نے بڑے محبت بھرے انداز میں کہا۔

"تمہاری ابھی پٹی نہیں کھلی۔ جس روز مرہم پٹی ختم ہو گئی۔ بے شک باہر کی سیر کرنے نکل جایا کرنا۔" شیر خان نے کہا۔

"مگر میں بالکل ٹھیک ہو گیا ہوں منگی اب مجھے ذرا سا بھی درد محسوس نہیں ہوتا۔"

مگر منگی سنیاسن تو محض اپنی محبت کی وجہ سے شیر خان کو وہاں روکے رکھنا چاہتی تھی اسے معلوم تھا کہ شیر خان باہر نکلا تو پھر اس کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ کہنے لگی۔

"تمہارا علاج ہم نے کیا ہے ہمیں زیادہ معلوم ہے کہ تم کب صحت مند ہو گے۔ ابھی تمہارے زخموں کو ہوا نہیں لگنی چاہیے۔ کیا تم تھوڑے دن بھی صبر نہیں کر سکتے۔" شیر خان چپ ہو گیا۔

اب ایسا ہوتا تھا کہ رات کو سنیاسی اور اس کی بیٹی سنیاسن منگی' شیر خان کو غار میں اکیلا چھوڑ کر اپنی جھونپڑی میں آ جاتے تھے۔ پھر صبح صبح سنیاسن شیر خان کے لیے ناریل کا پانی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جنگلی کیلے اور تھوڑے سے ابلے ہوئے چاول لے کر غار میں پہنچ جاتی۔ جس رات شیر خان اور منگی کی گفتگو ہوئی اسی رات کا ذکر ہے کہ سنیاسن منگی اور اس کا باپ حسب معمول شیر خان کو غار میں چھوڑ کر چلے گئے۔ سنیاسن منگی نے یہ حماقت کی کہ جانے سے پہلے شیر خان کو ایک خواب آور مشروب پلا دیا تاکہ وہ رات بھر گہری نیند سویا رہے اور اسے چھوڑ کر نہ جائے کیونکہ اب شیر خان پہلے سے بہت بہتر تھا اور منگی کو خطرہ تھا کہ وہ کسی بھی رات کو اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے وہاں سے چل دے گا۔ ان کے جانے کے بعد شیر خان پر کچھ زیادہ ہی غنودگی طاری ہونے لگی اس سے پہلے کہ شیر خان سوچتا کہ آج ایسا کیوں ہو رہا ہے وہ گہری نیند میں کھو چکا تھا۔

اتفاق سے عین اسی وقت ٹیلے کے قریب سے شہاب کے آدمی کا گزر ہوا۔ چاندنی رات تھی۔ چاروں طرف چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی نگاہ ٹیلے کے اوپر گئی تو اسے وہاں غار کا منہ دکھائی دیا۔ اس خیال سے کہ شاید وہاں کوئی چھپا ہوا ہو وہ اسٹین گن ہاتھ میں تھامے ٹیلے کی تھوڑی سی چڑھائی چڑھ کر غار میں آگیا۔ غار کے اندر اندھیرا تھا اور ہلکے ہلکے خراٹوں کی آواز آرہی تھی۔ اس نے ٹارچ روشن کر دی تو دیکھا کہ آدمی چٹائی پر گہری نیند سو رہا ہے۔ سنہالی نے جھک کر دیکھا تو اس شخص کا رنگ گورا چہرہ چوڑا اور بالوں میں ہلکی ہلکی سفیدی تھی۔ یہ شخص لنکا کا باشندہ نہیں لگ رہا تھا۔

وہ آدمی وہیں سے اپنے اڈے کی طرف دوڑ پڑا۔ شہاب ارجنا کے ساتھ بیٹھا شیر خان کے بارے میں باتیں کر رہا تھا کہ وہ آدمی ہانپتا ہوا داخل ہوا اور اس نے بتایا کہ ایک آدمی غار میں سو رہا ہے جس کا رنگ گورا ہے وہ یہاں کا باشندہ نہیں لگتا۔ ارجنا اور شہاب نے اس وقت اسٹین گنیں اٹھائیں اور سنہالی کے ساتھ ٹیلے کی طرف دوڑ پڑے۔

سب سے پہلے شہاب دبے پاؤں غار میں داخل ہوا خراٹوں کی آواز مسلسل آرہی تھی اس نے ٹارچ روشن کر دی اور اسٹین گن تان لی۔ اس کے سامنے اس کا دشمن اس کا شکار اس کا پرانا ساتھی شیر خان چٹائی پر بے خبر سو رہا تھا۔ ارجنا بھی اسٹین گن تانے اندر آگیا۔ شہاب نے اشارہ کیا۔ ارجنا نے لپک کر شیر خان کی گردن کو دبوچ لیا۔ جب اس پر بھی شیر خان نے کوئی مزاحمت نہ کی تو شہاب بڑا حیران ہوا ارجنا نے آہستہ سے کہا۔

"دادا بھائی! لگتا ہے اسے کوئی چیز پلا دی گئی ہے۔ اس کے زخموں پر پٹی بندھی ہے۔ یہاں اس کا علاج ہوتا رہا ہے۔"

شہاب نے اسٹین گن زمین پر رکھ دی۔ انہوں نے اس وقت شیر خان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے پھر ارجنا اور دوسرے سنہالی نے شیر خان کو اٹھایا اور اڈے کی طرف لے کر چل پڑے۔ یہ شہاب کا دوسرا اڈہ تھا۔ پہلے اڈے کو اس نے عائشہ شیرنی کے لیے خالی کرا دیا تھا۔ اس دوسرے اڈے کے نیچے بھی ایک تہہ خانہ تھا۔

انہوں نے شیر خان کو تہہ خانے میں لا کر ڈال دیا۔ شیر خان کو سنیاسن منگی نے خواب آور مشروب اندازے سے کچھ زیادہ ہی پلا دیا تھا۔ اسے بالکل ہوش نہیں تھا۔

شہاب اور ارجنا بے حد خوش تھے۔ انہوں نے بے ہوشی کی حالت میں شیر کو پنجرے میں بند کر دیا تھا ارجنا نے مشورہ دیا کہ ہمیں شیر خان کو سوتے میں ہی ہلاک کر دینا چاہیے۔ شہاب کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"نہیں ارجنا ابھی اس کی موت کا وقت نہیں آیا۔ ہمیں تھوڑا انتظار کرنا ہوگا۔"

وہ شیر خان کو اسی حالت میں سوتا چھوڑ کر تہہ خانے سے باہر آگئے۔ ساری رات شیر خان پر گہری نیند طاری رہی۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو ایک اجنبی جگہ پر پایا۔ یہ ایک تہہ خانہ تھا جہاں دیوار کے ساتھ چھوٹا مٹی کے تیل کا لیمپ جل رہا تھا۔ شیر خان جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہاب نے اس کے ہاتھ پاؤں رات کو ہی کھول دیے تھے۔ فوراً سمجھ گیا کہ اسے نیند کی حالت میں اٹھا کر یہاں لایا گیا ہے۔ لکڑی کا ایک تنگ سا زینہ اوپر چھت کی طرف جاتا تھا جہاں لوہے کا دروازہ فرش کے برابر بند حالت میں تھا یہ کام شہاب کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا گویا وہ اپنے دشمن کی قید میں تھا۔ مگر شہاب نے اسے ہلاک کیوں نہیں کیا۔ وہ بڑی آسانی سے ایسا کر سکتا تھا۔ وہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ فرش کا آہنی تختہ اوپر کو اٹھا اور شہاب اسٹین گن پکڑے زینہ اتر کر شیر خان کے سامنے آگیا۔ ارجنا اسٹین گن تانے اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ دونوں دوستوں' دونوں دشمنوں کی نگاہیں ملیں تو ایک پل کے لیے دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ پھر شیر خان نے کہا۔

"شہاب! مجھے صرف اتنا بتا دو کہ میری بیٹی کہاں ہے؟" شہاب اسی طرح گن ہاتھ میں تھامے کھڑا رہا۔

"میں تمہیں یہی بتانے آیا ہوں کہ تمہاری بیٹی عائشہ ہمارے پاس ہی ہے۔" شیر خان نے کہا۔

"شہابو۔ تم دونوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ تم مجھے اور میری بیٹی کو یہاں سے نکل جانے دو۔ میں تم سے کوئی بدلہ نہیں لوں گا۔ میں نے اپنا ارادہ بدل لیا ہے۔ مجھے صرف اپنی بیٹی چاہیے اور کچھ نہیں۔"

شہاب آخری زینے پر بیٹھ گیا۔ ارجنا اس کے پیچھے تھا اور اس کی گن کا رخ شیر خان کی طرف اور انگلی اسٹین گن کے ٹریگر پر تھی۔ ایک سیکنڈ کے اشارے پر اس کی گن شعلے اگل سکتی تھی۔ شہاب نے تلخی بھرے لہجے میں کہا۔

"تمہاری بیٹی نے میرے ساتھی فیروز کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس نے میرے کئی دوسرے ساتھی بھی ہلاک کر ڈالے ہیں۔ پھر بھی میں نے اسے اپنے ہاں بڑی عزت سے رکھا ہوا ہے۔ مگر تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے اور تمہاری بیٹی سے اپنے دوست فیروز اور اپنے آدمیوں کے قتل کا بدلہ نہیں لوں گا؟" شیر خان نے بھی تلخی بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"میری بیٹی نے اگر ان لوگوں کو قتل کیا ہے تو اپنی جان اور عزت کی حفاظت کی خاطر قتل کیا ہو گا اور یہ ہر عورت کا حق ہے۔" شہاب غصے میں آگیا اس نے گن کی نالی چھت کی طرف کر کے پورا برسٹ فائر کر دیا اور بولا۔

"عزت۔ عزت۔ عزت۔ تم جس عزت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہو میں تمہاری آنکھوں کے سامنے اس کے پرزے اڑاؤں گا اور تم کچھ نہیں کر سکو گے۔ یہ میرا انتقام ہو گا۔" شیر خان کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اس نے گرج دار آواز میں کہا۔

"شہاب! تم اتنے ذلیل ہو جاؤ گے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"خاموش!" شہاب نے چلا کر کہا اور ارجنا کو ساتھ لے کر تہہ خانے سے باہر نکل آیا۔ لوہے کا تختہ گرا کر تہہ خانے کا راستہ بند کر دیا گیا باہر سے ارجنا نے تالا لگا دیا ارجنا نے پوچھا۔

"دادا بھائی! تم کیا کہہ رہے تھے اس نے کیا کہا؟"

شہاب اور شیر خان کیونکہ پنجابی زبان میں باتیں کرتے رہے تھے جو ارجنا نہیں سمجھ سکا تھا۔ شہاب ناگ کی طرح پھنکارتا اپنے کیبن کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"ارجنا! عائشہ کی نگرانی سخت کر دو اسے ہرگز یہ نہیں پتا چلنا چاہیے کہ اس کا باپ یہاں موجود ہے۔"

"ایسا ہی ہو گا دادا بھائی۔" ارجنا نے فوراً جواب دیا۔

شیر خان زخمی شیر کی طرح تہہ خانے میں بے چین اور بے قرار تھا۔ اب جب کہ خود شہاب نے عائشہ بیٹی کے وہاں موجود ہونے کی تصدیق کر دی تھی تو شیر خان اپنی بیٹی کے تحفظ کے لیے بجلی بن کر اس کے پاس پہنچ جانا چاہتا تھا۔ مگر انسان کتنا ہی بہادر' دلیر اور جان پر گزر جانے والا کیوں نہ ہو۔ آخر وہ انسان ہوتا ہے اور کوئی انسان خالی ہاتھوں سے لوہے کی چادر کو نہیں کاٹ سکتا۔ زینے کے اوپر لوہے کی بھاری چادر کا دروازہ صندوق کے ڈھکنے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرح بند تھا۔ تہہ خانے میں کہیں کوئی روشندان بھی نہیں تھا۔ اندر تازہ ہوا صرف ایک نالی سے آرہی تھی جو کوٹھری کے کونے میں ایک کھرے میں بنی ہوئی تھی جہاں سے منہ ہاتھ دھونے والا پانی باہر جاتا تھا۔ ایک کموڈ اور پانی کی بھری ہوئی بالٹی بھی وہیں رکھی تھی صبح ناشتہ تہہ خانے کا ڈھکنا ذرا سا اٹھا کر اندر پھینک دیا گیا تھا۔ یہ احساس کہ عائشہ بیٹی وہیں کسی جگہ قید ہے اور وہ اس کے پاس نہیں جا سکتا۔ اسے قید سے نکال نہیں سکتا شیر خان کو دیوانہ بنائے ہوئے تھا۔ اسے شاید زندگی میں پہلی بار احساس ہوا کہ انسان کس طرح بے بس اور مجبور ہو جاتا ہے اس عالم میں شیر خان نے خدا سے ایک ہی دعا مانگی کہ اے خدا! مجھے اتنی طاقت دے کہ میں اپنے دشمنوں کو خون میں نہلا کر اپنی بیٹی کو عزت آبرو کے ساتھ یہاں سے نکال کر لے جاؤں۔

جانکی ارجنا کی کمزوری بن چکی تھی اور جانکی کو اپنی پیاری سہیلی عائشہ کو دیکھنے اس کی خیریت معلوم کرنے کے لیے روز وہاں آنا پڑتا تھا۔ راستے میں ارجنا اسے جنگل میں روک لیتا تھا۔ جانکی نے اس روز بھی ارجنا سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ارجنا اس وقت اپنے ہوش میں تھا۔ اس نے جانکی کو کچھ نہ بتایا بلکہ الٹا اسے ڈانٹا کہ وہ اس سے ایسی باتیں مت پوچھا کرے۔

جانکی نے ارجنا کی باتوں سے اندازہ لگا لیا کہ معاملہ گڑ بڑ ہے اور عائشہ شیرنی کی نگرانی یونہی سخت نہیں کر دی گئی۔ ارجنا نے جانکی کو ہدایت بھی کی وہ کچھ دنوں کے لیے دن کے وقت وہاں نہ آیا کرے۔ جانکی نے کہا۔

"آج تو میں اپنی سہیلی سے ضرور ملوں گی۔ کل نہیں آؤں گی۔"

"مگر مجھے ملنے تو رات کو جنگل میں آؤ گی نہ؟" ارجنا نے کہا۔

"ہاں ہاں۔" جانکی نے بڑے انداز سے جواب دیا۔ "تم سے ملنے تو میں ضرور آؤں گی رات کو....."

جانکی کو ارجنا نے عائشہ شیرنی سے ملنے کی اجازت دے دی۔ وہ اس کے کیبن میں آئی۔ عائشہ کچھ پریشان سی نظر آرہی تھی۔ جانکی کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کر اس کے پاس آئی اور پوچھنے لگی۔

"میرے ڈیڈی کی کوئی خبر ملی تمہیں؟" جانکی نے کہا۔

"نہیں مگر آج ارجنا بڑا گھبرایا گھبرایا سا ہے اس نے مجھے اب یہاں آنے سے منع کر دیا ہے۔" وہ عائشہ کے پاس لکڑی کے فرش پر بیٹھ گئی اور آہستہ سے بولی۔

"عائشہ! مجھے لگتا ہے یہ لوگ تمہارے خلاف کچھ کرنے والے ہیں۔ میری مانو اور یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے میرے ساتھ نکل چلو۔"

شیرنی خود رات سے بے چین اور مضطرب تھی۔ شاید یہ محبت کرنے والے بہادر باپ کی وہاں موجودگی کا اثر تھا۔ شہاب نے بھی اسی رات کو عائشہ کو اس کے باپ کی آنکھوں کے سامنے ذلیل اور بے عزت کرنے کا ناپاک اور گھناؤنا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ شیرنی اس منصوبے سے بے خبر تھی مگر اس کی چھٹی حس اسے خبردار کر رہی تھی۔ اسے بے قرار کیے ہوئے تھی۔ چنانچہ جب جانکی نے ارجنا کے پراسرار رویے کے حوالے سے اسے وہاں سے فرار ہونے کی تجویز پیش کی تو شیرنی فوراً تیار ہو گئی۔

بظاہر اس جگہ سے فرار ہونا بڑا آسان لگتا تھا۔ کیونکہ کیبن کے باہر ارد گرد کوئی پہرہ نہیں تھا اسے وہاں چلنے پھرنے کی مکمل آزادی تھی۔ مگر وہاں سے تھوڑے فاصلے پر دائرے کی شکل میں شہاب کے چار آدمی اسٹین گنیں لیے جھاڑیوں اور درختوں میں چھپے اس کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔ چار آدمی دن کو نگرانی کرتے اور چار آدمی رات کو ان کی جگہ پر آجاتے تھے۔ شیرنی کو یہ صورت حال جانکی کی زبانی معلوم ہو چکی تھی۔ اس نے وہاں سے نکلنے کا پروگرام بنایا جہاں ارجنا پہرہ دے رہا تھا۔

جب دن ڈوب گیا اور شام کا اندھیرا جنگل میں اترنا شروع ہو گیا تو جانکی ارجنا کے پاس جنگل میں پہنچ گئی' ارجنا کی جگہ دوسرا پہرے دار ایک گھنٹے بعد آنے والا تھا۔ اس ایک گھنٹے میں شیرنی کو وہاں سے نکلنا تھا۔ ارجنا اس وقت جانکی کو دیکھ کر بولا۔ "تمہیں تو رات کو کہا تھا تم شام ہی کو آگئیں۔" جانکی نے جیب سے ہیروئن نکال کر اسے سفید پنی پر بکھیرا اور نیچے ماچس جلا کر ارجنا کی طرف بڑھایا اور ذرا سا ناک کو سکیڑ کر کہا۔

"تم کیسے مرد ہو!" ارجنا اس کھلی دعوت کے سامنے ڈگمگا گیا۔ دوسری جانب طے شدہ پروگرام کے مطابق جب جانکی کو دیر لگ گئی اور جنگل میں اندھیرا بھی چھا گیا تو شیرنی کیبن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے عقبی دروازے سے نکلی اور جھاڑیوں کی باڑھ پھلانگ کر جنگل کے درختوں میں غائب ہو گئی۔ یہ وہی علاقہ تھا جس میں ارجنا کا پہرہ لگایا گیا تھا مگر اس وقت وہاں ارجنا نہیں تھا وہ جانکی کے ساتھ وہاں سے تھوڑی دور گھنے درختوں میں رنگ رلیاں منا رہا تھا۔ جب شیرنی ارجنا کے حلقے سے نکل گئی تو پھر اسے روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق شیرنی وہاں سے سیدھی بودھ خانقاہ میں آگئی۔ یہاں وہ اس چھوٹے سے اسٹور ہاؤس میں آکر چھپ گئی جو خانقاہ کے پیچھے کیلے کے درختوں کے درمیان واقع تھا اور جہاں کبھی کبھار کوئی بھکشو ضرورت کی کوئی چیز لینے آتا تھا۔

جانکی نے اسے اس جگہ چھپنے کو کہا تھا۔ کیونکہ جانکی نہیں چاہتی تھی کہ خانقاہ میں کسی کو شیرنی کے آنے کی خبر ہو۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد جانکی بھی وہاں آگئی اس نے آتے ہی شیرنی سے کہا۔

"تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں میرے ساتھ قصبے میں چلو۔ وہاں میری بڑی بہن کا مکان ہے وہ بیوہ ہے اور اکیلی رہتی ہے جب تک تمہارے باپ کا کھوج نہیں لگتا تم وہیں رہنا۔"

"شیرنی نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ قصبہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جس میں زیادہ آبادی غریب کاشتکاروں اور مزدوروں کی تھی جو شہر میں جا کر مزدوری کرتے تھے۔ جانکی کی بیوہ بہن کا مکان قصبے کے باہر ایک پرانے تالاب کے کنارے ایک جھونپڑے کی شکل میں تھا۔ جس کی دیواریں لکڑی کی مگر چھت ناریل کی شاخیں جوڑ کر بنائی گئی تھیں۔ سامنے ایک آنگن تھا جس کے گرد کانٹے دار شاخوں کی باڑھ کھینچی ہوئی تھی۔ جانکی کی بڑی بہن کافی بوڑھی لگتی تھی۔ جانکی نے شیرنی کا تعارف ساوتری کے نام سے ہی کروایا اور کہا کہ ساوتری کی طبیعت خانقاہ میں ٹھیک نہیں رہتی اس لیے وہ یہاں کچھ دن رہے گی۔ جانکی کی بیوہ بہن بے چاری کم زبان گائے کی مانند تھی اس نے سرہلا کر خوشی کا اظہار کیا اور ہاتھ جوڑ کر زعفرانی لبادے میں ملبوس شیرنی کا احترام کیا۔

جانکی کی بہن ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی زبان بول لیتی تھی۔ جانکی اس وقت واپس خانقاہ کی طرف چلی گئی تاکہ اگر شہاب کے گینگ کا کوئی آدمی عائشہ کی تلاش میں وہاں آئے تو جانکی کی عدم موجودگی سے انہیں اس پر شک نہ پڑ جائے۔

ابھی رات کا پہلا پہر ہی تھا کہ وہاں شور مچ گیا کہ شیرنی غائب ہے۔ یہ اطلاع دوسرے اڈے پر شہاب کو ملی تو غضبناک ہو کر پھنکارتا ہوا وہاں آن پہنچا ارجنا اور دوسرے نگرانی کرنے والے پہریدار بھی وہاں آگئے تھے۔ کوئی ذمے داری قبول کرنے پر تیار نہیں تھا کہ عائشہ شیرنی اس کے علاقے سے گزر کر فرار ہوئی ہے۔ شہاب آتش پارہ بنا ہوا تھا۔ وہ سب کو پنجابی انگریزی اور سنہالی میں گالیاں دے رہا تھا۔ ایک سنہالی گارڈ کو تو وہ گولی مارنے لگا تھا کہ سنہالی ہاتھ باندھ کر زمین پر گر پڑا۔ ارجنا کو اندر سے احساس ہو گیا تھا کہ یہ ساری کارستانی اور سازش جانکی کی ہے مگر وہ اس کا نام نہیں لے سکتا تھا کیونکہ اس طرح سے وہ خود بھی پھنس جاتا تھا۔ اس لیے خاموش تھا۔ شہاب نے سب کو ایک جگہ جمع کیا۔ ان پر گالیوں کی بوچھاڑ کی اور کہا۔

"لڑکی کو ہم تلاش کر لیں گے مگر خبردار یہاں تمہارے سوائے کسی اور کو خبر تک نہ ہو کہ لڑکی بھاگ گئی ہے۔ اگر یہ خبر باہر نکل گئی تو میں تم سب کو لائن میں کھڑا کر کے خود اپنے ہاتھ سے شوٹ کر دوں گا۔"

اس نے ارجنا کو ساتھ لیا اور اس کیبن میں آگیا جہاں شیرنی فرار ہونے سے پہلے رہتی تھی۔ اس نے کیبن کی ایک ایک چیز کو بڑے غور سے دیکھا۔ چھوٹا گیس جل رہا تھا۔ اس نے زور سے ٹھوکر مار کر بانس کی تپائی کو دور گرا دیا اور غصے سے بولا۔

"وہ بڈھی کھوسٹ عورت کو بھی پتہ نہ چلا اس کے بھاگنے کا۔ میں ان سب کو گولی سے اڑا دوں گا۔" ارجنا نے بڑی سیاست کاری سے کام لیتے ہوئے شہاب سے کہا۔

"دادا بھائی! عائشہ کو کوئی باہر کا آدمی یہاں سے نکال کر لے گیا ہے۔ ہم اسے چھوڑیں گے نہیں۔" شہاب دھاڑا۔

"باہر کے آدمی کو یہاں آنے کی جرات کیسے ہوئی۔ تم بھی جنگل میں جا کر سو گئے تھے؟" ارجنا چپ ہو گیا۔ اسٹین گن گلے سے اتار کر اپنے سامنے میز پر رکھی اور سنہالی میں بولا۔

"دادا بھائی میں تمہیں بھگوان کے نام پر وچن دیتا ہوں کہ ایک دن کے اندر اندر اس لڑکی عائشہ کو وہ جہاں کہیں بھی چھپی ہو گی نکال کر تمہارے سامنے لے آؤں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہاب نے اپنا سر پکڑ لیا۔ اس وقت ارجنا ہی اس کا ایک ایسا پرانا ساتھی تھا جس پر وہ بھروسہ کر سکتا تھا اور جس کی بات کو وہ سن بھی لیتا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہ سب کچھ ارجنا کی رنگ رلیوں ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ شروع شروع میں تو ارجنا اس خیال سے ہر جائز و ناجائز کام پوری دیانت داری سے کرتا رہا تھا۔ کہ اسے شہاب کی خوشنودی کی ضرورت تھی اور وہ اس سے اسمگلنگ کے کاروبار میں زیادہ زیادہ فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

مگر اب ارجنا نے اپنے دل میں ایک اور ہی پروگرام طے کر رکھا تھا وہ شہاب کا تختہ الٹ کر خود اس کے کاروبار پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا۔ فیروز کی موت کے بعد شہاب بے سہارا اور اکیلا رہ گیا تھا وہ ارجنا ہی پر بھروسہ کرنے لگا تھا۔ شیر خان بھی اس کی جان کا دشمن تھا۔ گویا ارجنا کی بغاوت کے لیے حالات خود بخود سازگار ہوتے جا رہے تھے۔ ارجنا کو اب شیرنی کے فرار ہونے اور اپنے رنگ رلیاں مناتے رہنے اور ڈیوٹی سے غفلت برتنے کا کوئی ملال نہیں تھا وہ عائشہ شیرنی کو بھی کسی جگہ تلاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یونہی دکھاوے کے لیے وہ ادھر ادھر کا چکر لگاتے رہنے کا ارادہ کئے ہوئے تھا۔ شہاب کے گینگ میں چار پانچ ایسے سنہالی تھے جو اس کے بڑے وفادار باڈی گارڈ تھے اور اس کی خاطر کئی بار اپنی جانیں خطرے میں ڈال چکے تھے ارجنا سب سے پہلے انہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔ اس کام کے لیے اس نے جانکی کو اپنے ذہن میں رکھ لیا تھا۔ چنانچہ اس روز شیرنی کو تلاش کرنے کے بہانے ارجنا سیدھا بودھ خانقاہ میں جانکی سے ملاقات کے لیے جا پہنچا۔

جانکی سے ارجنا نے شیر خان کی بیٹی کے بارے میں بظاہر تشویش کے ساتھ کہا کہ جس وقت وہ دونوں جنگل میں ایک طرف چلے گئے تھے اس وقت موقع پا کر شیر خان کی بیٹی فرار ہو گئی ہے۔ جانکی نے بھی بظاہر تعجب کا اظہار کیا اور ارجنا سے جھوٹ موٹ کی ہمدردی جتانے لگی کہ اس وجہ سے کہیں اس پر تو کوئی مصیبت نازل نہیں ہو گی ارجنا نے جانکی پر اپنی محبت کا اثر جمانے کی خاطر کہہ دیا۔

"مصیبت آتی ہے تو آتی رہے مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ اس وقت میں تمہارے پاس تھا اور ہم دونوں پیار محبت کی باتیں کر رہے تھے۔"

جانکی پر محبت کے اس روایتی جملے نے گہرا اثر کیا۔ آج تک اسے کبھی کسی نے ایسا

محبت بھرا جملہ نہیں کہا تھا۔ اس کی جوانی بودھ خانقاہ کے خشک ماحول میں ڈھلنے لگی تھی۔ محبت کی محرومی اسے ہیروئن کے نشے کی طرف کھینچ کر لے گئی تھی۔ اس نے ارجنا کی طرف خالص اور بے لوث پیار بھری نظروں سے دیکھا مگر ہوس کا غلام ارجنا عورت کی پیار بھری نگاہوں کو نہ پہچان سکا۔ جانکی نے کہا۔

"ارجنا! چلو یہاں سے کسی دوسرے ملک میں بھاگ چلیں۔ وہاں ہم اپنی مرضی سے رہیں گے تم کچھ نہ کرنا میں کام کیا کروں گی۔"

ارجنا ہنس پڑا۔ پھر اچانک اسے خیال آیا کہ آئندہ زندگی کے لیے اس نے جو منصوبہ بنایا ہے اس میں اسے ایک ساتھی عورت کی ہر لحہ ضرورت رہے گی۔ اور اس عورت کا وفادار اور سچا ہونا بڑا ضروری ہے۔ اس کے واسطے جانکی سے بہتر عورت اسے کہیں نہیں ملے گی۔ وہ اس سے محبت بھی کرتی تھی۔ ارجنا نے جانکی کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور اوپر کے دل سے بولا۔

"جانکی بھگوان کے سامنے کہتا ہوں کہ میں بھی تم سے پیار کرنے لگا ہوں۔"

جانکی نے فوراً یقین کر لیا اور ارجنا کے ہاتھوں کو چومنے لگی۔ ارجنا نے کہا۔

"مگر جانکی ہم یہ جگہ چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے ہم اسی جگہ رہیں گے یہاں ہم لاکھوں کی جگہ کروڑوں روپے کما سکتے ہیں۔" جانکی نے پوچھا۔

"وہ کیسے ارجنا؟"

ارجنا کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ جانکی اس کے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔ اس کوٹھری میں اور کوئی نہیں تھا۔ خانقاہ کے راہب جانکی کے جرائم پیشہ لوگوں سے تعلقات کی وجہ سے اس سے ڈرتے تھے اور جان بوجھ کر اس کے معاملے میں چشم پوشی کرتے تھے۔ ارجنا نے کہا۔

"میرے دماغ میں ایک اسکیم ہے مگر تمہیں ابھی نہیں بتاؤں گا۔ کیونکہ میرے راستے میں کچھ رکاوٹیں ہیں جنہیں دور کرنا ضروری ہے۔ ایک رکاوٹ تمہاری دوست عائشہ بھی ہے جو شیر خان کی بیٹی ہے یہ ٹھیک ہے کہ وہ یہاں شہاب اور فیروز سے انتقام لینے کے لیے آئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ فیروز کو اسی نے قتل کیا ہے اور اب وہ شہاب کو موت کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھاٹ اتارنے کی کوشش میں فرار بھی ہوئی ہے لیکن یہ عورت شہاب کو قتل کرنے کے بعد ممکن ہے یہاں سے واپس پاکستان نہ جائے اور مجھے بھی ہلاک کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ اس پر یہ راز فاش ہو چکا ہے کہ میں شہاب کا ساتھی ہوں اور میں نے ہی اسے اس جال میں پھنسایا تھا۔"

جانکی کو عائشہ شیرنی سے ہمدردی ضرور تھی مگر وہ یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ وہ اس کے محبوب ارجنا کو کوئی نقصان پہنچائے۔ مگر عائشہ سے یہ بات کوئی بعید نہیں تھی جانکی اس کی طبیعت اور مزاج سے واقف تھی۔ جانکی نے ارجنا سے کہا۔

"اگر عائشہ کے باپ کا پتہ چل جائے تو ہو سکتا ہے وہ اس کے ہمراہ واپس پاکستان چلی جائے۔" ارجنا نے کہا۔

"نہیں۔ یہ دونوں جب تک شہاب کو قتل نہیں کر دیتے واپس نہیں جائیں گے۔"

"تم مجھے بتا کیوں نہیں دیتے کہ تمہارے دل میں کیا ہے ارجنا؟" جانکی نے بڑی اپنائیت اور محبت کے جذبے کے ساتھ پوچھا۔ ارجنا ابھی اصل اسکیم جانکی کو نہیں بتانا چاہتا تھا اس نے صرف اتنا کہا۔

"بس جانکی تم یہ سمجھ لو کہ ہم دونوں کے روشن مستقبل کے درمیان یہ تمہاری سہیلی عائشہ اور اس کا باپ دو بڑی رکاوٹیں ہیں یہ دونوں ہمارے راستے سے ہٹ جائیں تو بات بنے۔" جانکی نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

"شیر خان کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی نہ کچھ کر ہی سکتی ہوں لیکن عائشہ کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔ بلکہ ممکن ہے وہ یہاں بھی کسی روز آجائے اور پھر میں اسے انڈیا کی طرف بھیج سکتی ہوں۔"

"وہ کیسے؟" ارجنا نے پوچھا۔

"اگر تم یہی چاہتے ہو کہ شیر خان کی بیٹی تمہارے راستے سے قتل کئے بغیر ہٹ جائے تو میں اس کا ذمہ لیتی ہوں۔"

ارجنا خود شیر خان کی بیٹی کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا تھا۔ اور اس کا مطلب تو صرف اتنا تھا کہ یہ عورت جو شیر خان کی بیٹی ہے اور بڑی دلیر اور گوریلا ٹائپ ہے

اس کے راستے سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے۔ باقی شیر خان کے بارے میں ارجنا کو معلوم تھا کہ اسے شہاب زندہ نہیں چھوڑے گا اور جب شیر خان کو شہاب مار ڈالے گا تو وہ یعنی ارجنا موقع پا کر شہاب کو قتل کر ڈالے گا اور پھر اس کے کاروبار پر قبضہ کر لے گا۔ وہ بولا۔

"مگر تم عائشہ کو کیسے ڈھونڈ نکالو گی اور یہ بات بھی یقینی نہیں ہے کہ عائشہ تمہاری بات مان لے اور انڈیا چلی جائے۔" جانکی نے ارجنا کی کمر میں بازو ڈال کر کہا۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑو۔"

ارجنا چلا آیا وہ سمجھ گیا تھا کہ جانکی کو معلوم ہے کہ عائشہ کہاں چھپی ہوئی ہے۔ ارجنا کو عائشہ کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اگر وہ جانکی اس کو یہاں سے انڈیا بھجوا سکتی ہے تو یہ اسے قتل کرنے سے بہتر بات تھی۔ باقی شیر خان کو قتل کرنے کا تو شہاب کا پروگرام تھا ہی۔

.....!

جانکی بھی یہی چاہتی تھی کہ عائشہ کی زندگی بچی رہے اور وہ ان دونوں یعنی جانکی اور ارجنا کے راستے سے ہٹ جائے۔ ارجنا کے چلے جانے کے بعد جانکی نے ایک اسکیم سوچی اور خانقاہ سے نکل کر سیدھے قصبے کی طرف روانہ ہو گئی۔ قصبے میں اپنی بیوہ بہن کے ہاں اس نے عائشہ کو چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ جانکی نے ارجنا کے ساتھ نئی زندگی شروع کرنے کا عہد کر لیا تھا۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ ارجنا اس کی سہیلی عائشہ کو قتل کر کے اپنے راستے سے ہٹائے۔ وہ جانتی تھی کہ ارجنا ایسا بڑی آسانی سے وقت آنے پر کر گزرے گا اور جانکی نہیں چاہتی تھی کہ ایسا ہو۔ ایک ترکیب اس کے ذہن میں آگئی تھی۔

عائشہ اس کی بیوہ بہن کے مکان میں موجود تھی۔ جانکی کو دیکھتے ہی اس نے پوچھا۔

"میرے باپ کا کچھ پتا چلا جانکی؟" جانکی اس کے پاس چٹائی پر بیٹھ گئی اور بہن سے چائے بنانے کے واسطے کہا جانکی نے اپنی سوچی ہوئی ترکیب پر عمل کرتے ہوئے کہا۔

"عائشہ! تمہارے ڈیڈی کا پتا چل گیا ہے۔"

"کہاں ہے میرا ڈیڈی؟ پلیز مجھے اس کے پاس لے چلو۔"

عائشہ اپنے باپ کا سن کر بے چین ہو گئی۔ جانکی پورا ڈرامہ بنانے کی کوشش کر رہی تھی کہنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہارے ڈیڈی کو انڈیا پہنچا دیا گیا ہے۔"

"وہ کیسے؟ اور کیوں؟" عائشہ بے حد افسردہ ہو گئی۔ جانکی کہنے لگی۔

"یہ سب کچھ ایک ایسے شخص نے کیا ہے جو تمہارے باپ کا پرانا ساتھی رہ چکا ہے اور جو شہاب اور اس کے قاتل غنڈوں سے اس کی جان بچانا چاہتا ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے عائشہ کہ شہاب اور اس کے جرائم پیشہ گروہ کی کتنی طاقت ہے۔ تمہارا باپ اکیلا تھا اسے کسی وقت شہاب کے آدمی قتل کرنے والے تھے۔ انہوں نے تمہارے باپ کے گرد گھیرا تنگ کر دیا تھا۔"

"تو کیا میرے ڈیڈی واپس جانے پر تیار ہو گئے تھے؟ کیا انہیں اپنی جان مجھ سے بھی پیاری تھی؟" عائشہ نے اداس لہجے میں کہا۔ جانکی اسی کلائی میکس کے انتظار میں تھی۔ اس نے فوراً جواب دیا۔

"نہیں عائشہ ایسی بات نہیں تھی۔ تمہارا باپ تو ایک بہادر مرد ہے۔ وہ تو شہاب کو مارنے یا خود مر جانے پر تلا بیٹھا تھا۔ مگر اسے یہ کہا گیا کہ شیر خان! تمہاری بیٹی کو لے کر شہاب لنکا کا بارڈر کراس کر گیا ہے اور اس وقت مدراس میں ہے۔ پہلے تو تمہارے ڈیڈی کو یقین نہ آیا۔ مگر جب تمہارے باپ کو مدراس کے ایک اسمگلر کا نقلی خط دکھایا گیا جو ارجنا کے نام تھا اور جس میں یہ لکھا گیا تھا کہ شہاب شیر خان کی بیٹی کو لے کر میرے پاس پہنچ گیا ہے اور وہ اسے مقبوضہ جموں کشمیر کی طرف لے جا کر فروخت کرنے دو دن بعد نکل جائے گا تو تمہارے باپ شیر خان کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ ارجنا کی یہ اسکیم محض تمہارے باپ کی زندگی بچانے کے واسطے تھی۔ کیونکہ اسے یقین ہو گیا تھا کہ شیر خان اکیلا رہ گیا ہے اور شہاب کے وار سے اب بچ نہیں سکے گا۔ اور اسی وقت ارجنا نے تمہارے باپ کو اپنے ایک خاص آدمی کے ساتھ جافنا سے انڈیا کی طرف روانہ کر دیا۔" عائشہ شیرنی بت بنی جانکی کی باتیں سن رہی تھی۔ اتنا وہ بھی جانتی تھی کہ ارجنا کسی زمانے میں اس کے باپ کا خیر خواہ اور دوست تھا اور دوسرے یہ کہ جانکی کے پاس ارجنا آتا جاتا رہتا ہے اس نے مایوس ہو کر پوچھا۔

"یہ کب کا واقعہ ہے؟"

"آج صبح یہ سب کچھ ہوا ہے۔ اس وقت تو تمہارے ڈیڈی انڈیا پہنچ گئے ہوں گے اور ارجنا کے آدمی کے ساتھ مدراس جا رہے ہوں گے۔"

"مگر یہ آدمی میرے ڈیڈی کے ساتھ کس لیے گیا ہے؟" عائشہ کے اس سوال پر جانکی نے کہا۔

"یہ آدمی مدراس میں تمہارے باپ کو ایک سرائے کے مالک کے پاس پہنچا دے گا۔ تمہارے باپ کو یہی کہا جائے گا کہ شہاب اور تمہاری بیٹی دو ایک دن میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔ اتنی دیر میں تم وہاں پہنچ جانا۔ یوں تم اپنے ڈیڈی سے مل جاؤ گی۔" عائشہ بولی۔

"مگر میں شہاب سے انتقام لیے بغیر اسے قتل کیے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گی۔" جانکی نے کہا۔

"عائشہ! یہ کام بعد میں ہو سکتا ہے مگر اس وقت تمہیں اپنے باپ کو مزید پریشان ہونے سے بچانا ہے۔ تمہارے ڈیڈی تو مدراس کی طرف سفر شروع کر چکے ہیں وہ مدراس کی سرائے میں دو تین دن ضرور رہیں گے اگر اس دوران تم اس کے پاس نہ پہنچیں تو پھر نہ جانے تمہارا باپ تمہاری تلاش میں انڈیا میں کس طرف نکل جائے۔ انڈیا تمہارا دشمن ملک ہے۔ اگر انڈیا پولیس نے اسے پکڑ لیا تو اسے پاکستانی جاسوس سمجھ کر بڑی بھیانک اذیتیں دی جائیں گی۔ تم باپ کے پاس ہو گی تو اسے حوصلہ ہو گا۔ سرائے کا مالک تمہیں پاکستان پہنچانے میں مدد کرے گا۔ وہ ارجنا کا بڑا اعتبار والا دوست ہے۔ ارجنا سے میں اس کے نام چٹھی لے کر تمہیں دے دوں گی۔"

عائشہ عجیب الجھن میں مبتلا ہو گئی تھی آخر اس نتیجے پر پہنچی کہ جتنی جلدی ہو سکے اسے اپنے باپ کے پاس پہنچنا چاہیے تاکہ وہ مدراس میں بیٹی کو نہ پا کر اس کی تلاش میں آگے نہ نکل پڑے۔ اس نے جانکی سے کہا۔

"ٹھیک ہے جانکی! میں اپنے ڈیڈی کے پاس جانے کو تیار ہوں۔"

جانکی نے اسی شام ارجنا کو جا کر بتا دیا کہ عائشہ اس کے پاس ہے اور وہ یہاں سے مدراس جانے کو تیار ہے۔ پھر جانکی نے ساری اسکیم جو اس نے بنائی تھی ارجنا سے بیان کر دی۔ ارجنا بڑا خوش ہوا وہ خود یہی چاہتا تھا کہ شیر خان کی بیٹی کسی طرح اس کی راہ سے اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آپ ہٹ جائے۔ شیر خان کو شہاب نے قتل کرنا ہی تھا۔ یا پھر خود قتل ہو جانا تھا۔ دونوں صورتوں میں ارجنا کی فتح ہی تھی۔ چنانچہ اس نے جانکی سے کہا۔

"میں آج رات ہی اس کے یہاں سے نکل جانے کا بندوبست کر دیتا ہوں۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے تم نے ٹھیک کیا جو مدراس کی سرائے والے میرے دوست مورتی کا پتا اسے بتا دیا میں اس کے نام ایک خط بھی لکھ دوں گا وہ عائشہ کو پاکستان کی سرحد پار کرانے میں مدد کرے گا۔ وہ میرا بڑا بااعتبار دوست ہے وہ عائشہ کے پہنچتے ہی اسے بتا دے گا کہ اس کا باپ وہاں اس کی تلاش میں آیا تھا مگر اسے نہ پا کر اور ایک دن انتظار کرنے کے بعد جموں شہر کی طرف چلا گیا ہے۔ میں نے مدراس میں مورتی کو ٹیلی فون کر کے ساری بات سمجھا دوں گا ۔ تم عائشہ کو لے کر رات کے پچھلے پہر ریلوے اسٹیشن پر پہنچ جانا میرا آدمی وہاں پر موجود ہو گا۔ وہ عائشہ کو اپنی حفاظت میں مدراس تک لے جائے گا۔

ایسا ہی کیا گیا رات کے پچھلے پہر جانکی عائشہ کو لے کر ریلوے اسٹیشن پہنچ گئی۔ وہاں ارجنا کا آدمی موجود تھا جس کو جانکی شکل سے پہچانتی تھی۔ اس نے عائشہ کو اس کے حوالے کر دیا۔ اس شخص نے جافنا سے آگے انڈیا اور لنکا کے درمیان والی آبنائے پار کرنے کا پورا بندوبست کر رکھا تھا۔ چنانچہ جب سورج نکلا تو عائشہ بدھ بھکشنی کے حلیئے میں ارجنا کے خاص آدمی کے ساتھ ٹرین کے ایک ڈبے میں بیٹھی تھی اور ٹرین دھنش کوڈی کے اسٹیشن سے نکل کر مدراس کی طرف اڑی چلی جا رہی تھی۔

عائشہ کے لنکا سے نکل جانے اور اس کے راستے سے ہٹ جانے سے ارجنا کی راہ ہموار ہو گئی تھی اب اس کے راستے میں شہاب اور شیر خان صرف دو ہی آدمی تھے۔ ان دونوں میں سے ایک نے زندہ رہنا تھا اور جسے بچ جانا تھا اسے ارجنا نے قتل کر کے شہاب کے مافیا گینگ پر ایک دم سے قبضہ کر لینا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ دس پندرہ آدمیوں کو بھاری رقوم کا لالچ دے کر ملا لیا تھا۔ ارجنا اب شہاب اور شیر خان کے دوبدو معرکے کا انتظار کرنے لگا۔ ارجنا ویسے تو شہاب کو خود بھی ہلاک کروا سکتا تھا مگر اس طرح سے شہاب کے وفادار گروہ کے ساتھ اس کی ٹھن سکتی تھی۔ اگر وہ شیر خان کا مقابلہ کرتے ہوئے ہلاک ہوتا ہے تو ظاہر ہے ارجنا پر کوئی الزام نہیں آ سکتا تھا۔ عائشہ کے فرار ہو جانے سے شہاب

سخت الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ اب عائشہ کسی بھی وقت کسی بھی طرف سے اس پر قاتلانہ حملہ کر سکتی ہے۔ وہ شیر خان کو تو وقتی طور پر بھول گیا اور عائشہ کی تلاش میں سرگرم ہو گیا۔ ارجنا ساری بات تو نہیں بتا سکتا تھا۔ اس نے شہاب سے صرف اتنا ہی کہا کہ میرے خفیہ آدمیوں نے خبر دی ہے کہ عائشہ انڈیا کی طرف چلی گئی ہے شہاب نے ارجنا کو موٹی سی گالی دے کر کہا۔

"اس کا باپ یہاں بیٹھا ہے اور وہ انڈیا کیا لینے جائے گی؟ اسے علم ہو چکا ہے کہ شیر خان اسی علاقے میں موجود ہے۔ وہ یہاں سے باہر نہیں جائے گی اس کو زندہ یا مردہ گرفتار کرو ارجنا۔ تم اسے نہیں جانتے وہ گوریلا لڑکی ہے۔ وہ ہم سب کو اچانک حملہ کر کے موت کے گھاٹ اتار دے گی۔"

ارجنا شہاب کو بار بار اکساتا اور یہی کہتا کہ شیر خان کو ختم کر دیا جائے۔ شہاب کے پاس اس کا ایک ہی جواب تھا۔ اس نے کہا۔

"ارجنا! میں شیر خان کو اب بطور ترپ کے پتے کے استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے میں نے اس کی بیٹی کو یرغمال بنایا تھا تاکہ شیر خان کو قابو میں کر سکوں۔ اب شیر خان کو عائشہ کے واپس لانے میں استعمال کروں گا۔ تم دیکھتے جاؤ۔ جب عائشہ کو معلوم ہوا کہ اس کا باپ میرے پاس ہے تو وہ ضرور واپس آئے گی اگر وہ واپس نہ آئی تو میں اس کے باپ کو قتل کر دوں گا جو میرے پاس قید ہے تو وہ اپنے آپ واپس آ جائے گی۔ تم فوراً سب آدمیوں کو اطلاع کر دو کہ علاقے میں یہ افواہ پھیلا دی جائے کہ شیر خان شہاب کے پاس قید ہے یہ افواہ عائشہ تک ضرور پہنچے گی اور وہ دوبارہ میرے ڈیرے پر آنے کی کوشش کرے گی۔ تم ڈیرے پر نگرانی کی نفری دوگنی کر دو۔ اب جاؤ اور جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر عمل کرو۔"

ارجنا گردن پر ہاتھ پھیرتا وہاں سے چل دیا۔ دل میں یہی سوچ رہا تھا کہ معاملہ طول پکڑ رہا ہے کوئی دوسری اسکیم لڑانی پڑے گی۔

اس دوران شیر خان شہاب کے دوسرے ڈیرے کے تہہ خانے میں قیدوبند کی حالت میں پڑا تھا۔ دو دن گزر گئے تھے۔

اب ہم اس سنیاسن منگلی کیطرف چلتے ہیں کہ جب اس نے خفیہ غار میں اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

محبوب شیر خان کو نہ دیکھا تو اس پر کیا گزری! جب اس نے شیر خان کو غائب پایا تو گھبرا کر اسے غار کے باہر تلاش کرنے لگی کہ شاید وہ کہیں ادھر ادھر گیا ہو۔ یہاں ایک جگہ اسے کچھ آدمیوں کے قدموں کے نشانات نظر آئے ساتھ ہی وہاں جھاڑیوں کی کچھ شاخیں بھی ٹوٹی ہوئی تھیں۔ اتنے میں منگی کا باپ سنیاسی باوا بھی آگیا۔

"بیٹی! شیر خان کہاں ہے؟" سنیاسن نے کہا۔

"اسے ہی تلاش کر رہی ہوں۔ باوا مجھے لگتا ہے کہ اسے شہاب کے آدمی اٹھا کر لے گئے ہیں۔ یہ دیکھو ان آدمیوں کے پاؤں کے نشان ہیں۔" سنیاسی نے کہا۔"مگر شیر خان نے انہیں کچھ نہ کہا؟" سنیاسن منگی نے اپنا سر پیٹ لیا اور بولی۔

"باوا! غلطی میری ہے۔ میں نے شیر خان کو نیند لانے والی بوٹی پلا دی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بوٹی زیادہ پڑ گئی تھی اور شیر خان کو ہوش نہ آسکا۔" سنیاسی باوا بھی تیز نظروں سے پاؤں کے نشان دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"بیٹی! یہ دو بدمعاشوں کے گروہوں کی دشمنی کا معاملہ ہے۔ ہمیں درمیان میں نہیں آنا چاہیے اگر شہاب کے آدمی شیر خان کو لے گئے ہیں تو ہمیں بات یہیں ختم کر دینی چاہیے بلکہ ہمیں اپنا ٹھکانہ ہی بدل لینا چاہیے۔ شہاب کو پتا لگا کہ ہم نے شیر کو چھپا رکھا تھا تو وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔" سنیاسن نے تڑپ کر کہا۔

"اس کو کیسے پتا چل جائے گا کہ اس غار میں ہم نے شیر خان کو رکھا ہوا تھا؟ یہ کوئی ہمارا جھونپڑا تو نہیں ہے ہمارا ڈیرا تو نہیں ہے۔" سنیاسی بولا۔

"بیٹی کچھ بھی ہو اب ہمیں اس معاملے میں نہیں پڑنا چاہیے۔" سنیاسن منگی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"جب تک میری جان میں جان ہے شیر خان کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ شہاب اس کا بال بھی نہیں بگاڑ سکتا میں اسے وہاں سے نکال کر لاؤں گی۔"

"تم پاگل ہو گئی ہو" سنیاسی نے ڈانٹ کر کہا۔

سنیاسن منگی نے غصے میں کہا۔

"باوا! تم اس معاملے میں مت آؤ۔ بس میں نے تمہیں کہہ دیا ہے میرا جو جی چاہے گا

کروں گی۔"

اور وہ غصے میں پھنکارتی غار سے اتر کر اپنے جھونپڑے کی طرف چل دی۔ سنیاسن منگی نے ساری زندگی جنگلوں میں جڑی بوٹیاں تلاش کرتے گزار دی تھی۔ اس کی محبت شہریوں والی محبت نہیں تھی بلکہ یہ ایک ایسی محبت تھی جو صرف ایک جنگلی عورت ہی کر سکتی تھی۔ اس میں مصلحت اور ریاکاری نہیں تھی۔ سنیاسن منگی جھونپڑی میں آکر سوچنے لگی کہ شیر خان کو اگر شہاب اسمگلر کے گروہ کے آدمی اغوا کر کے لے گئے ہیں تو اسے ان کے قبضے سے کیسے چھڑایا جائے۔ وہ لوگ شیر خان کے دشمن ہیں۔ شیر خان منگی کو بتا چکا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ اور اس کا ثبوت یہ منگی نے خود دیکھ لیا تھا کہ وہ شیر خان کو اپنی طرف سے قتل کر کے نالے میں پھینک گئے تھے۔ منگی کو اتنا معلوم تھا کہ ان اسمگلروں کا اڈہ ٹاور کے آس پاس کی جگہ ہے اور یہاں وسیع پیمانے پر منشیات کا کاروبار ہوتا ہے۔ منگی کے پاس اپنے قبیلے کا ایک روایتی ہتھیار موجود تھا۔ یہ ہتھیار ان کے قبیلے کے لوگ اپنے دشمن کو ہلاک کرنے کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ اگرچہ اس کی نوبت کبھی کبھار ہی آتی تھی مگر قبیلے کی روایت کے مطابق یہ لوگ اس ہتھیار کو اپنے پاس ضرور رکھتے تھے۔

منگی جلدی سے اٹھ کر جھونپڑی کے کونے میں گئی۔ وہاں ایک بانس کا پرانا صندوق پڑا تھا۔ اسے کھولا پرانے کپڑے ہٹائے اور نیچے سے ناریل کی تیلیوں سے بنا ہوا ایک چکور ڈبہ نکال کر لے آئی۔ اس ڈبے میں عام سگریٹ ہولڈر سائز کی ایک بانس کی پھونکنی اور اس کے ساتھ بانس کی پتلی پتلی سوئیوں جیسی تیلیاں پڑی تھیں۔ اوپر کی جانب چھوٹے سے خانے میں نیلے رنگ کی پتھر کی چھوٹی شیشی رکھی ہوئی تھی۔ اس شیشی میں جنگل کے سب سے زیادہ زہریلے کالے پھنیئر سانپوں کا زہر قطرہ قطرہ نکال کر بھرا ہوا تھا۔ جب کسی دشمن کو ہلاک کرنا ہوتا تو بانس کی سوئی کو اس بوتل میں ڈال کر اس کے سرے کو زہر میں بجھا دیا جاتا۔ پھر یہ سوئی بانس کی پھونکنی میں ڈال دی جاتی۔ دشمن سامنے آتا یا کسی جگہ بیٹھا ہوتا یا کسی جگہ سے گزر رہا ہوتا تو پھونکنی منہ کے ساتھ لگا کر زور سے پھونک ماری جاتی۔ اس میں سے زہر میں بجھی ہوئی بانس کی سوئی تیزی سے نکل کر دشمن کے جسم میں کھب جاتی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور اس کے ساتھ ہی پھنیئر سانپ کا زہر دشمن کے اعصاب کو مفلوج کر کے وہیں گرا دیتا اور بغیر تڑپے دشمن کا جسم سیاہ پڑتے پڑتے پگھلنا شروع ہو جاتا۔ اس میں سب سے زیادہ ضروری بات یہ تھی کہ دشمن پر حملہ کرنے کے لیے نشانہ درست ہونا چاہیے۔

نیاسن منگی بانس کی سوئیوں کو غور سے دیکھ رہی تھی جن پر ابھی زہر نہیں لگا تھا پھر اس نے بانس کی پھونکنی کو آنکھ کے ساتھ لگا کر اس کے سوراخ کا جائزہ لیا۔ اس میں ایک خالی تیلی ڈالی۔ منہ کے ساتھ لگایا۔ سامنے الگنی پر لٹکے ہوئے کپڑے کو نشانہ بنا کر زور سے پھونک ماری۔ بانس کی سوئی پھونکنی میں سے نکل کر کپڑے میں الجھ گئی۔ منگی بڑی خوش ہوئی اگرچہ اس نے پہلے کبھی اس ہتھیار کو استعمال نہیں کیا تھا لیکن اس کا فن اور مہارت اس کے خون میں روایت کے طور پر شامل تھی اور تھوڑی سی مشق کے بعد منگی اپنے نشانے میں مہارت حاصل کر سکتی تھی۔ ایک ہی ہتھیار تھا جو منگی کے کام آسکتا تھا کسی کو اس پر شک بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے ساری بانس کی سوئیاں نکال کر ایک طرف رکھ دیں پھر زہر کی بوتل کا ڈاٹ کھولا۔ شیشی کو بائیں ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑا اور ایک ایک کر کے بانس کی ساری سوئیوں کے سرے کافی نیچے تک بوتل میں ڈال ڈال کر زہر میں بجھا دیے۔ جب سوئیوں کا زہر خشک ہو کر تیلیوں کے ریشوں تک میں اتر گیا تو اس نے سوئیوں کو پھونکنی کے ساتھ خشک رومال میں لپیٹ کر اپنی ساڑھی میں چھپا کر رکھ لیا۔

دن کافی نکل آیا تھا آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ نیاسن منگی نے نیاسیوں والا کپڑے کا پرانا تھیلا جس میں مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں تھیں کاندھے سے لٹکایا اور جھونپڑی سے نکل کر ایک طرف چل پڑی وہ اس راستے پر چل رہی تھی جو چھوٹی چھوٹی چٹانوں ٹیلوں اور درختوں جنگلی گھاس کے اونچے اونچے ٹکڑوں میں سے ہوتا ہوا کھاڑی کنارے والے ٹاور کی طرف نکل گیا تھا۔ اس کی منزل اسمگلروں کا ٹھکانہ تھا جو منگی نے کبھی دیکھا تو نہیں تھا مگر جس کے بارے میں اس نے سن رکھا تھا کہ وہیں کہیں ہے۔ منگی نیاسن تھی اور اس پر کوئی شک بھی نہیں کر سکتا تھا۔ نیاسی عورتیں کبھی کبھی اس علاقے میں جڑی بوٹیاں بیچتی نظر آجایا کرتی تھیں یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ چلتے چلتے منگی ٹاور کے شمال مغرب کی طرف آگئی۔ یہاں اسے مچھیروں کی دو تین جھونپڑیاں دکھائی دیں

ایک بوڑھا مچھیرا ریت پر بیٹھا پرانے جال کی مرمت کر رہا تھا۔ ایک عورت چولہے میں آگ جلا رہی تھی۔ کچھ بچے ادھر ادھر ریت پر کھیل رہے تھے۔ نیاسن منگی نے قریب جا کر اپنی مخصوص آواز لگائی تو بوڑھے مچھیرے نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ قریب آکر منگی نے کچھ جڑی بوٹیوں کے نام لے کر بوڑھے سے کہا کہ وہ انہیں خرید لے۔ گھر میں کبھی کوئی بیماری نہیں آئے گی۔ مچھیرے کی بہو نے زور سے کہا۔

"اری ہم تو غریب مچھیرے ہیں ادھر جا۔ ادھر امیر لوگ رہتے ہیں۔" مچھیرن نے جس طرف اشارہ کیا تھا ادھر دو تین لکڑی کے کیبن ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے اور تاڑ کے درختوں میں صاف نظر آرہے تھے۔

"ادھر کون رہتا ہے بہن؟" منگی نے انجان بن کر پوچھا۔ بوڑھا مچھیرا بولا۔

"جن کے پاس دولت ہے وہی لوگ رہتے ہیں۔ جاؤ گی تو پتا چل جائے گا۔" منگی سمجھ گئی یہ اسمگلروں کا اڈہ ہے منگی نے مصنوعی خوف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں باوا جی! میں ادھر نہیں جاتی میں نے سنا ہے کہ ادھر بڑے خطرناک لوگ رہتے ہیں۔" بوڑھا مچھیرا خاموش رہا۔ اس کی بہو نے چولہے میں خشک جھاڑیاں ٹھونستے ہوئے کہا۔

"تو پھر تجھے کون کہتا ہے وہاں جانے کو۔ مگر ہمارے سر پر کیوں سوار ہو گئی ہے ہم تم سے کچھ نہیں خرید سکتے۔"

منگی نیاسیوں کے روایتی حسن اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسکرائی اور بڑی ملائمت سے بولی۔

"بھگوان تمہیں خوش رکھے بہن۔" اور آگے بڑھ گئی۔ اب وہ سیدھی اس طرف جا رہی تھی جدھر کیبن بنے ہوئے تھے۔ یہ لکڑی اور بانس سے بنے ہوئے تین کیبن تھے۔ جن کے درمیان میں کھلی جگہ تھی۔ ایک طرف ناریل کے ڈھیر پڑے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر کی سیلونی عورت ناریل کی چھال صاف کر رہی تھی وہاں کوئی مرد نظر نہیں آرہا تھا۔ منگی نے احاطے میں داخل ہوتے ہی آواز لگائی۔ تو سیلونی عورت نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"اری تو یہاں کیا لینے آگئی؟" منگی اس عورت کو بڑی محبت سے اپنی زبان میں اسیس دیتی قریب جا کر زمین پر جھولا رکھ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہن! میرے پاس ایسی بوٹی بھی ہے کہ اپنے مرد کو گھول کر پلا دو گی تو ساری عمر تمہارا غلام رہے گا۔ کسی دوسری عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔" سیلونی عورت ہنس پڑی۔

"میرا مرد تو پہلے ہی میرا غلام ہے۔" منگی نے جھولے میں سے ایک سوکھی سی بوٹی نکال کر اسے دکھائی۔

"یہ اسے پلا دو۔ وہ تمہارا اور زیادہ غلام ہو جائے گا۔" سیلونی عورت نے کہا۔

"نہیں نہیں مجھے کسی بوٹی کی ضرورت نہیں۔ تو یہاں سے ادھر قصبے میں جا۔ یہاں کیوں آگئی ہے۔" منگی نے اپنی میٹھی میٹھی باتیں شروع کر دیں اور عورت سے پوچھا۔

"یہاں کون رہتا ہے۔ کوئی مرد دکھائی نہیں دیتا۔" سیلونی عورت نے منگی کو تھوڑا ڈانٹ کر کہا۔

"تجھے اس سے کیا؟ جا اپنا راستہ لے۔" تب منگی نے اپنے قیافے سے کام لیتے ہوئے دوسرا حربہ استعمال کیا اور جھولے میں سے ایک دوسری بوٹی نکال کر اسے دکھائی اور بڑے اعتماد سے کہا۔

"یہ بوٹی ایک خاص تحفہ ہے جو میں تجھے مفت دیتی ہوں۔ یہ کنچن بوٹی ہے اس کو ناریل میں ڈال کر پندرہ دن کے لیے زمین کے اندر کسی کوٹھری میں بند رکھو۔ اس کے بعد ناریل توڑ کر اسے دیکھو گی تو بوٹی ناریل کے پانی میں حل ہو گئی ہو گی۔ بس وہ پانی لوہے کی جس چیز پر لگاؤ گی وہ سونا بن جائے گی۔" سیلونی عورت دانت نکال کر ہنسنے لگی اور بولی۔

"تم خود کیوں نہیں سونا بناتی ہو؟ ماری ماری کیوں پھر رہی ہو؟" اس کے جواب میں منگی نے کہا۔

"ہم پر سونا حرام ہے۔ ہم صرف دوسروں کی خدمت کرتے ہیں۔ خود سنیاسی کے سنیاسی ہی رہتے ہیں یہ لو بوٹی۔ تمہیں مفت دیتی ہوں۔ کیا یاد کرو گی مگر شرط یہ ہے کہ اسے زمین کے اندر کسی تہہ خانے کے اندھیرے میں پندرہ دن بند رکھنا ہو گا۔"

منگی نے تہہ خانے کا جان بوجھ کر کہا تھا کہ اسے معلوم ہو سکے کہ یہاں کوئی تہہ خانہ بھی ہے کہ نہیں۔ کیونکہ اس کا اندازہ تھا کہ شہاب وغیرہ نے شیر خان کو کسی تہہ خانے میں

رکھا ہو گا۔ اس کا اندازہ ٹھیک نکلا۔ سیلونی عورت سونے کے لالچ میں آگئی اس نے بوٹی اپنی ساڑھی کے پلو کے ساتھ باندھی اور کہنے لگی۔

"مگر سنیاسن! یہاں کوئی ایسا تہہ خانہ نہیں ہے جہاں میں بوٹی کو پندرہ دن کے لیے بند رکھوں۔" سنیاسن منگی نے ایک نگاہ ادھر ادھر ڈالی اور کہا۔

"کیا یہاں کوئی تہہ خانہ نہیں؟ ہمارے ہاں تو ناریل کے اکثر گودام زمین کے اندر بنائے جاتے ہیں۔"

سیلونی عورت بولی۔

"ایک کوٹھری زمین کے نیچے ضرور ہے مگر وہ خالی نہیں۔" منگی نے پوچھا۔

"تو کیا ہوا تم بوٹی ناریل میں ڈال کر اسے کسی کونے میں رکھ دینا تمہیں تو کوٹھری میں تھوڑی سی جگہ ہی چاہیے۔" سیلونی عورت نے کہا۔

"نہیں بہن اس تہہ خانے میں کوئی نہیں جا سکتا۔ مالک نے باہر سے تالا لگا کر پہرہ بٹھایا ہوا ہے۔" منگی سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ اس نے صرف اتنا کہا۔

"کیا وہ تہہ خانہ سامنے والے کیبن کے نیچے ہے؟"

سیلونی عورت نے آخری کیبن کی طرف اشارہ کیا جس کے درختوں میں سے اس وقت ایک پہرے دار شاٹ گن ہاتھ میں لیے سگریٹ کا دھواں اڑاتا چلا آرہا تھا۔ اس کی نظر سیلونی ملازمہ کے پاس بیٹھی ایک جوگن ٹائپ عورت پر پڑی تو تیز تیز قدموں سے قریب آکر بڑے رعب سے بولا۔

"کون ہے تو؟ یہاں کیوں آئی ہے؟" سنیاسن منگی بھی آگے سے بڑے جلال کے ساتھ بولی۔

"خبردار ہمیں کچھ نہ کہنا ہم سنیاسی لوگ ہیں۔ کسی سے کچھ نہیں مانگتے۔ جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے ہیں کہو۔ تمہیں ایسی بوٹی دوں کہ سو سال تک جوان رہے؟"

پہرے دار گارڈ خود سیلونی تھا اور ان سنیاسی لوگوں کو جانتا تھا کہ یہ جڑی بوٹیاں فروخت کرتے ہیں اور بے ضرر لوگ ہوتے ہیں پھر بھی شہاب کا حکم تھا کہ اس علاقے میں کوئی غیر شخص داخل نہ ہو کیونکہ تیسرے کیبن کے تہہ خانے میں شیر خان قید تھا۔ گارڈ

نے سختی سے کہا۔

"چل اٹھ ..... یہاں سے چلی جا اور پھر کبھی ادھر مت آنا۔ یہاں تیری بوٹیوں کی کسی کو ضرورت نہیں ہے۔"

سنیاسن منگی کو جو کچھ معلوم کرنا تھا اس کا اشارہ اسے مل گیا تھا۔ تیسرے کیبن کے نیچے تہہ خانہ تھا۔ وہاں پہرہ بھی لگا تھا۔ ظاہر ہے شیر خان اسی تہہ خانے میں بند ہو گا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ جھولا کاندھے پر ڈالا اور بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے واپس چل پڑی۔ اس کے جانے کے ساتھ ہی گارڈ سیلونی عورت پر برس پڑا کہ اس نے سنیاسن کو وہاں کیوں آنے دیا؟ سیلونی عورت معافیاں مانگنے لگی۔ اندر سے وہ بڑی خوش تھی کہ سونا بنانے والی بوٹی اس کے ہاتھ آگئی ہے جو حقیقت میں ایک بیکار چیز تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منگی وہاں سے سیدھی اپنی جھونپڑی میں آگئی۔ اس کا باپ وہاں پہلے سے موجود تھا اور چاول پکا رہا تھا۔

"کہاں گئی تھی؟" اس نے منگی سے پوچھا۔ منگی نے منہ بنا کر کہا۔

"یہیں تھی۔" سنیاسی باوا کہنے لگا۔

"بیٹی! شیر خان کا خیال دل سے نکال دے میں اب بھی تمہیں یہی نصیحت کروں گا۔" منگی نے باوا کو بالکل نہ بتایا کہ وہ شیر خان کا پتا لگا آئی ہے۔ الٹا اداس لہجے میں بولی۔

"باوا! تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ شیر خان اب واپس نہیں آئے گا۔ ہمیں شہاب کے غنڈوں سے خوامخواہ کی دشمنی مول نہیں لینی چاہیے۔" سنیاسی نے بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"شاباش! اب تجھے سمجھ آگئی ہے چل اب چاول ابال۔ میں کیلے کے پتے توڑ کر لاتا ہوں۔"

منگی بڑی بے چینی سے اب رات کا انتظار کر رہی تھی آج رات اسے بجلی بن کر اسمگلروں کے بادشاہ شہاب کے ڈیرے پر ٹوٹنا تھا اور اپنے محبوب کو نکال کر لانا تھا۔ یہ جنگل کی رہنے والی جنگلی عورت کی محبت کا قدرتی تقاضا تھا۔ رات کو سنیاسی باوا تو جھونپڑی کے باہر سو گیا اور منگی جھونپڑی میں چٹائی پر لیٹ گئی اس کے پاس گھڑی نہیں تھی جس سے ٹائم دیکھتی۔ اسے رات کا ہر گزرنے والا لمحہ جنگل سے گزرتے ہوئے ٹائم بتا دیتا تھا۔ وہ فضا میں سبزے کی مہک سونگھ کر معلوم کر لیتی تھی کہ رات کتنی گزر چکی ہے۔

جو لوگ شہروں میں رہنے کے عادی ہیں وہ نہیں جانتے کہ جنگلوں میں شروع رات کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فضا میں خاص طور پر مشرقی ایشیا کے جنگلوں کی فضا میں ہلکی ہلکی بے معلوم سی مرعوب گرماہٹ ہوتی ہے جوں جوں رات گہری ہوتی جاتی ہے۔ یہ گرماہٹ یا معمولی سا حبس کھلتا چلا جاتا ہے۔ آدھی رات کو جنگلی درختوں پر شبنم ٹپکنے لگتی ہے۔ یہ وہ شبنم ہوتی ہے جو نصف شب تک درختوں کی ٹہنیوں اور پتوں پر جمع ہوتی رہتی ہے۔ شبنم کے ٹپکنے کی آواز بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے بوندا باندی ہو رہی ہو۔ رات کے پچھلے پہر شبنم گرنا بند ہو جاتی ہے اور جنگل کی فضا پھول پتوں اور جھاڑ جھنکاڑ کی خوشبو سے لبریز ہو جاتی ہے اور ہوا ٹھنڈی اور شبنمی ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر بارش ہو رہی ہو تو معاملہ گڑ بڑ ہو جاتا ہے پھر کوئی جنگل کا رہنے والا جنگلی ہی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس وقت رات کتنی گزر چکی ہے۔

جب باہر درختوں سے شبنم کے گرنے کی آواز آنے لگی تو منگی چٹائی پر اٹھ کر بیٹھ گئی اس نے زہر میں بجھی ہوئی بانس کی سوئیوں اور بانس کی نلکی کو کپڑے کے ایک چھوٹے سے تھیلے میں ڈال کر اپنے گلے میں لٹکا لیا۔ کالی ساڑھی کو جو دھوتی کی طرح کی تھی اپنے جسم کے گرد اچھی طرح سے لپیٹا اور جھونپڑی کے دروازے پر لٹکتی لالٹین کی بتی نیچی کر کے جنگل کی طرف نکل گئی۔ جنگل سنیاسن منگی کا بچپن کا ساتھی تھا۔ اس کا کوئی راز منگی سے پوشیدہ نہیں تھا ۔ جس طرح جنگلی درندے انسان کی بو پالیتے ہیں اسی طرح منگی بھی جنگلی جانوروں کی بو دور سے محسوس کر لیتی تھی۔ اس علاقے میں سب سے زیادہ خطرہ سانپوں کا ہوتا ہے یہاں کے سانپ بڑے زہریلے ہوتے ہیں اس کا علاج منگی نے یہ کیا تھا کہ شام کو نہانے کے بعد ایک خاص بوٹی کا تیل اپنے سارے بدن پر اچھی طرح مل لیا تھا اس تیل کی خاص بو کی وجہ سے سانپ کبھی قریب نہیں آتا تھا۔ اس قسم کے ٹوٹکے سنیاسیوں کے پاس عام ہوتے ہیں ہمارے لیے جنگل میں اندھیرا ہو سکتا ہے مگر منگی اس اندھیرے میں ہر شے کی پرچھائیاں دیکھ رہی تھی۔ اسے ایک ایک درخت صاف نظر آرہا تھا۔ اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی تھیں۔ وہ اندھیرے جنگل میں رات کے وقت اطمینان کے ساتھ چلی جا رہی تھی منگی کے ذہن میں ایک تناؤ ضرور تھا یہ اس کا اندازہ ہی تھا کہ شیر خان تیسرے کیبن کے نیچے جو تہہ خانہ ہے اس میں قید ہے اس اندازے کو تقویت یوں ملی تھی کہ منگی نے اپنی آنکھوں سے وہاں پہرے دار کو دیکھا تھا اور سیلونی

عورت نے بھی کہا تھا کہ تہہ خانے میں کوئی نہیں جا سکتا۔

وہ اپنی محبت کے جوش میں چلی جا رہی تھی۔ جب وہ خفیہ اڈے کے قریب پہنچی تو تاڑ کے درختوں کے نیچے تیسرا کیبن اس کے سامنے تھا۔ وہ ایک درخت کی اوٹ میں ہو کر غور سے دیکھنے لگی۔ اندھیرے میں اسے ایک انسانی سایہ کیبن کے باہر ایک جگہ بیٹھا نظر آیا۔ منگی چپ چاپ اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ انسانی سایہ اٹھ کر کیبن کے سامنے ٹہلنے لگا۔ پھر کیبن کے پیچھے سے ایک اور انسانی سایہ نکل کر اس کے ساتھ آن ملا۔ اب دونوں باتیں کرتے ٹہلنے لگے۔ ان میں سے ایک نے سگریٹ سلگایا۔ لائیٹر کی روشنی میں منگی صاف طور پر ان دونوں کے چہرے نہ دیکھ سکی۔ بہر حال وہ سمجھ گئی کہ یہ دونوں پہرے دار ہیں اور اسی کیبن کے نیچے کسی تہہ خانے میں وہ چیز قید ہے جس کی خاطر یہ پہرہ دے رہے ہیں اور وہ چیز سوائے شیر خان کے اور کون ہو سکتا تھا۔

شیر خان کے خیال سے منگی کے سامنے اس کا گورا چٹا پختہ کار چوڑا چکلا مضبوط جسم لہرا سا گیا۔ منگی ایک وحشی جنگلی عورت کی طرح بے سوچے سمجھے آگے بڑھنے لگی تھی کہ اس کی چھٹی حس نے وہیں روک دیا۔ سنیاسن کی عمر جنگل میں جڑی بوٹیوں کے درمیان ضرور گزری تھی مگر وہ ان جڑی بوٹیوں کو بیچنے شہر والوں کے پاس جاتی تھی اور یوں اس کے جنگل میں شہر داخل ہو چکا تھا یا اس کے جنگل کی فضا کو شہر نے متاثر کیا ہوا تھا۔ اتنی دور سے وہ دونوں میں کسی کو بھی زہریلی سوئی کا نشانہ نہیں بنا سکتی تھی۔ فاصلہ بھی زیادہ تھا اور وہ نشانے کی اتنی ماہر بھی نہیں تھی اس وقت منگی کو افسوس ہوا کہ وہ اپنے اصلی جنگلی قبیلے سے بچھڑ کر بستیوں کے قریب کیوں آگئی اور اس کا نشانہ کند ہو گیا اگر وہ اپنے اصلی جنگلی لوگوں میں ہی رہتی تو ظاہر ہے اپنے دشمنوں کو زہریلے تیروں سے مارتی رہتی اور اس کا نشانہ پختہ ہو چکا ہوتا۔ وہ ان پر حملہ کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگی۔

بانس کی نلکی میں ایک زہریلی سوئی اس نے پہلے سے ڈال رکھی تھی اور نلکی اس کے سیدھے ہاتھ میں تھی۔ وہ اندھیرے میں جھک کر چلتی درختوں جھاڑیوں کے پیچھے سے ہوتی پہرے دار آدمیوں کے بائیں جانب آ گئی۔ منگی کے پاؤں جھاڑ جھنکاڑ اور گھاس پتوں پر اسی طرح پڑ رہے تھے کہ کیا مجال ذرا سی بھی کھڑکھڑاہٹ پیدا ہو۔ شبنم کی وجہ سے ویسے بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گھاس گیلی تھی مگر اس پر گرے ہوئے پتے اور خشک ٹہنیاں آواز پیدا کر سکتی تھیں۔ وہ دونوں پہرے داروں سے کوئی دس پندرہ قدموں کے فاصلے پر تھی۔ یہاں سے بھی وہ زہریلی سوئی شوٹ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ ویسے بھی اگر وہ ایک کو ہلاک کرتی ہے تو ظاہر ہے دوسرا مزاحمت کے لیے ہوشیار ہو سکتا تھا اور شور مچا کر اپنے ساتھیوں کو بھی بلا سکتا تھا لیکن منگی وقت بھی ضائع نہیں کر سکتی تھی۔ وہاں کوئی تیسرا پہرے دار بھی آسکتا تھا۔ وہ اسی الجھن میں تھی کہ قدرت نے مہربان ہو کر اسے خود ایک موقع مہیا کر دیا۔ ایک پہریدار نے سنہالی میں اپنے ساتھی سے کچھ کہا اور کیبن کی پچھلی طرف چلا گیا۔ شاید وہ شراب لینے گیا تھا کیونکہ منگی نے سنہالی زبان میں شراب کا لفظ سن لیا تھا۔

اب ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی تھا جونہی ایک پہریدار اکیلا رہ گیا منگی ایک ہوشیار شیرنی کی طرح اپنے پنجوں اور پٹھوں کو کنٹرول میں رکھتے ہوئے آگے بڑھی۔ پہریدار کسی چیز پر بیٹھ گیا تھا اور سگریٹ پی رہا تھا اگرچہ سانپ کے مہلک زہر والی بانس کی سوئی کپڑوں میں سے گزر کر بھی جسم میں زہر شامل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی تھی لیکن منگی چاہتی تھی کہ دشمن کے جسم کے کسی ننگے حصے پر حملہ کیا جائے۔ وہ ایک ایسی جگہ پر آکر رک گئی جہاں سے ایک قدم بھی آگے بڑھانے سے دشمن خبردار ہو سکتا تھا۔ کیبن کے باہر کوئی لالٹین بھی روشن نہیں تھی۔

پہریدار کا ہیولا منگی کے سامنے کوئی پانچ قدموں کے فاصلے پر تھا۔ منگی نے بانس کی نلکی اپنے منہ کے ساتھ لگائی۔ پہریدار کے جسم کا کوئی ننگا حصہ اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ چاروناچار اس نے دشمن کی گردن اور دونوں شانوں کے درمیان حصے کو نشانہ بنایا اور نلکی میں زور سے پھونک ماری۔ اسے ایسی ہلکی سی آواز سنائی دی جیسے نلکی میں سے کوئی شے باہر کو نکلی ہے۔ اس کی آنکھیں اندھیرے میں بیٹھے سگریٹ پیتے پہریدار پر جم گئی تھیں اچانک پہریدار کے جسم کا ہیولا پہلے ذرا سا بائیں جانب کو جھکا پھر پیچھے کی طرف گر پڑا۔ منگی اس کامیابی پر بڑی خوش ہوئی اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اب اسے اپنے دوسرے شکار کا انتظار تھا جو شراب لینے گیا ہوا تھا۔ پہلا پہریدار ایک ایسا ٹارگٹ ثابت ہوا تھا جو ایک جگہ ساکت تھا۔ چنانچہ منگی کو اسے آسانی سے ہٹ کرنے کا سنہری موقع مل گیا تھا۔ دوسرا ٹارگٹ یعنی آنے

والا دوسرا پہریدار ظاہر ہے اپنے ساتھی کو زمین پر بے ہوش دیکھ کر پہلے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرے گا پھر شور مچا کر اپنے ساتھیوں کو بلائے گا۔ اس حساب سے منگی کے پاس صرف اتنا ہی وقت تھا جس دوران دوسرا پہریدار زمین پر گرے ہوئے اپنے ساتھی کو ہلاتا جلاتا ہے۔ اسی دوران دوسرے پہریدار کا جسم بھی حرکت میں ہو گا۔ اس لیے دوسرے پہریدار کو نشانہ بنانا خاصا مشکل تھا اور دوسرے پہریدار کو ہلاک کرنا پہلے پہریدار کو ہلاک کرنے سے زیادہ ضروری ہو گیا تھا۔

منگی نے دوسری زہریلی سوئی نلکی میں ڈال دی تھی۔ ایک آسیبی خاموشی چاروں طرف جنگل میں پھیلی ہوئی تھی۔ کسی نے کسی کا نام لے کر پکارا۔ منگی کی آنکھیں چیتے کی آنکھوں کی طرح چمک اٹھیں۔ دوسرا پہریدار ہاتھ میں بوتل لیے کیبن کی دیوار کے قریب سے نمودار ہو کر اپنے ساتھی کو بلاتا آرہا تھا۔ اتنی دیر میں منگی تین قدم آگے بڑھ کر پہلے پہریدار کی لاش کے قریب جھاڑی کے پیچھے چھپ گئی تاکہ دوسرے شکار کو نشانہ بنانے میں مزید آسانی پیدا ہو جائے۔ دوسرے پہریدار نے اپنے ساتھی کو زمین پر پڑے دیکھا تو جھک کر اسے آواز دے کر بلانے اور ہلانے جلانے لگا سانپ کا زہر بڑا ہی ہلاکت خیز تھا۔ منگی کے قبیلے والے واقعی اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے میں بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے خدا جانے کتنی قسم کے زہروں کو آپس میں ملا کر اسی شیشی میں بند کر رکھا تھا۔ حملہ کرنے کا وقت آگیا تھا۔ دوسرا پہریدار جھک کر اپنے ساتھی کے دل کی دھڑکن کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا ایک پہلو اس

جھاڑی کی طرف تھا جس کے پیچھے منگی چھپی ہوئی تھی اور جس کی ایک شاخ میں سے زہریلی سوئی والی نلکی ذرا سی باہر نکلی ہوئی تھی۔ دوسرے پہریدار نے بھی نائیلون کی پتلی شرٹ پہن رکھی تھی۔ جونہی دشمن ایک سیکنڈ کے لیے زد میں آیا منگی نے پھونک مار دی۔ وہی پراسرار آواز آئی اور زہریلی سوئی نلکی میں سے گزر کر دشمن کے بازو اور شانے کے درمیان گوشت میں اتنی ضرور اتر چکی تھی کہ اس نے زہر خون میں شامل کر دیا تھا۔ پہلے تو پہریدار کو یوں لگا جیسے اسے کسی مچھر نے کاٹا ہو اس نے بازو کو ذرا سا جھٹک دیا اور اپنے ساتھی کو اٹھا کر وہاں سے لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ بے ہوش ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا ہے۔ اس نے اپنے ساتھی کی کمر میں بازو ڈال کر اسے اٹھایا ہی تھا کہ خود بھی اس کے اوپر گر پڑا۔

منگی نے دل ہی دل میں اپنے قبیلے کے اس جنگلی جد امجد کو پرنام کیا جس نے یہ زہر اور زہریلی نلکی ایجاد کی تھی۔ نہ کوئی شور مچا نہ کوئی دھماکہ ہوا نہ کسی نے کسی کو آواز دی۔ نہ کوئی تڑپا اور دونوں دشمن خاموشی سے موت کی آغوش میں اتر گئے تھے۔ منگی نے نلکی میں تیسری زہریلی سوئی ڈالی اور وہیں بیٹھے بیٹھے کوئی ایک ڈیڑھ منٹ انتظار کیا جب دوسرے پہریدار کے جسم نے بھی کوئی حرکت نہ کی تو وہ اٹھی۔ قریب جا کر ان دونوں لاشوں کو جھک کر دیکھا۔ پہلی والی لاش سے ایک عجیب غیر مانوس سی بو آنے لگی تھی۔ یہ سانپ کے زہر اور انسانی خون سے مل کر پھٹے ہوئے گوشت کی بو تھی۔ منگی کیبن کی طرف دوڑ کر آئی۔ دروازے پر تالا لگا ہوا تھا منگی لاشوں کے پاس واپس آگئی۔ ان کی تلاشی لینے پر ایک کی پتلون کی پچھلی جیب میں سے چابی نکل آئی۔ منگی نے آہستہ سے چابی لگا کر تالا کھولا۔ دروازے کا ایک پٹ ذرا سا اندر کو دھکیلا۔ اندر اندھیرا تھا کمرے میں داخل ہوتے ہی منگی نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ گھٹنوں کے بل جھک کر لکڑی کے فرش پر تہہ خانے میں کھلنے والا تختہ تلاش کرنے لگی۔ ایک جگہ اس کا ہاتھ لوہے کی چادر پر پڑا اس نے اس کا کھٹکا کھینچ کر ایک جانب سے چادر کو اوپر اٹھا دیا۔ نیچے سے بو جھل ہوا کا ایک بھپکا سا اوپر کو آیا۔ منگی نے آہستہ سے آواز دی۔

"شیر خان!"

نیچے سے کسی نے جواب نہ دیا۔ منگی نے ٹٹولا تو زینہ نیچے جاتا تھا وہ زینہ اتر کر تہہ خانے میں آگئی۔ یہاں اس نے گھپ اندھیرے میں بھی ایک انسانی ہیولے کو دیوار کے پاس لیٹے دیکھ لیا۔ وہ جلدی سے قریب آگئی یہاں اس نے شیر خان کے جسم کی خوشبو محسوس کی۔ منگی نے اسے جھنجوڑا۔

"شیر خان اٹھو۔" شیر خان ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"کون ہو؟" منگی نے کہا۔

"میں منگی ہوں تمہیں یہاں سے نکالنے آئی ہوں۔"

شیر خان جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ اب وہ پوری طرح سے اپنے ہوش و حواس میں تھا۔

"پہریدار کہاں ہیں؟" اس نے چٹائی پر سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ منگی نے کہا۔

"میں نے دونوں کو مار دیا ہے۔" شیر خان اس سنیاسن کی اس دلیری پر کچھ حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ وہ جلدی سے زینہ چڑھ کر اوپر والے کمرے میں آیا پھر وہاں سے دروازہ ذرا سا کھول کر باہر جھانکنے لگا۔ منگی نے کہا۔

"وہ دیکھو دونوں کی لاشیں ایک دوسرے کے اوپر پڑی ہیں۔" شیر خان کی تیز نگاہیں اردگرد کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"صرف دو ہی آدمی تھے؟" اس نے منگی سے دھیمی آواز میں پوچھا۔ منگی نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

"میں نے صرف یہ دونوں ہی دیکھے تھے کسی اور کا مجھے پتا نہیں اب یہاں سے نکل چلو۔"

وہ دونوں کیبن سے نکلے اور دوڑ کر سامنے والے درختوں کے اندھیرے میں آگئے۔ منگی نے شیر خان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا اور اسے اپنے ساتھ تیز تیز چلا رہی تھی۔ شیر خان نے غصے میں اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔"

سنیاسن منگی نے دل میں شیر خان کو اپنی زبان میں ایک فحش گالی دی اور دل ہی میں کہا کہ ظالم تیرا یہ جنگلی پن ہی تو مجھے پسند ہے۔ زبان سے منگی نے کوئی بات نہ کہی اور شیر خان کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ وہ آگے آگے جا رہی تھی شیر خان اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ شیر خان ان سارے راستوں سے واقف تھا جب وہ شہاب کے ڈیرے سے کافی آگے نکل آئے تو شیر خان نے ترش روئی سے کہا۔

"یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تمہیں کس الو کے پٹھے نے کہا تھا کہ مجھے نیند کی دوائی پلا دو اور اتنی دوائی پلا دی کہ شہاب کے آدمی مجھے باندھ کر لے گئے اور مجھے کچھ پتا نہ چل سکا۔ میں بے ہوش ہی رہا۔" منگی نے اپنی غلطی مان لی اور معذرت کرنے لگی۔

"میں نے صرف تمہارے آرام کی خاطر ایسا کیا تھا لیکن غلطی سے دوائی زیادہ دے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دی۔ اچھا اب مجھے معاف کر دو۔" شیر خان نے غصے سے کہا۔

"تم بے وقوف ہو۔ سب عورتیں بیوقوف ہوتی ہیں۔" "شیر خان ایک جگہ رک گیا۔" شہاب نے میری بیٹی کو بھی اپنے اڈے پر کسی جگہ قید کر رکھا ہے میں اسے بھی ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔" منگی کہنے لگی۔

"تمہاری بیٹی عائشہ یہاں نہیں۔"

"تو پھر کہاں ہے؟" منگی نے شیر خان کا بازو تھام لیا۔

"وہ لنکا کا بارڈر کراس کر کے انڈیا جا چکی ہے۔"

"کیا مطلب؟ شیر خان چونک سا گیا۔" وہ کیسے انڈیا چلی گئی؟ انڈیا کیوں گئی؟ منگی نے کہا۔

"میری بات ٹھنڈے دل سے سنو گے تو تمہارے پلے کچھ پڑے گا۔" شیر خان نے جھنجھلا کر کہا

"عائشہ میرے بغیر انڈیا نہیں جا سکتی تھی۔ اسے تو بتا دیا گیا تھا کہ میں شہاب کی قید میں ہوں۔" منگی نے کہا۔

"نہیں ..... یہی تو اصل بات ہے۔ عائشہ کو یہ نہیں بتایا گیا تھا بلکہ اس کو کسی نے بھگوان جانے کیوں یہ بتا دیا کہ تمہارا باپ شیر خان تمہاری تلاش میں مدراس چلا گیا ہے۔ اب تمہارے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ تم بھی مدراس چلی جاؤ تاکہ اپنے والد سے مل سکو۔"

"یہ بات اسے کس بدبخت نے کہی تھی؟" شیر خان نے غصیلی آواز میں پوچھا۔ منگی بولی۔

"مجھے کیا پتا کس بدبخت نے اسے یہ غلط اطلاع دی تھی مگر میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ جس کسی نے بھی تمہاری بیٹی کو تمہارے بارے میں غلط اطلاع دے کر خود عائشہ کو لنکا کا سمندر پار کروا کر انڈیا اسمگل کر دیا ہے وہ اسے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہو گا۔"

"مگر وہ آدمی کون ہے؟" شیر خان غصے میں تھا۔ منگی نے کہا۔

"اس آدمی کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس آدمی کو بھی تمہارے کسی ایسے دشمن نے یہ اطلاع دی تھی جو تمہاری بیٹی کو یہاں دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ تمہاری بیٹی کو قتل بھی کر سکتا تھا مگر نہیں اس نے ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ تمہاری بیٹی کا دشمن نہیں دوست تھا۔" شیر خان اپنے ماتھے کو ہاتھ سے دبانے لگا۔

"کیا واقعی میری بیٹی انڈیا چلی گئی ہے منگی؟" منگی کا شیر خان نے نام لیا تو اس کو بڑا اچھا لگا کہنے لگی۔

"ہاں شیر خان! میں نے خود اسے اپنے ایک ملنے والے کی حفاظت میں مدراس کی طرف روانہ کیا تھا۔"

اس کے ساتھ ہی منگی کو افسوس لگ گیا کہ اس نے شیر خان کو سچ بات کیوں بتا دی اس طرح سے تو وہ اس کے پاس نہیں رہے گا اور اپنی بیٹی کے پیچھے انڈیا چلا جائے گا۔ مگر منگی کی محبت جنگلی محبت تھی اور جنگلی محبت کرنے والے جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ ریاکاری سے کام نہیں لیتے۔ یہاں پہلی بار منگی نے بھکشنی جانکی کا نام لیا جس سے منگی دو دن پہلے مل چکی تھی اور جس نے اسے لنکا سے عائشہ کی انڈیا کو روانگی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا مگر منگی کے آگے یہ جھوٹ نہیں بولا تھا کہ عائشہ کا باپ شیر خان بھی مدراس جا چکا ہے۔ اس کے بارے میں جانکی نے منگی کو ہی کہا تھا کہ شیر خان سنا ہے زخمی ہو جانے کے بعد کسی جگہ روپوش ہے۔ منگی خاموش رہی تھی اس نے بھی جانکی کے آگے یہ راز نہیں کھولا تھا کہ شیر خان زخمی ہونے کے بعد اسی کے پاس تھا اور اس نے اس کی تیمارداری کی تھی۔ اور اب وہ خفیہ غار سے اغوا کر لیا گیا ہے۔ شیر خان کہنے لگا۔

"میں شہاب سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ مجھے تو اس نے ہی کہا تھا کہ عائشہ اس کے پاس ہے اور یہ کہ عائشہ نے ہی فیروز کو قتل کر دیا ہے۔" منگی نے کہا۔

"اس نے بالکل ٹھیک کہا تھا تمہارے دوسرے دشمن فیروز کو تمہاری بیٹی نے ہی قتل کیا تھا۔ تمہاری باپ بیٹی کی پوری کہانی مجھے جانکی نے سنا دی ہے۔ میں نے بھی تمہیں سچائی سے کام لیتے ہوئے کسی فریب کے بغیر سارے واقعات بیان کر دیے ہیں حالانکہ مجھے تم سے جو محبت ہے اس کا تقاضا تھا کہ میں تمہیں یہ باتیں بیان نہ کرتی اور تمہیں یہی کہتی کہ تمہاری بیٹی لنکا میں ہی کسی جگہ روپوش ہے تاکہ تم زیادہ سے زیادہ وقت میرے پاس رہتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مگر تمہاری محبت ہی نے مجھے تم سے سچ بولنے پر مجبور کیا ہے۔"

شیر خان پہلی بار منگی کی زبان سے اعتراف محبت سن رہا تھا۔ اس نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ منگی کے ان جذبات کو کوئی اہمیت نہ دی۔

ہم نے بھی آپ کو ابھی تک نہیں بتایا تھا کہ شیر خان کے غار میں سے اغوا ہونے کے بعد سنیاسن منگی نے اپنے طور پر تفتیش کرتے ہوئے بودھ خانقاہ میں جا کر جانکی سے ملاقات کی تھی جس نے اسے عائشہ کے انڈیا جانے کے بارے میں ساری کہانی بیان کر دی تھی اور منگی کو یہ بھی بتایا تھا کہ شیر خان اصل میں اپنی بیٹی کی تلاش اور شہاب فیروز گینگ سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے اور انہیں قتل کرنے آیا ہوا ہے۔ جانکی نے منگی کو ارجنا کے بارے میں نہیں بتایا تھا کہ عائشہ کو لنکا سے نکلوانے کی ساری اسکیم اسی نے تیار کی تھی۔ اس نے منگی کو یہ کہا تھا کہ میں عائشہ کی خیر خواہ ہوں اور چونکہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ عائشہ کی زندگی یہاں خطرے میں ہے اور اس کے باپ کا بھی کچھ پتا نہیں کہ وہ لنکا میں کس جگہ پر ہے اس لیے میں نے عائشہ کو اپنے ایک خاص آدمی کے ذریعے مدراس بھجوا دیا جہاں وہ ایک سرائے میں کچھ روز ٹھہرے گی کیونکہ اسے یہی کہا گیا ہے کہ اس کا باپ شیر خان بھی اس کی تلاش میں مدراس کی سرائے میں پہنچ چکا ہے۔ یہ ساری باتیں ہم اپنے قارئین کو پہلے بتا چکے ہیں لیکن ہم نے منگی اور جانکی کی ملاقات اپنے قارئین سے ابھی تک چھپائے رکھی تھی۔ یہ ایک ہم نے بھی نیا تجربہ کیا ہے یہ ایک نئی طرح کا سسپنس ہم نے آپ سے متعارف کروایا ہے۔ بہرحال اب ساری صورتحال آپ پر بھی واضح ہو چکی ہے۔

عائشہ جانکی کے ایک عزیز کے ساتھ مدراس کی طرف جا رہی ہے۔ شیر خان کو منگی شہاب کی قید سے نکال لائی ہے۔ اس نے شیر خان کو بتا دیا ہے کہ اس کی بیٹی عائشہ انڈیا چلی گئی ہے اور جن حالات میں اسے انڈیا بھیجا گیا ہے وہ بھی منگی نے شیر خان سے بیان کر دیے ہیں۔ شیر خان اور منگی رات کے وقت جنگل میں ایک جگہ ذرا دم لینے کو بیٹھ گئے تھے۔ شیر خان اپنی بیٹی کے انڈیا چلے جانے سے خاصا پریشان تھا۔ منگی نے کہا۔ "تم اس کی فکر نہ کرو کیونکہ عائشہ ایک بااعتبار آدمی کے ساتھ مدراس گئی ہے اور وہ ایک سرائے میں ٹھہری رہے گی کیونکہ اسے اس غلط فہمی میں مبتلا کیا گیا ہے کہ شیر خان بھی وہیں ہے۔" شیر

خان نے غصے میں پھنکارتے ہوئے کہا۔

"یہ ساری اسکیم کس ذلیل آدمی نے تیار کی تھی؟ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

منگی نے شیر خان کی اس اکھڑ طبیعت کے پیش نظر جانکی کا اس کے آگے نام نہیں لیا تھا وہ بولی۔

"اب اس شخص کا نام بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ آدمی خود بھی لنکا سے باہر جا چکا ہے۔" شیر خان اٹھ کھڑا ہوا۔ منگی نے اس کے زخموں کے بارے میں پوچھا۔

"زخموں میں اب درد تو نہیں ہوتا نا؟ پھر بھی تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" شیر خان نے منگی کو بازو سے پکڑ کر زور سے جھنجھوڑا۔ منگی کا جسم بھی لوہے کی طرح مضبوط تھا مگر شیر خان کی آہنی گرفت نے اس کے بازو کو بھی جیسے شل کر دیا۔

"میں شہاب کو قتل کیے بغیر ایک سیکنڈ کے لیے بھی آرام نہیں کروں گا۔ سمجھ گئی ہو تم؟ اور یہ جو تم محبت وغیرہ کی بات کر رہی تھیں۔ آئندہ ایسی بات مت کرنا میں کسی محبت وحبت کو نہیں جانتا۔"

منگی نے آگے سے بالکل ترش روی سے جواب نہ دیا بلکہ یہی کہا کہ میرے ساتھ چل کر تھوڑی دیر آرام کرو پھر شہاب سے بھی انتقام لے لیں گے۔ منگی شیر خان کو اب اپنی جھونپڑی میں لے آئی جہاں اس کا سنیاسی باپ پریشان بیٹھا تھا کہ اس کی بیٹی رات کے وقت کہاں چلی گئی ہے۔ اس نے منگی کے ساتھ شیر خان کو دیکھا تو بڑا حیران ہوا۔ منگی نے کہا۔

"باوا! میں اسے شہاب کی قید سے نکال لائی ہوں۔"

سنیاسی بوڑھا نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بیٹی ایک جرائم پیشہ شخص کے چکر میں پڑے۔ اس نے زیادہ دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ منگی نے اپنے باپ کے شبہات کو ختم کرنے کے لیے کہا۔

"باوا! شیر خان انڈیا جا رہا ہے۔" شیر خان چٹائی پر بیٹھ گیا۔ اس نے غراتے ہوئے کہا۔

"مگر شہاب کو قتل کر کے جاؤں گا۔"

"ہاں ..... وہ تو تم ضرور کرو گے۔ تمہیں اپنی بیٹی کا خیال نہیں جو پردیس میں ایک اجنبی ہندو کی سرائے میں تمہارے انتظار میں بیٹھی ہے اور تمہیں شہاب سے بدلہ لینے کی پڑی ہے۔" شیر خان نے جھنجلاہٹ سے اپنا سر دائیں بائیں جھٹکا اور بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس ذلیل عورت جانکی نے میری بیٹی کو یہاں سے مدراس کیوں بھیج دیا؟ میں اسے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" منگی نے کہا۔

"اس نے تمہاری بیٹی کی بھلائی کے لیے یہ سب کچھ کیا ہے۔ یہاں تمہاری بیٹی کی زندگی خطرے میں تھی۔ وہ کسی بھی وقت قتل ہو سکتی تھی۔" شیر خان دہاڑتے ہوئے بولا۔

"میری بیٹی شیرنی ہے۔ اس کو اتنی آسانی سے قتل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ تم سب لوگوں نے مل کر ہمارے خلاف سازش کی ہے تم لوگ بھی میرے دشمنوں سے ملے ہوئے ہو۔" منگی نے غصے سے کہا۔

"اگر میں تمہارے دشمنوں سے ملی ہوتی تو اپنی جان خطرے میں ڈال کر تمہیں قید خانے سے نکال کر نہ لاتی' وہاں تو تمہاری شیرنی بیٹی بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ایسی بات پھر مت کرنا میرے بارے میں۔" شیر خان غصے میں بڑبڑاتا رہ گیا۔ سنیاسی باوا نے کہا۔

"ٹھیک ہے یہ باتیں صبح کر لیں گے۔ ابھی سو جاؤ مگر شہاب کے آدمی شیر خان کو تلاش کرتے یہاں نہ آجائیں۔" منگی نے کہا۔

"وہ یہاں نہیں آئیں گے۔ انہیں ہماری اس جھونپڑی کا کوئی علم نہیں ہے۔ کل شیر خان کو میں کسی دوسری جگہ لے جاؤں گی۔"

شیر خان نے چٹائی پر لیٹ کر منہ دیوار کی طرف کر رکھا تھا۔ منگی نے لالٹین بجھا دی اور اپنے باپ کو لے کر جھونپڑی سے باہر آگئی اور انہوں نے جھونپڑی کے باہر ہی رات گزار دی۔

جب دن نکلا تو شہاب کے تین سبز کیبنوں والے ڈیرے پر شور مچ گیا۔ دونوں پہریداروں کی لاشیں سانپ کے زہر کے اثر سے بے حد خراب ہو رہی تھیں اور تہہ خانے سے شیر خان غائب تھا۔ شہاب سر پکڑ کر بیٹھ گیا زندگی میں شاید پہلی بار وہ اپنے آپ کو شیر خان اور اس کی بیٹی کے آگے بے بس محسوس کر رہا تھا۔ ارجنا اس کے ساتھ تھا۔ شہاب نے منہ سے پھنکار کی سی آواز نکالتے ہوئے کہا۔"ارجنا! یہ کام شیر خان کی بیٹی کے سوا اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔" ارجنا کیسے مان لیتا۔ اس کو تو معلوم تھا کہ شیر خان کی بیٹی لنکا سے جا چکی ہے مگر اس نے شیر خان کے شبہے کی تردید نہ کی۔ اس لیے کہ ارجنا کو اس سے کوئی

دلچسپی نہیں تھی کہ شیر خان کو کس نے فرار کرایا ہے وہ تو صرف یہ چاہتا تھا کہ شیر خان رہا ہونے کے بعد شہاب کو قتل کر دیتا وہ تو شہاب کو شیر خان کے ہاتھوں ہلاک ہوتا دیکھنا چاہتا تھا تاکہ اس قتل کی ذمے داری یا الزام ارجنا پر نہ آئے اور شہاب کے قتل کے بعد گینگ کے آدمیوں پر ارجنا کا اعتماد اور عزت بحال رہے۔ ارجنا کو صرف اس لیے شیر خان کے فرار کا افسوس ہوا تھا کہ وہ شہاب کو قتل کیے بغیر فرار ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔

"مگر دادا بھائی! شیر خان کی بیٹی کے متعلق میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں وہ یہاں سے انڈیا جا چکی ہے۔"

"بکواس کرتے ہو تم؟" شہاب غصے سے بپھر کر چلایا۔"

ارجنا نے دل میں کہا اسی لیے تو میں شیر خان کے ہاتھوں تمہیں قتل کروانا چاہتا ہوں۔

شہاب کو پہلی بار اپنی زندگی شدید خطرے میں محسوس ہوئی۔ اسے ڈر لگا کہ اب دونوں باپ بیٹی آزاد ہو گئے ہیں اور اسے نہیں چھوڑیں گے۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ شیر خان اکیلا ہے اور اس کی بیٹی لنکا سے نکل چکی ہے۔ اپنے دل کے خوف کا اظہار شہاب نے ارجنا پر بالکل ظاہر نہ ہونے دیا۔ وہ کچھ دنوں کے واسطے وہاں سے دور چلا جانا چاہتا تھا۔ اس نے ارجنا سے کہا۔

"ارجنا! ایک سودا طے کرنے کے لیے میرا کچھ دنوں کے لیے ہانگ کانگ جانا ضروری ہے۔ اگر نہ گیا تو کروڑوں ڈالر کا نقصان ہو جائے گا۔ میرے بعد تم میری جگہ رہ کر پیچھے تمام معاملات کا خیال رکھنا۔ اگر شیر خان یا اس کی بیٹی کا کوئی کھوج ملا تو ایک منٹ کی تاخیر کیے بغیر دونوں کو ہلاک کر ڈالنا۔ ان باپ بیٹی نے میرے کاروبار کو بھی تباہ کر دیا ہے۔ سارا وقت ان کے پیچھے بھاگتا رہتا ہوں میرے آدمی بھی گدھے ہیں۔ کوئی آکر انہیں آسانی سے مار کر اپنا بندہ نکال کر لے جاتا ہے۔ خیر میں یہ سودا نہیں چھوڑ سکتا۔ ہانگ کانگ سے ہو کر آجاؤں اگر میرے پیچھے تم لوگ ان دونوں باپ بیٹی کا کام تمام نہ کر سکے تو میں خود آکر ان سے نمٹ لوں گا۔"

شہاب نے ارجنا کو ڈیرے پر چھوڑا اور خود کھاڑی میں ساحل کے ساتھ لنگر انداز ایک چھوٹے اسٹیمر میں بیٹھ کر پورٹ پیڈرو کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں بھی اس نے اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آدمیوں کو یہی بتایا کہ میں ہانگ کانگ جا رہا ہوں اور اسی روز تیسرے پہر وہ جافنا سے ایک ریل گاڑی کے فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں سوار ہو کر کولمبو کی طرف چل دیا۔ کولمبو اس نے اپنے آدمی کو فون کر دیا تھا۔ اس نے رات بارہ بجے کی فلائٹ میں شہاب کی سیٹ ریزرو کروا دی تھی۔ یہ جہاز برٹش ائرویز کا تھا اور کولمبو سے کلکتہ ہوتا ہوا بمبئی اور آگے لندن جا رہا تھا۔ شہاب کی منزل کلکتہ تھی جہاں اس کا ایک جرائم پیشہ گہرا دوست رہتا تھا۔ شہاب کچھ وقت کلکتے میں اپنے دوست کے پاس سکون سے گزارنا چاہتا تھا جہاں اس کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس نے یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ کلکتے میں بیٹھ کر پرسکون دماغ کے ساتھ اور اپنے دوست کے مشورے سے شیر خان اور اس کی بیٹی کو ختم کرنے کے بارے میں کوئی منصوبہ بھی تیار کرے گا۔ کولمبو ائرپورٹ پر شہاب نے اپنے آدمی کو خاص طور پر ہدایت کر دی تھی کہ وہ سب کو یہی بتائے کہ شہاب ہانگ کانگ گیا ہے۔

شیر خان نے اسی رات شہاب کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا اور منگی کی جھونپڑی میں اسے سوتا چھوڑ کر اٹھا اور شہاب کے اڈے کی طرف چل پڑا اس کے پاس سوائے ایک خنجر کے دوسرا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ منگی نے اپنے زہریلے تیروں والے روایتی ہتھیار کا راز شیر خان پر ظاہر نہیں کیا تھا وہ کسی اجنبی کو یہ راز نہیں بتا سکتے تھے۔ شیر خان یا میں نہیں یا شہاب نہیں کا جذبہ لے کر رات کی تاریکی میں آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

شیر خان کے لیے بھی یہ جنگل اور اس جنگل کے راستے اجنبی نہیں تھے۔ انہی جنگلوں میں اس نے اپنی پیاری محبوبہ اور بیوی روبی کے ساتھ لڑکپن اور پھر جوانی کے دن گزارے تھے۔ ان ہی جنگلوں میں شیر خان نے کئی جرائم پیشہ لوگوں کو ہلاک بھی کیا تھا اور خود بھی کئی بار زخمی ہوا تھا اور ہلاک ہوتے ہوتے بچا تھا۔ وہ شہاب کے دونوں ٹھکانوں سے واقف تھا۔ ابھی وہ پہلے والے اڈے کے احاطے میں داخل ہی ہوا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کا نام لے کر کہا۔

"شیر خان تم ہو کیا؟"

سنہالی زبان میں ادا کیے گئے جملے پر شیر خان نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ آواز اسے مانوس لگی تھی۔ اندھیرے میں سے ارجنا نکل کر سامنے آ گیا۔ آتے ہی بازو پھیلا دیے۔

"میرے دوست شیر خان!" شیر خان ابھی تک ارجنا کو اپنا دوست ہی سمجھتا تھا۔ ارجنا نے کیا چکر چلایا ہوا تھا اس کا شیر خان کو علم ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ خنجر ابھی تک شیر خان کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے ارجنا کے قریب آ کر کہا۔

"ارجنا اگر تم میرے دوست ہو تو مجھے صرف اتنا بتا دو کہ شہاب کہاں ہے؟"

ارجنا کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا۔ جب شہاب اسے ہانگ کانگ ضروری کام پر جانے کا کہہ کر کولمبو روانہ ہوا تھا تو اسے شہاب کے بیان پر یقین نہیں آیا تھا۔ اس نے کولمبو میں شہاب کے خاص آدمی کو بھی ساتھ ملا لیا تھا۔ ارجنا نے فوراً کولمبو میں اس آدمی کو فون پر ہدایت کی کہ شہاب جہاں جا رہا ہے اس بارے میں مجھے اطلاع کرنا۔ رات کے بارہ بجے شہاب نے کلکتے کی طرف پرواز کی اور اگلے روز اس خاص آدمی نے جس پر شہاب کو بڑا بھروسہ تھا ارجنا کو اطلاع کر دی کہ شہاب ہانگ کانگ نہیں بلکہ کلکتے گیا ہے۔ جہاں وہ کچھ روز رہے گا۔ چنانچہ جب شیر خان نے ارجنا سے شہاب کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے صحیح صورتحال سے اسے باخبر کر دیا اور کہا۔

"میرے دوست شیر خان! تمہیں میں اندھیرے میں نہیں رکھ سکتا۔ اگرچہ شہاب نے یہاں سب کو یہی بتایا ہے کہ وہ ہانگ کانگ جا رہا ہے لیکن میری سی آئی ڈی نے بھی مجھے اطلاع کر دی ہے کہ وہ کلکتے میں اپنے دوست بھترو کے پاس گیا ہے۔"

شیر خان کو یہ سن کر سخت مایوسی ہوئی۔ اس نے خنجر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ دونوں وہیں اندھیرے میں گھاس پر بیٹھ گئے۔ ارجنا کہنے لگا۔

"یہاں تو اب وہ شاید پندرہ بیس دن کے بعد آئے۔ وہ جاتے ہوئے کہہ گیا تھا کہ میں واپس آ کر شیر خان کو جہاں بھی وہ چھپا ہو گا تلاش کر کے خود گولی سے اڑاؤں گا۔"

ارجنا جان بوجھ کر شیر خان کو بھڑکانا چاہتا تھا۔ تاکہ وہ شہاب کے تعاقب میں کلکتہ جا کر اسے ختم کر دے۔ کیونکہ یہی شیر خان ایک ایسا شخص تھا جو شہاب کو قتل کر سکتا تھا اور ارجنا قتل کے الزام سے محفوظ بھی رہ سکتا تھا۔ شیر خان نے سگریٹ کا کش لگا کر کہا۔

"ارجنا! وہ بزدل ہے۔ وہ مجھ سے ڈر کر بھاگا ہے مگر میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔ میں کل کلکتے روانہ ہو جاؤں گا۔ میری بیٹی میری تلاش میں مدراس پہنچ چکی ہے۔ میں سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے پہلے اپنی بیٹی سے ملوں گا۔ پھر شہاب سے انتقام لینے کلکتے جاؤں گا۔ ارجنا! شہاب کو قتل کرنے کے بعد میں یہاں واپس نہیں آسکوں گا مگر تمہیں شہاب کے قتل کی خبر مل جائے گی۔ اب میں چلتا ہوں۔" ارجنا نے کہا۔

"کیا تم سمندر میں سے نکل جاؤ گے؟" شیر خان طنزیہ مسکرایا۔

"ارجنا تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ میں وہ سمندری خفیہ راستے بھی جانتا ہوں جہاں سے شاید ہی کوئی اسمگلر انڈیا گیا ہو۔ تم فکر نہ کرو میرا راستہ کوئی نہیں روک سکے گا۔"

شیر خان ارجنا سے گلے مل کر واپس جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔

شیر خان ارجنا سے گلے مل کر واپس جھونپڑی کی طرف چل پڑا۔ اگلے دن شیر خان نے منگی کے ذریعے بھی دو تین جگہوں سے شہاب کے بارے میں پتا کرایا۔ اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ شہاب وہاں نہیں ہے۔ تب شیر خان نے منگی سے کہا۔

"میں آج رات کے پچھلے پہر جافنا سے سمندر پار کر کے انڈیا چلا جاؤں گا۔" منگی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ نہ بولی۔ شیر خان جانتا تھا کہ یہ سنیاسن اس سے محبت کرنے لگی ہے مگر وہ اس سے بالکل محبت وغیرہ نہیں کرتا تھا۔ شیر خان نے زندگی میں صرف ایک عورت سے اس قسم کی محبت کی تھی اور وہ روبی اس کی بیوی تھی۔ سنیاسن منگی کی خدمت گزاری کا وہ احسان مند ضرور تھا۔ چنانچہ اس نے منگی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے اور تمہارے باوا نے میری جس طرح سے تیمارداری کی اور مجھے موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا میں اسے کبھی نہیں بھلاؤں گا۔" منگی زیر لب مسکرائی کہنے لگی۔

"یہ تو ہم سنیاسی لوگوں کا دھرم ہے۔"

شیر خان خود بھی بات کو طول نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسی رات وہ منگی اور اس کے باپ کا آخری بار شکریہ ادا کر کے وہاں سے جافنا کی جانب روانہ ہو گیا۔ جافنا وہ راتوں رات پہنچ گیا۔ یہاں سے ایک اسٹیمر میں سوار ہو کر رامیشورم کے جزیرے پر آگیا۔ اس مقام سے اس سمندر کی وہ مختصر سی ابنائے عبور کرنی تھی جو انڈیا اور سری لنکا کے درمیان حائل ہے۔ تامل ٹائیگرز کی دہشت گردیاں بڑے عروج پر تھیں۔ چنانچہ یہاں بڑی سختی تھی۔ لیکن شیر خان تمام خفیہ ذرائع سے واقف تھا۔ اس کے پاس اتنا روپیہ تھا جس سے وہ یہ سمندر پار کر سکتا تھا۔ روپے کے لالچ میں یہاں سب کام ہو جاتے تھے۔ وہ ایک ایسے آدمی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ملا جس نے شیر خان سے صرف پانچ سو روپے لے کر اسے کشتی میں آبنائے پار کروا کر انڈیا کے ساحل پر پہنچا دیا۔

جیسا کہ ہم نے شروع میں بیان کیا تھا کہ شیر خان باقاعدہ پاسپورٹ ویزے کے ساتھ لنکا میں داخل ہوا تھا مگر اس پاسپورٹ پر انڈیا کا ویزہ نہیں لگ سکا تھا۔ اس کے پاس ٹریولر چیک بھی تھے جس کے واسطے شیر خان نے کراچی میں ہی کافی زر مبادلہ جمع کروا دیا تھا۔ اور کولمبو سے بھی کچھ زر مبادلہ خرید کر اپنے حساب میں جمع کروا دیا تھا۔ انڈیا کے ساحل پر پہنچنے کے بعد صرف اسے ایک ہی تشویش تھی کہ کسی نے اسے چیک کر لیا تو وہ بغیر ویزے کے انڈیا میں داخل ہونے والے پاکستانی کی حیثیت سے گرفتار ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس کا پاسپورٹ پاکستانی تھا اور پاسپورٹ پر بھی اس کے نام کے آگے پاکستانی شہریت درج تھی۔ ایک خیال اسے آیا کہ اپنا پاسپورٹ ضائع کر دے اور ہندوستانی مسلمان کے طور پر سفر کرے۔ کیونکہ یہ بات سب کے علم میں تھی کہ جالندھر وغیرہ میں کئی پنجابی مسلمان آباد ہو گئے ہیں۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو مالیر کوٹلہ میں فسادات کے دنوں میں رہ گئے تھے ان کی اب اگلی نسل جالندھر لدھیانہ وغیرہ میں آباد تھی اور چھوٹا موٹا کاروبار کرتی تھی۔ پنجاب کے سکھوں کا ان کے ساتھ بڑا اچھا سلوک تھا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے پاسپورٹ ضائع کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ جنوبی ہند کے اس علاقے میں شیر خان اپنی نوجوانی کے زمانے میں کئی بار سفر کر چکا تھا۔ اگرچہ یہاں بھی آبادی بڑھ گئی تھی اور کئی نئی بستیاں آباد ہو چکی تھیں مگر ریل گاڑیاں ابھی تک اسی طرح چلتی تھیں۔ اس کی پہلی منزل مدراس تھی جہاں اس کی اطلاع اور جانکی کے بیان کے مطابق اس کی بیٹی عائشہ اسٹیشن والی سرائے کے مالک مورتی کے یہاں ٹھہری اس کا انتظار کر رہی تھی۔

شیر خان کا لباس پاکستانی لباس نہیں تھا۔ وہ پتلون بش شرٹ میں ملبوس تھا جو وہاں کا عام پہناوا ہے۔ اس کے پاس کوئی خنجر یا پستول بھی نہیں تھا۔ یہ چیزیں اس نے لنکا میں ہی رہنے دی تھیں۔ کیونکہ ان کا بندوبست انڈیا میں کسی کو روپے دے کر کیا جا سکتا تھا۔ [illegible] کے بینک سے شیر خان نے ٹریولر چیک کے ذریعے جو کرنسی نکلوائی تھی وہ اس نے سمندر عبور کرنے سے پہلے ہی انڈین کرنسی میں تبدیل کروا لی تھی۔ یہ کافی رقم تھی [illegible]

کی شکل میں شیر خان نے کپڑے میں ڈال کر اپنی کمر کے گرد باندھ رکھی تھی۔ کچھ روپے اس کی جیب میں تھے۔ یہاں سے وہ مدراس جانے والی ٹرین میں سوار ہو گیا۔

شیر خان کو مدراس ایکسپریس میں چھوڑ کر ہم مدراس کی سرائے میں چلتے ہیں جہاں اس سے پہلے شیرنی پہنچ چکی تھی۔

عائشہ شیرنی نے سر کے بالوں کی شیو بند کر دی تھی۔ کیونکہ انڈیا میں بدھ مت کی بھکشو عورتیں بالوں کو مونڈنے کی بجائے سر پر رومال باندھے رکھتی تھیں۔ جس وقت شیرنی مدراس ریلوے اسٹیشن والی سرائے کے پتے پر پہنچی تو ارجنا کے بااعتبار دوست مورتی نے اس کا خیر مقدم کیا ایک خفیہ پیغام کے ذریعے مورتی کو ارجنا نے خبر کر دی تھی کہ عائشہ کو یہی کہا جائے کہ اس کا باپ شیر خان آیا تھا مگر دو روز رہ کر جموں کی طرف چلا گیا ہے۔ چنانچہ مورتی نے عائشہ شیرنی کو یہی بیان کر دیا۔ شیرنی سخت پریشان ہوئی کہ اس کے ڈیڈی بیٹی کا انتظار کیے بغیر وہاں سے چل دیے۔ کیونکہ عائشہ کو یہی کہا گیا تھا کہ اس کا باپ مدراس کی سرائے میں اس کی راہ دیکھ رہا ہے۔ شیرنی جب مدراس مورتی کے پاس پہنچی تو اس نے یہ کہہ کر آگے کی طرف روانہ کر دیا شیرنی تھوڑی دیر پریشان تو ہوئی مگر وہ وقت ضائع کیے بغیر جموں کی طرف روانہ ہو گئی۔

جس روز لنکا سے شیر خان چلا اسی روز سرائے کے مالک کو ارجنا کا خفیہ پیغام ملا۔ اس پیغام میں مورتی کو بتایا گیا تھا کہ عائشہ کا ڈیڈی شیر خان بھی اپنی بیٹی کی کھوج میں اس کے پاس آ رہا ہے۔ خبردار عائشہ کے باپ کو یہ ہرگز نہ بتایا جائے کہ اس کی بیٹی جموں گئی ہے۔ بلکہ اسے یہ کہا جائے کہ وہ کلکتے چلی گئی ہے۔ اس پیغام سے ارجنا کا مقصد صرف اتنا تھا کہ شیر خان کو جموں جانے سے روکا جائے اور اسے کلکتے کی طرف دھکیل دیا جائے جہاں شہاب پہلے سے موجود تھا۔ یوں شیر خان اسے قتل کر سکتا تھا۔ یہی ارجنا کی زندگی کی اس وقت سب سے بڑی خواہش تھی کہ کسی طریقے سے شہاب شیر خان کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔ اور اس کی کامیابیوں کے راستے کا سب سے بڑا پتھر شیر خان کے ہاتھوں اکھاڑ پھینکا جائے۔

شیر خان بھی مدراس شہر پہنچ گیا۔ وہ سیدھا ارجنا کے دوست مورتی کی سرائے میں آ گیا۔ مورتی سے ملاقات ہوئی تو شیر خان نے سب سے پہلا سوال اپنی بیٹی کے بارے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا۔

"وہ کہاں ہے؟"

مورتی نے ارجنا کی ہدایت کے مطابق شیر خان کو بتایا کہ بیٹی وہاں آئی ضرور تھی مگر دو دن ٹھہرنے کے بعد چلی گئی تھی۔ شیر خان بھی سخت پریشان ہوا کہ عائشہ اپنے باپ کا انتظار کئے بغیر وہاں سے کیوں چل دی۔ اس نے مورتی سے پوچھا۔

"وہ کدھر گئی ہے کیا تم بتا سکتے ہو" مورتی کہنے لگا۔

"بیٹی نے میرے پوچھنے پر صرف اتنا ہی کہا تھا کہ میں کلکتے جا رہی ہوں۔ وہاں ڈیڈی کا ایک دوست ہے۔ شاید ڈیڈی اس کے پاس گئے ہیں۔"

شیر خان سخت الجھن میں تھا۔ صورت حال ایک عجیب گورکھ دھندے کی شکل اختیار کر رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس کی اطلاع درست ہے۔ کس کا بیان صحیح ہے اور کون کدھر گیا ہے۔ اس کو بہرحال مورتی کے بیان پر یقین کرنا پڑ رہا تھا۔ اسے کلکتے ہی کی طرف جانا تھا۔ سوچا کہ ہو سکتا ہے عائشہ بیٹی چاند چچا کے ہاں جا کر ٹھہر گئی ہو۔ چاند چچا کا کلکتے میں پان بیڑی کے پتے کا چھوٹا سا کاروبار تھا اور شیر خان اکثر اس کا ذکر عائشہ کے سامنے کیا کرتا تھا ایک بار شیر خان نے عائشہ کو یہ بھی بتایا تھا کہ چاند چچا کی دکان ہارلے اسٹریٹ کولوٹولہ میں ہے۔

شیر خان نے ایک رات بھی مدراس میں قیام نہ کیا۔ اور اسی دن بنگال جانے والی ریل گاڑی میں سوار ہو کر کلکتے کی طرف روانہ ہو گیا۔ روبی اپنے باپ شیر خان کے برعکس بغیر پاسپورٹ کے سفر کر رہی تھی۔ اس نے اپنا نام پھر سے وہی ساوتری رکھ لیا تھا۔ بھکشوؤں کے بھیس کے وجہ سے اسے ریلوے کا ٹکٹ بھی نہیں لینا پڑ رہا تھا۔ تھوڑے سے پیسے اس نے بچا کر رکھے ہوئے تھے۔ وہ اس کے کھانے پینے کے کام آ رہے تھے۔ اکثر ریلوے اسٹالوں پر اس سے چائے روٹی کے دام وصول نہیں کئے جاتے تھے۔

دوسری طرف شیر خان دو دن کے سفر کے بعد کلکتہ پہنچ کر سیدھا ہارلے اسٹریٹ میں چاند چچا کی دکان پر پہنچا۔ ایک مدت بعد شیر خان کو دیکھا تو چاند چچا پہلے تو پہچان ہی نہ سکا۔ وہ خود بوڑھا ہو گیا تھا۔ پھر جب پہچانا تو شیر خان کو گلے لگا لیا اور بولا۔

"شیر خان! اتنی مدت بعد تم کہاں سے آ گئے میرے بیٹے۔"

شیر خان کی چاند چچا کے ساتھ ہمیشہ سے بڑی گہری دوستی رہی تھی اور دونوں ایک دوسرے کے ہمراز بھی رہے تھے۔ سفر کی تھکان اتارنے کے بعد دونوں بیٹھک میں بیٹھ گئے اور شیر خان نے ساری کہانی چاند چچا کو بیان کر دی اور پھر بیٹی عائشہ کا پوچھا۔ چاند چچا کہنے لگا

"شیر خان! یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ تمہاری بیٹی میرے پاس آتی اور میں آتے ہی تمہیں اس کے بارے میں نہ بتاتا۔"

شیر خان کو دوبارہ پریشانی نے گھیر لیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ مسلسل غلط بیانی سے کیوں کام لیا جاتا رہا ہے۔ پھر اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے عائشہ ابھی سفر میں ہو یا راستے میں اسے کوئی واقعہ پیش آ گیا ہو۔ اس نے چاند چچا سے شہاب کی بات کی۔ چاند شہاب کو جانتا تھا۔ بلکہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وہ کسی زمانے میں شہاب کے اسمگلنگ کے کاروبار میں برابر کا شریک رہ چکا تھا۔ چاند چچا بولا

"مجھے معلوم نہیں کہ شہاب یہاں ہے۔ مگر میں پتہ کروا دوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔"

شیر خان نے چاند چچا کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ شہاب کے قتل کا ارادہ لے کر وہاں آیا ہے۔ رات کو دونوں پرانے دوست آپس میں پرانے دنوں کی باتیں کرتے رہے۔ چاند چچا نے شیر خان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے آپ کو پاکستانی کی بجائے ہندوستانی ہی ظاہر کرے اور کوئی پوچھے تو یہی کہے کہ وہ لدھیانے سے چچا کو ملنے آیا ہے۔ شیر خان رات کو دیر تک نہ سو سکا۔ اسے بیٹی کا خیال پریشان کئے ہوئے تھا کہ خدا جانے وہ کہاں ہے۔ کس حال میں ہے۔ اگرچہ اسے عائشہ پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ اپنی حفاظت کر سکتی ہے پھر بھی اپنی بیٹی کی طرف سے شیر خان کو ایک مسلسل تشویش لگی ہوئی تھی۔ چاند چچا نے اگرچہ اسمگلنگ کا دھندا ایک عرصہ ہوا چھوڑ رکھا تھا لیکن اس پیشے سے تعلق رکھنے والے اور شہر کے دوسرے جرائم پیشہ لوگ اب بھی کبھی کبھی چاند چچا کے پاس آ کر بیٹھا کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی شیر خان کو نہیں جانتا تھا۔ چاند چچا نے شیر خان کا سب سے یہی کہہ کر تعارف کرایا کہ یہ میرا دوست شیرا ہے اور لدھیانے سے مجھے ملنے آیا ہے۔ کسی شخص نے بھی شیر خان میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی نہیں لی تھی۔ ان میں دھنی رام ایک بدمعاش ٹائپ کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ چاند چچا نے اس کی ڈیوٹی لگائی کہ شہر کے جتنے بدمعاشوں اور جرائم پیشہ افراد کے اڈے ہیں ان کا چکر لگائے اور معلوم کرے کہ لنکا سے کسی کے ہاں کوئی مہمان آیا ہوا ہے کہ نہیں۔

پہلی قسط میں ہم نے شہاب کو وہاں چھوڑا تھا جہاں وہ اپنے ساتھی ارجنا کو یہ کہہ کر کولمبو سے روانہ ہوا تھا کہ وہ ایک ضروری سودا طے کرنے ہانگ کانگ جا رہا ہے دراصل وہ شیرنی کی لنکا میں موجودگی کے ڈر سے گھبرا کر کلکتے اپنے ایک خاص بدمعاش اور کلکتے کے بدنام اور ہسٹری شیٹر بدمعاش بھاشو کے پاس جا رہا تھا۔ شہاب کو یہ خبر نہیں تھی کہ شیرنی بھی لنکا سے مدراس اور وہاں سے جموں شہر کی طرف روانہ ہو چکی ہے۔ اس پر شیرنی کا خوف بیٹھ گیا تھا۔ وہ شیر خان سے زیادہ شیرنی سے خوف زدہ تھا۔ شیرنی کے ہاتھوں اپنے کئی آدمیوں کے قتل کے بعد شہاب کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ شیرنی کا پنجہ اس کی گردن پر پڑنے ہی والا ہے اس کے اعصاب اور اس کا ذہن جواب دے چکے تھے۔ ایسے میں اس کی مدد کرنے والا اور اسے حوصلہ دینے والا اس کا ساتھی فیروز بھی نہیں تھا۔ چنانچہ شہاب نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ کچھ دنوں کے لیے ان سب جھنجھٹوں سے الگ ہو جائے اور کلکتہ اپنے دوست بھاشو کے پاس کچھ دن رہ آئے۔ وہاں بیٹھ کر وہ اپنے طور پر شیر خان اور خاص طور پر اس کی بیٹی عائشہ شیرنی کو اپنے راستے سے ہمیشہ کے لیے ہٹانے کے بارے میں کوئی نیا پلان بھی تیار کر سکے گا۔

چاند چچا کلکتے میں شہاب کی کھوج پر لگا دیا اور خود بھی شہر کے بدنام اڈوں کے چکر لگانے لگا۔ ایک روز وہ بھاشو کے اڈے پر بھی جا پہنچا۔

بھاشو چاند چچا کو جانتا تھا۔ اس وقت شہاب بھاشو کے ساتھ اندر بیٹھا چائے پیتے ہوئے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے بھی اپنے جگری دوست بھاشو کو سب کچھ بتا دیا تھا کہ شیر خان اور اس کی بیٹی اسے قتل کرنے کے واسطے اس کے پیچھے لگے ہیں اور اس پر کئی قاتلانہ حملے بھی ہو چکے ہیں۔ اس کے جواب میں بھاشو نے شہاب کو یہ کہہ کر تسلی دی تھی کہ یہاں شیر خان کا باپ بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگر آیا بھی تو اس کی لاش کے ٹکڑے کر کے دریائے ہگلی میں پھینکوا دوں گا۔ جب شہاب نے چاند چچا کو بھاشو کے اڈے میں داخل ہوتے کھڑکی میں

سے دیکھا تو بھاشو کے منہ پر فوراً ہاتھ رکھ دیا اور آہستہ سے کہا۔

"بھاشو چاند چچا کو پتہ نہ چلے کہ میں یہاں پر ہوں۔ مجھے دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔" بھاشو نے مسکرا کر کہا۔

"ابھی پتہ کر لیتا ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔" بھاشو کمرے سے باہر نکل کر چاند چچا سے ملا اور پوچھا۔

"کہو چچا آج ادھر کیسے آنا ہوا۔ تم تو اب شریف آدمی بن گئے ہو۔ یہ بدمعاشوں کے ڈیرے پر کس لیے آ گئے؟" چاند چچا لوہے کی کالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ بیڑی نکال کر سلگائی اور بولا۔

"ارے بھاشو میاں۔ چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا چچا۔ کیا پھر سے پرانا دھندا شروع کرنے کا ارادہ ہے۔"

بھاشو چاند چچا کے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ چاند چچا کہنے لگا۔

"بھاشو میاں! بیڑی تمباکو کے کاروبار میں کچھ نہیں بچتا۔ سارا منافع اوپر بیٹھے ہوئے بڑے بڑے سیٹھ لے جاتے ہیں بک بک زیادہ ہے۔" بھاشو نے ہنس کر کہا "چاند چچا اب تو یہی کام تمہارے لیے اچھا ہے۔" چاند چچا تو شہاب کی سونگھ لینے آیا ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

"بھاشو! وہ دن بڑے اچھے تھے جب میں لنکا میں شہاب' فیروز کے ڈیرے پر کام کیا کرتا تھا۔ ہر وقت جیبوں میں نوٹ رہتے تھے۔ کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ شہاب فیروز کے پاس واپس چلا جاؤں۔" بھاشو نے کہا۔

"چچا! اب تمہاری وہ عمر نہیں ہے۔ جہاں بیٹھے ہو بس وہیں بیٹھے رہو۔ اب تو تم چھاپہ پڑنے پر بھاگ بھی نہیں سکو گے۔" چاند چچا ہنس کر کہنے لگا۔

"ہاں میاں! یہی سوچ کر چپ ہو رہتا ہوں۔ ویسے بھاشو شہاب' فیروز تمہارے گہرے یار ہیں۔ ان سے کہہ کر مجھے کلکتے میں کوئی چھوٹا سا ٹھیکہ دلا دو۔"

شہاب کمرے میں ادھ کھلی کھڑکی سے لگا چاند چچا کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ چاند خاص طور پر اس کا ذکر کیوں لے آیا ہے۔ بھاشو بولا۔

"چچا! یہ کام تو میں بھی تمہیں دے سکتا ہوں مگر تم سے ہو گا نہیں۔ اسے بھوں جاؤ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بیڑی تمباکو میں ہی لگے رہو۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو بھاشو میاں۔" یہ کہہ کر چاند چچا خاموشی سے بیڑی کے کش لگانے لگا۔ شہاب نے کھڑکی کی جھری میں سے دیکھا کہ چاند چچا بڑی مشتبہ نظروں سے اڈے کے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔

"سنا تھا کہ شہاب اور فیروز کلکتے آنے والے ہیں۔ پر ان سے ملاقات تو نہیں ہوئی کیا تمہارے پاس آئے تھے۔" بھاشو ذرا سا چونکا۔ پھر فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال کر بولا۔

"ان کا بڑا کاروبار ہے وہاں۔ کہاں فرصت ملتی ہے ان لوگوں کو ادھر آنے کی۔" چاند اٹھنے لگا تو بھاشو نے اسے تاڑی شراب سے بھرا ہوا گلاس پیش کیا۔" چچا میں تو اس وقت یہی خاطر کر سکتا ہوں۔" چاند چچا نے ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھاشو! یہ چیزیں میں نے چھوڑ دی ہیں اب دوبارہ ان میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اچھا چلتا ہوں۔ آج تم سے ملنے کو بڑا دل چاہ رہا تھا۔ مل لیا۔ دل خوش ہو گیا۔" بھاشو مسکراتا رہا۔ چاند چچا چلا گیا تو شہاب کمرے میں آ گیا۔ شہاب کچھ پریشان پریشان تھا کہنے لگا۔

"بھاشو! مجھے شک ہے۔"

"کس بات کا؟" بھاشو نے پوچھا شہاب بولا۔

"چاند چچا میری کھوج میں یہاں آیا تھا۔" بھاشو گردن کو اثبات میں ہلانے لگا۔

"مگر شہابو تم پیچھے تو سب کو یہی بتا کر آئے ہو کہ تم ہانگ کانگ جا رہے ہو۔ چاند کو یہاں کا کیسے پتا چل گیا؟"

"یہی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ بہرحال تم اپنا ایک آدمی اس کے پیچھے لگا دو جو اس کی مکان کی نگرانی کرے اصل بات کیا ہے؟" بھاشو دلیر ٹائپ بدمعاش تھا۔ کہنے لگا۔

"تم تو خواہ مخواہ گھبرا رہے ہو۔ کیا بات ہے شہابو؟ واقعی تم اس شیر خان کی بیٹی سے اتنا زیادہ خوف زدہ ہو؟ ارے اسے یہاں آنے تو دو۔ وہ آخر عورت ہے یار۔"

شہاب کو دل میں کچھ شرمندگی سی ہوئی۔ واقعی وہ شیرنی سے کچھ زیادہ ہی ڈرنے لگا تھا۔ آخر ایسی بھی کیا بات ہے۔ اگر یہاں اس کا آمنا سامنا بھی ہو گیا تو وہ اس بار بچ کر نہیں جا سکے گی۔ شہاب نے بھاشو سے کہا۔ "لاؤ یار تازہ تاڑی کا ایک گلاس پلاؤ حلق

خشک ہو رہا ہے۔" بھاشو ہنس کر بولا۔

"یہ بات ہوئی نا۔"

چاند چچا جب اپنی دکان پر پہنچا تو شیر خان اس کے پیچھے والی کوٹھری میں چارپائی پر لیٹا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ شیر خان کے پوچھنے پر چاند چچا مونڈے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے شہاب بھاشو کے ڈیرے پر نہیں ہے۔" شیر خان نے کہا۔

"تم نے اچھی طرح پوچھ گچھ کی تھی نا؟"

"ارے شیر خان تم مجھے بچہ سمجھتے ہو۔" چاند چچا نے بیڑی کا کش لگاتے ہوئے کہا۔ "میں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں بھاشو کی دیواروں تک کا ایکس رے کر کے دیکھ لیا تھا۔ شہاب ابھی تک وہاں نہیں پہنچا۔ ہو سکتا ہے وہ کسی دوسری جگہ اترا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی ہوٹل میں ٹھہر گیا ہو۔" تب شیر خان بیٹی کے بارے میں فکر مند ہوا کہنے لگا۔

"عائشہ کی بھی کوئی خبر نہیں۔ صرف اتنا معلوم ہوا ہے کہ انڈیا میں ہی ہے۔ کس شہر میں ہے؟ کچھ معلوم نہیں۔" پھر وہ سرد آہ بھر کر رہ گیا۔ چاند چچا نے کہا۔

"شیر خان! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ لڑکی تمہاری بیٹی ہے اور جیسا کہ تم نے مجھے اس کے بارے میں بتایا ہے وہ ایک دلیر لڑکی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مردانہ لباس میں تمہاری تلاش میں ہو؟" شیر خان بے چینی سے کہنے لگا۔

"یہی تو بات مجھے بے چین کرتی ہے کہ عائشہ میری تلاش میں دربدر ہو رہی ہے اور میں یہاں بیٹھا ہوں۔ پھر ایک لمحے کے لیے خاموش رہنے کے بعد بولا" لیکن میں شہاب کو قتل کیے بغیر اس سے اپنی بے عزتی اپنی بیٹی کے اغوا کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتا۔ چاند چچا! جس طرح بھی ہو سکے شہاب کا سراغ لگاؤ۔ اس کا پتہ چلاؤ۔ وہ ضرور کلکتے میں ہی ہے۔ یہ مجھے اس کے خاص آدمی نے بتایا ہے۔ یہ اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔" چاند چچا نے شیر خان کو تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

"شیر بابو! میں اتنا جانتا ہوں کہ اگر شہاب اس کلکتہ شہر میں ہی ہے تو وہ میرے آدمیوں سے چھپ نہیں سکتا۔ ایک دو دن کے اندر اندر تمہیں اس کا سراغ لگا کر بتا دوں گا۔ پھر تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے ساتھ جو چاہے سلوک کرنا۔ لیکن مجھے ایک دو دن تو دے دو۔"

اتنے میں لڑکا چائے کے گلاس لے آیا۔ دونوں چائے پینے لگے۔ شیر خان نے پوچھا۔

"یہاں جو طوائفوں کا علاقہ ہے وہاں دیکھ لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہ کہیں گانا سننے آجائے۔ میں خود اس لیے باہر جانے سے کتراتا ہوں کہ اگر شہاب کو میری بھنک بھی پڑ گئی تو یقین کرو وہ یہاں سے کسی دوسری جگہ فرار ہو جائے گا اور پھر میرے لیے اسے ڈھونڈنا مشکل ہو جائے گا۔" چاند چچا نے کہا۔

"اس کا بھی بندوبست کر دوں گا۔ بلکہ رات کو میں خود یہاں کی سونا گاچی کا چکر لگاؤں گا۔ ساری گانے والیاں مجھے جانتی ہیں۔ ایک دو ایسی ہیں جن پر میں بھروسہ کر سکتا ہوں۔ انہیں شہاب کا حلیہ بتا دوں گا۔"

ایک دن چھوڑ کر چاند چچا کلکتہ کی ہیرا منڈی سونا گاچی کے علاقے کی طرف نکل گیا۔ ابھی شروع رات تھی اور بیٹھکوں میں گانے بجانے کی محفلیں سجانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ چاند چچا شوبھا نام کی ایک نائیکہ کے کوٹھے پر آگیا۔ نائیکہ نے چاند چچا کو دیکھا تو بڑے خاص انداز سے مسکراتے ہوئے بولی۔

آج پرانا چاند کدھر سے نکل آیا؟"

چاند چچا اس کے پاس بیٹھ گیا۔ شوبھا نائیکہ نے اسے پان بنا کر پیش کیا۔ چاند چچا نے دو چار ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد کہا۔

"شوبھا میں تمہارے پاس ایک خاص کام سے آیا ہوں۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ بات تمہارے اور میرے درمیان ہی رہنی چاہیے۔"

شوبھا نے پان دان بند کر کے ایک طرف کھسکایا اور لڑکے کو آواز دے کر کہا کہ بائی سے کہو جلدی جلدی سنگھار کرے گانے کا ٹائم ہو رہا ہے۔ پھر چاند چچا کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"چچا! تم سے زیادہ کون جانتا ہے کہ ہم لوگ رازوں کو اپنے سینے میں کیسے دفن کر دیتے ہیں اور پھر تم تو ہمارے پرانے دوست ہو۔ بات کرو۔ بات کیا ہے؟"

چاند میاں نے شہاب کا پورا حلیہ بیان کرنے کے بعد کہا۔

"کیا اس شکل کا کوئی تماش بین پچھلے دنوں تمہارے کوٹھے پر آیا ہے؟ اگر نہیں آیا تو خیال رکھنا جب وہ آئے تو اس سے یہ کسی طرح معلوم کرنا کہ وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ بس اس کے بعد تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔" شوبھا نائیکہ زیر لب ہنس رہی تھی۔ جب چاند چچا نے اپنی بات ختم کی تو اس نے چاند چچا کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا اور بولی۔

"اگر میں تمہیں بتا دوں کہ اس حلیئے کا آدمی کل رات ہی میرے ہاں گانا سننے آیا تھا تو مجھے کیا انعام دو گے؟" چاند چچا اچھل سا پڑا۔

"تم کو یقین ہے کہ وہ اسی حلیئے کا آدمی تھا؟ وہ کس کے ساتھ آیا تھا؟" شوبھا نائیکہ نے کہا۔

"بھاشو بابو کے ساتھ آیا تھا۔" بھاشو کے نام سے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ وہ شہاب کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ چاند چچا نے پوچھا۔

"وہ پھر کب آئے گا؟" شوبھا نے کہا۔

"ہو سکتا ہے وہ آج ہی رات کو آجائے یا کل آئے۔ مگر آئے گا رات کو گیارہ بجے کے بعد جب بازار کی رونقیں مدھم پڑنے لگتی ہیں اور لوگوں کی آمد و رفت کم ہو جاتی ہے۔ مگر بات کیا ہے؟ کہیں کسی کا خون تو نہیں کروا رہے ہو چاند چچا؟" چاند چچا نے نفی میں سر ہلایا۔

"اری نہیں پگلی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اصل قصہ یہ ہے کہ یہ شخص میرے ایک دوست کی رقم لے کر بھاگا ہوا ہے۔ اب وہ میرا دوست اس کی تلاش میں ہے تاکہ اس سے رقم واپس لی جائے۔ بس اتنا سا قصہ ہے۔" شوبھا نائیکہ نے کان پر ہاتھ لگا کر کہا۔

"نا بابا! میرے کوٹھے پر کوئی دنگا فساد نہ ہو میں نے یونہی تمہیں بتا دیا؟" چاند چچا نے جھٹ کہا۔

"تمہارے کوٹھے پر تو کسی کو آنا ہی نہیں ہے تم تو صرف اتنا کرو کہ اس کے بارے میں یہ پتہ کر کے مجھے بتاؤ کہ وہ بھاشو کے ڈیرے پر ہی ٹھہرا ہوا ہے یا کسی ہوٹل میں ٹھہرا ہے۔ اگر ہوٹل میں ٹھہرا ہے تو اس ہوٹل کا نام کیا ہے۔ میرا دوست اپنے آپ اس ہوٹل میں پہنچ جائے گا تاکہ اس سے اپنی رقم واپس لے سکے۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔" شوبھا بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ میں تمہیں پتہ کر دوں گی۔ تم پرسوں میرے پاس آجانا۔" چاند چچا شوبھا کا شکریہ ادا کر کے واپس آگیا۔ ساری بات اس نے شیر خان کو بتا دی۔ وہ بڑا خوش ہوا کہ شہاب کلکتے میں آچکا ہے وہ اسی رات بھاشو کے ڈیرے پر جا کر شہاب کا کام تمام کر دینا چاہتا تھا مگر چاند چچا نے اسے روک دیا۔

"خواہ مخواہ کہیں الٹے خود نہ پھنس جانا۔ بھاشو نے تو پولیس کو بھی اپنے ساتھ ملایا ہوا ہے اور اس کے ڈیرے پر دن رات خفیہ پہرہ لگا رہتا ہے پھر اس کا بھی یقین نہیں کہ رات کو شہاب بھاشو کے پاس ہی ہوتا ہے۔ ایک دن صبر کر لو پرسوں شوبھا سے سب پتا چل جائے گا کہ تمہارا دشمن رات کو کہاں سوتا ہے۔" شیر خان کو اس دلیل نے خاموش کر دیا اس نے چاند چچا سے کہا۔

"چچا! مجھے کہیں سے پستول لا کر دے سکتے ہو؟" چاند چچا بولا۔

"کبھی پستولیں بندوقیں چلایا کرتے تھے۔ اب تو بیڑی تمباکو بناتا ہوں۔ ویسے تمہیں سونا گاچی میں ایک آدمی کا پتا بتا دوں گا۔ وہاں سے تم پستول وغیرہ خرید سکو گے۔"

چاند چچا کو معلوم تھا کہ شیر خان شہاب کو قتل کرنے والا ہے اور وہ آلہ قتل مہیا کر کے خود کو اس قتل میں ملوث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس بارے میں بھی اس نے شیر خان سے وعدہ لے لیا ہوا تھا۔ کہ وہ شہاب کے قتل کے بعد وہاں سے چلا جائے گا اور اگر بدقسمتی سے پکڑا گیا تو وہ چاند چچا کا نام کہیں بھی نہیں لے گا۔ شیر خان بھی سمجھ گیا کہ چچا خود پستول لا کر نہیں دینا چاہتا اس کے پاس رقم کی کمی نہیں تھی۔ دوسرے ہی دن شیر خان سونا گاچی گیا اور چاند چچا کے بتائے ہوئے اڈے سے ایک ریوالور اور گولیاں خرید کر لے آیا۔ یہ چرایا ہوا ریوالور تھا اور بڑی اچھی حالت میں تھا۔ شیر خان نے اس کو آدھا دن لگا کر صاف کیا۔ اسے تیل وغیرہ دیا اور اس میں گولیاں بھر کر رکھ لیا۔ ایک دن کے بعد شام کو چاند چچا نائیکہ شوبھا کے پاس پہنچ گیا۔ شوبھا نے کہا۔

"چچا! آدمی تو وہی ہے۔ گورا چٹا ہے ادھر کا نہیں ہے۔ پنجاب کا ہے۔ بھاشو کہہ رہا تھا کہ مجھے تو اس کا نام بھی معلوم نہیں۔ میرا یہیں سونا گاچی میں دوست بنا ہے مجھے نہیں معلوم کہ کہاں رہ رہا ہے۔ اس تمہارے آدمی نے بھی اپنا ٹھکانہ نہیں بتایا۔ اب باقی تم خود

معلوم کر لو۔ اس سے زیادہ میں سراغ رسانی نہیں کر سکتی۔ آخر وہ ہمارے کوٹھے پر گانا سننے آتا ہے۔ یہ بھی میں نے تمہاری خاطر کیا ہے۔"

چاند چچا نے واپس آکر شیر خان کو بتایا کہ شہاب کا اصل ٹھکانہ معلوم نہیں ہو سکا۔ ساری بات سن کر شیر خان نے کہا۔

"کوئی بات نہیں چچا۔ میں خود پتا کر لوں گا۔" چاند چچا نے احتیاط کے طور پر شیر خان کو ایک بار پھر اس کا وعدہ یاد دلا دیا۔ شیر خان بولا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو چچا۔ میرا کام ہو گیا تو میں وہاں سے سیدھا ریلوے اسٹیشن جاؤں گا اور کسی بھی ریل گاڑی میں بیٹھ کر یہاں سے نکل جاؤں گا۔"

شیر خان نے یہی فیصلہ کیا کہ دشمن کو کلکتے کی ہیرا منڈی میں ہی پکڑا جائے چنانچہ اس سے اگلی رات کو ریوالور جیب میں چھپا کر کلکتے کی ہیرا منڈی یعنی سوناگاچی کی طرف چل پڑا۔ چاند چچا سے اس نے شوبھا نائیکہ کے کوٹھے کا پتہ معلوم کر لیا تھا۔ یہ بھی اسے بتا دیا گیا تھا کہ بھاشو کے ساتھ شہاب عام طور پر آدھی رات کے بعد وہاں گانا سننے آتا ہے۔ شیر خان آدھی رات سے کچھ پہلے ہی وہاں پہنچ گیا اور شوبھا نائیکہ کے مکان کے آس پاس منڈلانے لگا۔ شیر خان نکڑ والے بنگالی پنواڑی کی دکان پر آیا اور سگریٹ خرید کر وہیں کھڑے ہو کر کش لگانے لگا۔ بنگالی پنواڑی پہلے بھی شیر خان کو ادھر ادھر منڈلاتے دیکھ چکا تھا۔ اس نے پوچھا۔

"بابو موشا کی بات ہے۔ تم کس کو کھوج رہے ہو؟" شیر خان جانتا تھا کہ پنواڑی اس سے یہی سوال پوچھے گا۔ وہ جان بوجھ کر وہاں آیا تھا تاکہ اسی سے شہاب اور بھاشو بابو کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ اس نے کہا۔

"دادا! ہمارا ایک یار سنا ہے ادھر آیا ہوا ہے ہمیں اس کا ٹھکانہ معلوم نہیں۔ کسی نے کہا کہ وہ سوناگاچی گانا سننے آتا ہے۔ اپنے دوست سے ملاقات ہی نہیں ہو رہی۔"

"کون ہے وہ بابو موشائے۔" پنواڑی نے پوچھا شیر خان کہنے لگا۔

"سنا ہے وہ بھاشو دادا کے ساتھ یہاں آتا ہے رات کو گانا سننے۔ گورا چٹا ہے۔ بنگالی نہیں ہے پنجابی ہے۔ چھوٹی چھوٹی مونچھیں بھی ہیں؟" پنواڑی سمجھ گیا۔ اس سے پہلے پنواڑی نے بھاشو بدمعاش کے ہمراہ ایک ایسی ہی شکل صورت والے گورے سے ادھیڑ عمر کے مگر مضبوط جسم والے آدمی کو شوبھا کے کوٹھے پر جاتے دیکھا تھا۔ پنواڑی بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بابو میں سمجھ گیا۔ تم جس کی بات کر رہے ہو وہ رات کے تین بجے شوبھا بائی کے کوٹھے پر آتا ہے لیکن آج شاید وہ نہ آئے۔"

"کیوں؟ آج کیا بات ہے؟" شیر خان نے پوچھا۔ پنواڑی بولا۔ "بھاشو دادا کل رات بھی اسے ساتھ لے کر دھومل کے جوا خانے لے گیا تھا۔ مجھے خبر ملی ہے کہ آج بھی وہ دونوں وہیں پر ہیں" پھر ہنس کر بولا۔ "ہمیں ایک ایک کی خبر رکھنی پڑتی ہے بابو۔ یہ بازار ہی ایسا ہے۔ میں تو تم پر بھی برابر نگاہ رکھے ہوئے تھا" شیر خان نے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر پنواڑی کی مٹھی میں تھمایا اور پوچھا۔

"کیا تم مجھے دھومل کے جوا خانے کا ایڈریس بتا سکتے ہو؟ میرا اپنے دوست سے ملنا بڑا ضروری ہے۔" پنواڑی بڑا خوش ہو گیا۔ اسی وقت ایک لونڈے کو آواز دی۔ ایک آٹھ دس سال کا بنگالی لڑکا آ گیا۔ پنواڑی نے کہا۔

"ابے رامی! یہ ہمارے مہمان ہیں۔ انہیں دھومل کے اڈے پر لے جا۔"

"چلو بابو" اور رامی آگے آگے چل پڑا۔ شیر خان نے پوچھا۔

"کتنی دور ہو گا دھومل کا ڈیرا رامی یار؟" بنگالی لڑکے نے چٹکی بجا کر کہا۔

"ارے بابو اگلی گلی میں ہے اور کہاں ہو گا؟" دھومل کے اڈے پر جوا ہو رہا تھا۔ اڈے کا دروازہ بند تھا۔ باہر ایک غنڈہ اسٹول پر بیٹھا بیڑی پیتے ہوئے پہرہ دے رہا تھا۔ دو سپاہی ادھر ادھر ٹہل رہے تھے مگر انہیں رات کو جوا ختم ہونے کے بعد اپنا حصہ مل جاتا تھا اس لیے اب وہ دھومل کے جوا خانے کی حفاظت کے لیے وہاں ہوتے تھے کہ باہر سے کوئی جواری آ کر کوئی لڑائی جھگڑا نہ کرے۔

بنگالی لڑکا شیر خان کو دور سے جوئے خانے کا دروازہ دکھا کر واپس چل دیا۔ شیر خان اس غنڈے کے پاس آیا جو اسٹول پر بیٹھا تھا۔ وہ گھور کر شیر خان کو تکنے لگا۔ شیر خان کے گورے چٹے رنگ اور قد کاٹھ نے اسے ضرور متاثر کیا تھا۔ مگر اسے آرڈر تھا کہ کسی غیر آدمی کو اندر نہ آنے دے۔ شیر خان نے کہا۔

"بھائی! میرا ایک جگری یار اندر ہے۔ میں بڑی دور پنجاب سے اسے ملنے یہاں آیا ہوں۔ مجھے اس کے پاس لے چل۔ تیری مہربانی ہو گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہریدار غنڈہ انکار کرنے ہی لگا تھا کہ شیر خان نے جیب سے سو سو روپے کے چار نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے اور کہا "اس وقت میں تیری بس اتنی ہی خدمت کر سکتا ہوں۔" غنڈے نے جلدی سے نوٹ اپنی پتلون کی جیب میں ٹھونسے اور کہا۔

"کیا نام ہے اس کا میں اسے باہر بلائے دیتا ہوں۔ تم اندر نہیں جا سکتے تم مجھے اپنا نام بھی بتا دو۔" معاملہ خراب ہو گیا تھا۔ شیر خان جانتا تھا۔ اس آدمی نے اندر جا کر جب شہاب کو میرا حلیہ بتایا تو وہ باہر نہیں نکلے گا اور ممکن ہے دوسرے دروازے سے فرار بھی ہو جائے گا شیر خان نے مزید ایک سو روپیہ نکال کر غنڈے کو تھما دیا اور کہا۔

"تیری مہربانی ہو گی۔ مجھے خود ہی اندر جانے دے۔ شاید میں بھی دو ایک داؤ لگا لوں۔ میں کوئی اجنبی نہیں ہوں۔ پنجاب میں بڑا بڑا جوا کھیلا ہے۔" پہریدار غنڈہ مزید ایک سو روپیہ لے کر کچھ زیر بار سا ہو گیا اٹھا اور بولا۔

"میرے پیچھے پیچھے آجاؤ۔" جوا خانے کا ایک پچھلا دروازہ بھی تھا جو اندر سے بند تھا۔ اس نے دستک دی۔ اندر سے کسی نے بنگلہ میں کرخت آواز میں پوچھا "کون ہے۔" پہریدار غنڈے نے جواب میں اپنا نام لیا اور کہا "تھوڑی دیر کو کھول دروازہ ایک بندے کو اندر بٹھانا ہے۔" ان لوگوں کا شاید آپس میں معاملہ طے تھا اور وہ پیسے لے کر جواریوں کو پچھلے دروازے سے اندر دھکیل دیا کرتے تھے۔ چنانچہ کنڈی کھل گئی۔ دروازے کا ایک پٹ تھوڑا سا کھلا۔ اندر جوا خانے کی روشنی آوازیں اور سگریٹوں کا دھواں باہر کو نکلا اور ایک بنگالی نے شیر خان کو بازو سے پکڑ کر اندر کھینچا اور دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔

"ادھر پیچھے ہو کر بیٹھ جاؤ۔ ابھی داؤ مت لگانا۔" شیر خان نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" اور جہاں کچھ آدمی جھک کر جوا ہوتے دیکھ رہے تھے ان کے پیچھے ایک طرف ہو کر صف پر بیٹھ گیا۔ فضا سگریٹ شراب اور پان کی ملی جلی بو سے بوجھل ہو رہی تھی۔ سو کا بلب، چھت کے ساتھ تار سے لٹکا روشن تھا۔ یہاں جوا زمین پر ہو رہا تھا۔ جوا کھیلنے والے صف پر بیٹھے تھے اور پندرہ بیس آدمی دائرے کی شکل میں انہیں گھیرے ہوئے تھے اور ان پر جھکے ہوئے بھی تھے جس کی وجہ سے جوا کھیلنے والے شیر خان کی نظروں سے اوجھل تھے۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور پر اپنی گرفت مضبوط کی آہستہ سے اٹھ

کر آگے آیا۔ دو چار آدمیوں کو دھکیل کر پیچھے کیا۔ جونہی نیچے نگاہ ڈالی تو صف پر شہاب بیٹھا دانہ پھینک رہا تھا۔ نوٹوں کی دو گڈیاں پاس ہی رکھی تھیں۔ ایک بنگالی اس کے ساتھ بیٹھا تھا جو یقیناً بھاشو ہی تھا۔ شہاب کو اپنے دشمن کو اتنا قریب دیکھ کر شیر خان کا خون کھول اٹھا۔ اس نے بڑے اطمینان سے ریوالور جیب سے نکالا اور اس کی نالی شہاب کی گردن کے ساتھ لگا دی۔ شہاب نے ہڑبڑا کر اوپر چہرہ اٹھایا۔ جونہی سامنے شیر خان پر نظر پڑی تو اس کا رنگ فق ہو گیا۔ شیر خان نے شہاب کو گردن سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور کہا۔

"آخر موت نے تمہیں تلاش کر ہی لیا۔"

جوئے خانے میں بھگدڑ سی مچ گئی۔ سب جان گئے کہ یہاں خون خرابہ ہونے والا ہے۔ بھاشو نے بھی شیر خان کو پہچان لیا۔ جوئے خانے کے مالک دھومل نے یہ منظر دیکھا تو چلا کر کہا۔

"خبردار! یہاں خون نہ کرنا۔" شیر خان کے ریوالور کی نالی شہاب کی گردن کے ساتھ لگی تھی۔ شہاب نے کہا۔

"شیر خان! تم ایک نہتے آدمی پر گولی چلاؤ گے تم سے میں یہ امید نہیں کر سکتا۔"

شیر خان پر یہ جملہ اثر کر گیا۔ اس نے شہاب کو لات مار کر سامنے والی دیوار کی طرف گرایا۔ ریوالور جیب میں ڈالا اور دوسری جیب سے چاقو نکال کر کھولا اور شہاب سے کہا۔

"میں جانتا ہوں تمہارے پاس ایک چاقو ضرور ہوتا ہے۔ نکالو چاقو۔ مرنے سے پہلے تمہاری یہ حسرت بھی پوری کر دوں کہ میں نے ایک نہتے کو قتل نہیں کیا۔"

بھاشو نے بیچ میں پڑنے کی کوشش کی تو شیر خان نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ایسا زبردست الٹا ہاتھ مارا کہ وہ پیچھے کی طرف گر پڑا۔ اسی دوران شہاب بھی چاقو نکال کر کھول چکا تھا۔ دھومل پولیس کو بلانے دروازے کی طرف بڑھا۔ شیر خان نے اس پر فائر کیا۔ شہاب نے لپک کر شیر خان کی پسلیوں میں چاقو گھونپنے کی کوشش کی جسے شیر خان نے ایک طرف اچھل کر ناکام بنا دیا۔ جو لوگ باہر کو دوڑے تھے انہوں نے پولیس کو خبر کر دی کہ اندر خون خرابہ ہونے والا ہے۔ شیر خان کو باہر پولیس کی سیٹیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ ایسا موقع اسے دوبارہ نہیں مل سکتا تھا۔ اس کا دشمن اس کی عزت اور غیرت کا دشمن اس

کے سامنے تھا۔ شیر خان نے پوری طاقت سے لات شہاب کے پیٹ پر ماری۔ وہ پیٹ پکڑ کر جھکا ہی تھا کہ شیر خان نے چاقو کا آدھے سے زیادہ پھل شہاب کی گردن میں گھونپ دیا۔ چاقو زور سے باہر نکالا۔ دوسرا وار کمر پر کیا۔ خون ابل کر شیر خان کے اوپر گرا۔ بھاشو دھول ڈر کر دروازے کی طرف دوڑے۔ دروازہ کھولا اور پولیس پولیس کی آوازیں لگاتے چوک میں آگئے۔ پولیس ابھی تک محض سیٹیاں بجا رہی تھی۔ وہ قتل کا خونی کھیل ختم ہونے کے بعد جوئے خانے میں آنا چاہتی تھی۔ ایک جواری نے کانسٹیبل سے کہا۔

"ارے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ میرے بیٹھک کی سخت بدنامی ہو گی۔ قاتل کو پکڑو۔ اس نے بھاشو کے دوست کا خون کر دیا ہے۔"

شیر خان نے گرتے ہوئے شہاب کی پیٹھ پر چاقو کے مزید وار کئے۔ چاقو اس کی پیٹھ میں ہی چھوڑا اور دروازے کی طرف دوڑا۔ وہ جان بچا کر وہاں سے فرار ہونا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے ابھی زندہ رہنا تھا۔ اپنی بیٹی کو ملنے اور اسے یہ خوش خبری سنانے کے لیے زندہ رہنا تھا کہ اس نے شہاب سے اس کی بے عزتی کا بدلہ لے لیا ہے۔ مگر باہر پولیس پوری طرح چوکس ہو چکی تھی۔ وہ دھومل جوئے خانے کے مالک سے ماہانہ لیتی تھی اور جب دھومل کے ساتھی نے کہا کہ قاتل کو ہر حالت میں پکڑنا ہے تو وہاں دوسرے پولیس والے بھی آگئے۔ جونہی شیر خان باہر نکلا ساتھ آٹھ رائفلوں کی نالیاں اس کی طرف اٹھ گئیں بھاشو گھبرایا ہوا جوئے خانے میں گیا پھر فوراً ہی باہر نکل کر چیخ پڑا۔

"اس نے شہاب کو قتل کر دیا ہے۔" بنگالی تھانیدار نے پستول دکھا کر شیر خان سے کہا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا لو۔ بھاگنے کی کوشش کی تو یہ ساتوں کی ساتوں رائفلیں تم پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دیں گی۔"

شیر خان کا دل مطمئن تھا۔ اس نے اپنی بے عزتی کا بدلہ لے لیا تھا۔ وہ ابھی مرنا نہیں چاہتا تھا۔ گرفتار ہونے کی صورت میں جیل سے فرار کا چانس موجود تھا جب کہ اس وقت فرار ہونے کی صورت میں اس کا جسم گولیوں سے چھلنی ہو سکتا تھا۔ شیر خان نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ پولیس نے اسی وقت شیر خان کے ہاتھ پیچھے کر کے ہتھکڑی لگا دی۔ تلاشی کے بعد شیر خان کی جیب سے ریوالور بھی برآمد کر کے پولیس نے اپنے قبضے میں لے لیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پولیس کی جیپ بھی وہاں آگئی۔ اسی وقت شیر خان کو جیپ میں بٹھایا اور پولیس اسے تیزی سے تھانے کی طرف لے گئی۔

شیر خان نے جوئے خانے سے نکلنے سے پہلے اس امر کا اطمینان کر لیا تھا کہ شہاب مر چکا ہے۔ وہ بڑے سکون سے جیپ میں بیٹھا تھا۔ اتنا افسوس اسے ضرور تھا کہ شہاب کو قتل کرنے کے بعد وہ وہاں سے فرار نہیں ہو سکا تھا لیکن اس نے دل میں ٹھان رکھی تھی کہ وہ بہت جلد فرار ہو جائے گا۔ اس وقت اگر شیر خان کو کوئی ملال تھا تو صرف اتنا کہ وہ اپنی بیٹی سے نہ مل سکا تھا۔ شیر خان کو تھانے کی حوالات میں بند کر کے باہر سخت پہرہ لگا دیا گیا۔ قتل کے عینی گواہ موجود تھے۔ آلہ قتل بھی برآمد ہو گیا تھا۔ چاقو پر شیر خان کی انگلیوں کے نشان بھی تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شیر خان نے قتل کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔ دوسرے ہی دن پولیس نے قتل کی ایف آئی آر بھر کر شیر خان کو مقامی عدالت میں پیش کر کے پانچ دن کا ریمانڈ لے لیا۔ عدالت نے ریمانڈ کی وجہ دریافت کی تو ایس پی نے کہا۔

"ملزم پر ہمیں شک ہے کہ وہ پاکستان کا جاسوس ہے۔ پولیس اس سے اسی سلسلے میں مزید پوچھ گچھ کرنا چاہتی ہے۔"

عدالت نے پولیس کو پانچ دن کا ریمانڈ دے دیا۔ یہ پانچ دن شیر خان پر عذاب کے دن تھے۔ اسے ہر طرح کی اذیت دی گئی کہ کسی طرح سے وہ اعتراف کر لے کہ وہ پاکستان کا جاسوس ہے اور انڈیا میں تخریب کاری کی نیت سے آیا تھا۔ مگر شیر خان یہی کہتا رہا کہ وہ لنکا میں اسمگلنگ کا دھندا کرتا ہے اور کلکتے اپنے دشمن شہاب کو قتل کرنے آیا تھا۔ اس نے پولیس کے سامنے چاند چچا کا بھی نام نہ لیا۔ یہی کہا کہ وہ دو دن ریلوے اسٹیشن پر سوتا رہا تھا۔ پولیس نے عدالت سے مزید پانچ دن کا ریمانڈ حاصل کر لیا۔ وہاں شیر خان کی ہمدردانہ وکالت کرنے والا کون تھا۔ ایک بار پھر شیر خان پر انتہائی گھناؤنی اذیتوں کے دروازے کھل گئے۔ مگر شیر خان ثابت قدم رہا۔ نہ اس نے یہ کہا کہ وہ پاکستان کا جاسوس ہے۔ ریمانڈ کی مدت گزر جانے پر پولیس نے عدالت میں کیس پیش کر دیا اور مقدمہ شروع ہو گیا۔ شیر خان کو تھانے کی حوالات سے نکال کر جوڈیشل جیل کی کال کوٹھری میں ڈال دیا گیا۔

شیر خان کو ذرا ہوش آیا تو اس نے وہاں سے فرار کے منصوبے پر غور شروع کیا۔ بہت جلد اسے محسوس ہو گیا کہ وہاں سے فرار تقریباً ناممکن ہے۔ اس جیل میں حفاظتی انتظامات اتنے سخت تھے کہ چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی تھی۔ شیر خان کو جس کوٹھری میں بند کیا گیا تھا اس کے دروازے پر لوہے کی موٹی سلاخیں لگی تھیں۔ احاطے کا دروازہ بھی سلاخوں والا تھا۔ احاطے کے اوپر بھی چھت پڑی تھی۔ قدم قدم پر پہرہ لگا رہتا تھا۔ شیر خان کو پیشی کے لیے عدالت میں لے جاتا تو اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی جاتی تھیں۔ اس دوران ہماری شیرنی پر کیا گزری؟

آیئے شیرنی کی طرف چلتے ہیں۔ ہم اس وقت شیرنی سے الگ ہوئے تھے۔ جب وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مدراس سے جموں شہر کی طرف جا رہی تھی۔ اور بودھ بھکشو عورتوں کے حلیے میں تھی۔ وہ زرد دھوتی نما ساڑھی میں ملبوس تھی۔ اس نے سر کے بال بڑھانے شروع کر دیئے تھے کیونکہ شمال انڈیا میں بودھ بھکشوؤں کی جگہ عام جوگی جوگنوں کی لوگ زیادہ عزت و تکریم کرتے تھے اور اگر جوگی یا جوگن یونہی جلالی رنگ دکھائے اور لوگوں کو برا بھلا کہے تو لوگ اس سے بہت ڈرتے بھی تھے اور اس کی بڑی آؤ بھگت بھی ہوتی تھی۔ شیرنی نے جوگن کے بہروپ کو اپنے واسطے پسند کر لیا تھا۔ وہ ریل کے ڈبے میں دوسری عورتوں کے درمیان بیٹھی یہی سوچ رہی تھی کہ انڈیا اتنا بڑا ملک ہے۔ وہ اپنے باپ کو کیسے اور کہاں کہاں تلاش کرے گی؟ کیا اس کے ڈیڈی اب اسے مل جائیں گے؟ بس ایک موہوم سی امید اسے جموں کی طرف لیے جا رہی تھی۔ وہ حیران ضرور تھی کہ اس کے ڈیڈی جموں کی طرف کیوں نکل گئے ہیں۔ اگر کسی نے انہیں یہ کہا تھا کہ آپ کی بیٹی جموں میں ہے تو انہیں سوچنا چاہیے تھا کہ جموں اتنا دور ہے وہ وہاں کیوں جائے گی۔ شیرنی کی سمجھ میں واضح طور پر کچھ نہیں آ رہا تھا۔ لیکن اس کے سامنے دوسرا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ وہ پڑھی لکھی خاتون تھی۔ اس نے انگریزی اسکولوں میں تعلیم پائی تھی۔ انگریزی کے علاوہ فرانسیسی زبان بھی روانی سے بول لیتی تھی۔ اسے اس بات کی خبر تھی کہ وہ خود پاکستانی ہے اور ایک دشمن ملک میں بغیر پاسپورٹ ویزے کے اور پھر بودھ بھکشنی کے بھیس میں سفر کر رہی ہے۔ اس کو بڑی آسانی سے پاکستانی جاسوس سمجھ کر گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ ان تمام خدشات کے باوجود شیرنی پورے اعتماد اور دلیری کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ پیچھے ہٹنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ خواہ راستے میں آگ کے دریا حائل ہوں۔ اسے ہر حالت میں اپنے پیارے ڈیڈی سے ضرور ملنا تھا۔

ان علاقوں میں شیرنی نے پہلے کبھی سفر نہیں کیا تھا۔ وہ پہلی بار انڈیا کے ملک میں سفر کر رہی تھی۔ اپنا نام اس نے ساوتری ہی رکھ لیا تھا۔ تین دن کے تھکا دینے والے سفر کے بعد جب ٹرین دلی پہنچی تو شیرنی ٹرین سے اتر کر سیکنڈ کلاس کے مسافر خانے میں آ گئی۔ یہاں اس نے غسل کیا۔ ناشتہ وہیں منگوایا اور بڑے اعتماد کے ساتھ ناشتہ کرنے لگی۔ انڈیا کے اسٹیشنوں پر زنانہ مسافر خانے الگ نہیں ہوتے۔ ایک پڑھی لکھی ہندو خاتون نے نوجوان

اور خوبصورت جوگن کو ناشتہ کرتے دیکھا تو قریب آکر بڑے ادب سے ہاتھ باندھ کر پرنام کیا اور بولی۔

"جوگن میا! میرے بیاہ کو سات برس ہو گئے ہیں۔ پر اولاد نہیں ہوئی۔ مجھ پر دیا کریں۔ ایشور سے پرارتھنا کریں کہ میرے ہاں بچہ ہو جائے۔ نہیں تو میرا پتی مجھے نکال کر دوسرا بیاہ کر لے گا۔" شیرنی نے ایک نظر اٹھا کر اس عورت کو دیکھا۔ گوری چٹی ہندنی ٹائپ کی بھاری بدن والی عورت تھی۔ قیمتی لباس اور زیور پہن رکھا تھا۔ شیرنی کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ مگر اسے اپنا پارٹ پوری ذمے دار سے نبھانا تھا۔ ہاتھ ذرا سا اوپر اٹھایا اور انگریزی میں کہا۔

""بھگوان تمہاری گود بھر دیں گے۔" عورت بڑی حیران ہوئی۔ وہ خود کیمبرج کی پڑھی ہوئی تھی اور دلی کے ایک لڑکیوں کے کالج کی پرنسپل تھی۔ اس نے انگریزی میں کہا۔

"جوگن میا! آپ تو پڑھی لکھی ہیں۔" شیرنی نے اب اردو میں کہا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دل کی زبان ایک ہوتی ہے۔ بھگوان سے دل کی زبان میں بات کی جاتی ہے۔" ہندو خاتون نے کہا۔

"میا! میرا نام رجنی مترا ہے۔ میرے پتی دیو ساجن مترا دلی میں کاروبار کرتے ہیں۔ اگر آپ کو کہیں آگے نہیں جانا تو مجھے سیوا کا موقع دیں۔ میرے گھر چل کر دو چار دن آرام کریں میرا پتی آپ سے مل کر بڑا خوش ہو گا۔ میں بیجواڑہ سے آرہی ہوں۔ ابھی ٹرین سے اتری ہوں۔ یہاں باتھ روم جانے کے لیے آئی تھی۔ میرا نوکر گاڑی لے کر اسٹیشن کے باہر موجود ہو گا۔"

شیرنی نے اس دوران وہاں ایک نئی بات محسوس کی تھی۔ ایک آدمی شیشے والے اسٹینڈ کے پاس بیٹھا شیرنی کو برابر تک رہا تھا۔ یہ آدمی جس کی توند پتلون سے باہر نکلی ہوئی تھی ٹرین میں بھی شیرنی کے ڈبے میں سفر کرتا آیا تھا اور اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ جس دوران شیرنی ہندو خاتون رجنی سے باتیں کر رہی تھی تب بھی یہ پراسرار آدمی وہاں موجود اسے برابر گھورتا رہا تھا۔

شیرنی سمجھ گئی کہ یہ خفیہ پولیس کا آدمی ہے۔ اور شیرنی کا پیچھا کر رہا ہے۔ گویا یہ ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بلا شیرنی کے پیچھے لگ گئی تھی جس سے چھٹکارا بڑا ضروری تھا۔ اس کے باوجود شیرنی کو کوئی زیادہ پریشانی نہیں تھی۔ جب وہ رجنی سے گفتگو کر رہی تھی تو یہ آدمی باہر جا کر ایک اور آدمی کو لے آیا اس نووارد نے ایک نظر گھور کر شیرنی کو دیکھا اور باہر چلا گیا۔ تب شیرنی کے لیے اس آدمی سے پیچھا چھڑانا ضروری ہو گیا۔ اس نے ہندو عورت سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارے گھر تھوڑی دیر کے لیے پرارتھنا کرنے جاؤں گی تاکہ بھگوان تیری گود ہری کر دے۔"

ہندو عورت بڑی خوش ہوئی جھک کر شیرنی کے پاؤں چھونے لگی۔ شیرنی کا پروگرام یہ تھا کہ اس عورت کے گھر میں جانے کے بعد وہ موقع پا کر وہاں سے نکل آئے گی۔ ہندو عورت رجنی شیرنی کو ساتھ لے کر ریلوے اسٹیشن سے باہر آئی تو ڈرائیور گاڑی لے کر آیا ہوا تھا۔ دونوں اس میں بیٹھ گئیں اور گاڑی دلی کے بازاروں میں تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی رجنی مترا کا چھوٹا سا بنگلہ مہرولی میں تھا یہ بستی کبھی دلی شہر سے سترہ میل کے فاصلے پر ہوتی تھی مگر اب دلی کا حصہ بن گئی ہے۔ قطب کی لاٹھ اسی جگہ پر ہے۔ بزرگان دین کے مزار بھی اسی بستی میں ہیں۔ یہ دلی کے ماڈرن علاقوں میں شمار ہوتی ہے۔ پارک اور باغ بنے ہوئے ہیں۔ کشادہ سڑک کے کنارے کنارے بنگلے ہیں۔ ایسے ہی ایک بنگلے میں رجنی مترا اپنے خاوند کے ساتھ رہتی تھی۔ رجنی نے شیرنی کو اپنے کمرے میں لا کر بٹھا دیا۔ اس کے آگے پھول اور مٹھائیاں رکھیں۔ کونے میں کرشن کی مورتی پڑی تھی جس کے گلے میں پھولوں کی مالا تھی رجنی نے کہا۔

"میا! آپ یہاں بیٹھیں۔ میں اپنے پتی کو فون کر کے بلاتی ہوں۔ وہ آپ کے درشن کر کے بڑے خوش ہوں گے۔"

رجنی دوسرے کمرے میں فون کرنے گئی تو شیرنی نے کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا کر بنگلے کے گیٹ پر نگاہ ڈالی۔ اسے وہاں خفیہ پولیس کا کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ اب وہ سوچنے لگی کہ اسے جموں کی ٹرین کیسے پکڑنی چاہیے خفیہ پولیس کا آدمی ظاہر ہے وہیں کہیں آس پاس موجود ہو گا۔ شیرنی کا جموں جانا بھی ضروری تھا۔ کیونکہ صرف وہیں اسے اپنے پیارے ڈیڈی کا کوئی سراغ مل سکتا تھا۔ لیکن اگر خفیہ پولیس والا یونہی اس کا پیچھا کرتا رہا تو بہت ممکن ہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ جموں پہنچنے سے پہلے پہلے کسی اسٹیشن پر پولیس اسے پاکستانی جاسوس سمجھ کر پکڑ لے۔ شیرنی اس مصیبت سے ہر حالت میں بچنا چاہتی تھی۔ رجنی بڑی خوش خوش کمرے میں داخل ہوئی۔ کہنے لگی۔

"میا! پتی دیو آرہے ہیں۔"

رجنی شیرنی کے قریب تخت پر بیٹھنے لگی تو اس پر اثر ڈالنے کے لیے شیرنی نے کڑک کر انگریزی میں کہا۔

"نیچے ہو کر بیٹھو۔"

ضعیف الاعتقاد ہندو عورت ڈر کر جلدی سے نیچے قالین پر ہاتھ باندھ کر بیٹھ گئی۔ اتنے میں اس کا سانولے رنگ کا ذرا ذرا گنجہ خاوند مترا بھی آگیا۔ وہ ہاتھ باندھے اندر داخل ہوا اور آتے ہی شیرنی کے پاؤں چھو کر ادب سے نیچے بیٹھ گیا۔ وہ اپنی بیوی سے زیادہ ضعیف الاعتقاد معلوم ہوتا تھا۔ شیرنی نے جلالی لہجے میں انگریزی میں کہا۔

"خبردار کسی کو بھی نہ بتایا جائے کہ بھگوان کرشن کی ایک بھکشنی جوگن ساوتری اس مکان میں ٹھہری ہوئی ہے نہیں تو تمہارے ہاں جو بچہ پیدا ہو گا وہ اندھا ہو جائے گا۔"

رجنی اور مترا دونوں ضعیف الاعتقاد میاں بیوی تو شیرنی کے قدموں پر لیٹ گئے۔ مترا نے انگریزی میں ہی کہا۔

"ساوتری دیوی! ہم کبھی اپنا منہ نہیں کھولیں گے۔ آپ ہمارے بچے کو اندھا نہ کریں۔ ہمیں بچے کی بڑی خواہش ہے دیوی جی!"

شیرنی کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اگر خفیہ پولیس والوں کا آدمی یہاں بھی منڈلا رہا ہے اور وہ ان لوگوں سے پوچھ بیٹھے تو یہ لوگ اسے کچھ نہ بتائیں۔ باقی شیرنی نے رات کے اندھیرے میں یہاں سے اسٹیشن کی طرف فرار ہونے کا منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ کیونکہ یہاں ایک رات سے زیادہ دیر رہنا بہرحال خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ دروازے کی گھنٹی بجی شیرنی نے ہندو میاں بیوی کو گھور کر دیکھا اور انگریزی میں کہا۔

"جیسا میں نے کہا ہے ویسا ہی کرنا۔"

"ٹھیک ہے دیوی جی۔" مترا ہاتھ باندھ کر اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ دلی پولیس کے چھ سات سپاہی ایک انسپکٹر کے ساتھ زبردستی گھر میں گھس آئے۔ انسپکٹر کے ہاتھ میں مکان کی تلاشی کا وارنٹ تھا اور وہ کہہ رہا تھا۔

"ہمیں مکان کی تلاشی لینی ہے۔" سامنے تخت پر شیرنی جوگیوں کے بھیس میں بیٹھی دیکھی تو ہندو ایس پی نے پستول نکال لیا اور بولا۔

"تمہارا ڈرامہ ختم ہو چکا۔"

پھر اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ شیرنی کی طرف بڑھے شیرنی نے انگریزی میں پوچھا۔

"مجھے کس جرم میں پکڑا جا رہا ہے۔" جوگن کو انگریزی بولتے دیکھ کر ایس پی اور دوسرے سپاہی بھی حیران سے ہوئے۔ ایس پی نے کہا۔

"تم پاکستانی جاسوس ہو۔ ہمارے پاس اس کے ثبوت موجود ہیں۔" شیرنی نے کہا۔

"وہ ثبوت کیا ہیں۔ مجھے بھی بتایا جائے۔" انسپکٹر پولیس نے کہا۔ "بکواس بند کرو اور سیدھی طرح ہمارے ساتھ چلو۔ ثبوت تمہیں تھانے پہنچ کر مل جائے گا۔"

رجنی اور مترا بے چارے مارے حیرت کے منہ کھولے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ شیرنی نہتی تھی۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اگر وہ اپنے کراٹے کے فن کا مظاہرہ بھی کرتی تو وہاں سے اس کے پکڑے جانے کا ڈر تھا کیونکہ چار سپاہی پہلے ہی اس پر رائفلیں تانے ہوئے تھے۔ سپاہیوں نے اتنی دیر میں اسے قابو کر کے ۔۔۔۔ ہتھکڑی ڈال دی انسپکٹر پولیس نے رجنی اور مترا سے کہا۔

"آپ لوگ اتنا خیال کیا کریں کہ آپ جس کو جوگی جوگن سمجھ کر گھر میں لے آئے ہیں وہ اصل میں کون ہیں۔"

دونوں بے چارے ان سب کا منہ ہی دیکھتے رہ گئے۔ ہندو انسپکٹر پولیس کا نام دین دیال شرما تھا اور وہ مسلمانوں کا بڑا جانی دشمن تھا۔ دلی میں پہلی بار جب فسادات ہوئے تو اس نے خود ہندوؤں غنڈوں کو اسلحہ دے کر مسلمانوں کے محلوں پر حملے کرائے تھے اور کئی مسلمانوں کو قتل کرایا تھا۔ خفیہ پولیس والے نے دلی پہنچتے ہی آئی جی پولیس دلی کو اطلاع کر دی تھی

کہ ایک پاکستانی جاسوسہ عورت جوگن کے بھیس میں مدراس سے سفر کرتی ہوئی پہنچی ہے اور مہرولی کے فلاں نمبر بنگلے میں ٹھہری ہوئی ہے۔ آئی جی پولیس نے اس وقت انسپکٹر شرما کو حکم دیا کہ اس جوگن کو فوراً گرفتار کر کے اس سے پوچھ گچھ کی جائے کہ اس کے دوسرے ساتھی ہندوستان میں کہاں کہاں کارروائیاں کر رہے ہیں۔ انسپکٹر شرما نے اسی وقت پولیس کی ایک پارٹی تیار کی اور مترا کے بنگلے پر چھاپہ مار کر شیرنی کو گرفتار کر لیا۔ شیرنی کے انگریزی بولنے سے انسپکٹر شرما کو یقین ہو گیا کہ یہ عورت جاسوسہ ہی ہے۔ کیونکہ ایک عام جوگن کہاں انگریزی بول سکتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انسپکٹر شرما نے تھانے پہنچتے ہی آئی جی پولیس کو فون پر بتایا کہ چھاپہ کامیاب رہا ہے اور پاکستانی جاسوسہ جوگن کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ آئی جی نے حکم دیا کہ اس سے ابتدائی پوچھ گچھ کے بعد فوراً رپورٹ مجھے پیش کرو تاکہ یہ پتا چل سکے کہ اس عورت کے دوسرے ساتھی بھارت میں کہاں کہاں سرگرم عمل ہیں۔ انسپکٹر شرما ایک متعصب اور مسلمان دشمن ہندو ہی نہیں بلکہ ایک عیاش شرابی کبابی آدمی تھا۔ جب آئی جی پولیس کی طرف سے اسے پوچھ گچھ کی کھلی چھٹی مل گئی تو اس نے مہرولی تھانے کی بجائے شیرنی سے پوچھ گچھ کے لیے اپنی خاص جگہ کو منتخب کیا۔ جو قطب صاحب کی لاٹھ والے بڑے پارک کے عقب میں واقع تھی۔ یہ ایک دو منزلہ رہائشی عمارت تھی جس کی پہلی منزل کے کونے والا فلیٹ انسپکٹر شرما نے کرائے پر لے رکھا تھا۔ یہاں وہ اکثر راتوں کو اپنی عیش و نشاط کی محفلیں لگایا کرتا تھا۔ شام تک اس نے شیرنی کو تھانے کی حوالات میں ہی رکھا۔ جب شام گہری ہو گئی تو اس نے سپاہی کھنہ سے جو اس کا رازدار سپاہی تھا کہا۔

"ارے کھنہ! اس پاکستانی جوگن کو حوالات میں ہی دال روٹی کھلانے کے بعد میرے فلیٹ پر لے آنا اس سے وہیں فلیٹ پر پوچھ گچھ کروں گا۔" سپاہی کھنہ مسکرا کر بولا۔

"جو حکم مہاراج؟"

جس وقت سپاہی کھنہ شیرنی کو ہتھکڑی لگائے جیپ میں پولیس گارڈ کی حفاظت میں لے کر انسپکٹر شرما کے پاس آیا اس وقت رات کے نو بج رہے تھے اور انسپکٹر شرما نے فلیٹ میں پہلے ہی سے بوتل کھول رکھی تھی۔ سپاہی کھنہ شیرنی کی ہتھکڑی کھول کر انسپکٹر شرما کے کمرے میں لے آیا اور پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مہاراج اور کیا حکم ہے۔"

انسپکٹر شرما نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

"تم باہر ڈیوٹی دو باقی سپاہیوں کو بھیج دو۔ ان کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے صاحب!"

کمرے میں آتے ہی شیرنی نے شراب کی بو محسوس کی۔ وہ سمجھ گئی کہ اسے کس لیے یہاں لایا گیا ہے۔ چھوٹا سا کمرہ تھا۔ دیوار کے ساتھ پلنگ لگا تھا۔ قریب ہی صوفہ سیٹ تھا۔ کھڑکیوں پر پردے گرے ہوئے تھے۔ صرف ایک ٹیبل لیمپ روشن تھا جس کی روشنی دھندلی دھندلی تھی۔ چونکہ رات کو خنکی ہو جاتی تھی اس لیے چھت کا پنکھا نہیں چل رہا تھا۔ انسپکٹر شرما نے سلیپنگ گاؤن پہن رکھا تھا۔ اس نے انگریزی زبان میں بات شروع کی۔ شیرنی کو سامنے صوفے پر بیٹھنے کے لیے کہا اور سگریٹ کو ایش ٹرے میں بجھا دیا۔ شیرنی عائشہ کے سر پر بال اگ آئے تھے۔ بھوئیں بھی بالوں سے بھر گئی تھیں۔ انسپکٹر شرما نے ولایتی شراب کی بوتل صوفے کے ساتھ ہی فرش پر رکھی ہوئی تھی۔ اس نے گلاس میں تھوڑی سی شراب ڈال کر پی۔ نیا سگریٹ سلگایا اور شیرنی کی طرف آگے کو ذرا سا جھک کر غور سے تکتے ہوئے بولا۔

"تمہارے بارے میں ہمیں فل رپورٹ مل چکی ہے۔ تم جوگن کے بھیس میں پاکستانی ایجنٹ ہو۔ میں نے تمہیں اپنے اس فلیٹ پر اس لیے بلایا ہے کہ میں تمہارے ساتھ روایتی سلوک نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ پورا تعاون کرو گی۔"

شیرنی نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں پاکستانی ایجنٹ نہیں ہوں۔ میں لنکا کے ایک کالج کی لیکچرار ہوں۔ مجھے اپنی ہندو مائیتھالوجی نے بے حد متاثر کیا اور میں جوگن بن کر ہندوستان کے ہندوؤں کے مقدس مقامات کی یاترا کو نکلی ہوں۔ میرا نام ساوتری ہے۔"

انسپکٹر شرما نے گہرا سانس لیا ایک لمحے کے لیے ٹکٹکی باندھ کر شیرنی کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم ہمیں صرف ان لوگوں کے

نام پتے بتا دو جو تمہارے ساتھ یہاں بھارت میں رہ کر پاکستان کے لیے جاسوسی کر رہے ہیں میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ان لوگوں کی گرفتاری کے بعد تمہیں پورا پورا تحفظ دیا جائے گا۔ اور ہمارا محکمہ تمہیں اپنے خرچ پر کسی پرفضا مقام کے فائیو اسٹار ہوٹل میں بھیج دے گا جہاں تم مہینہ دو مہینہ آرام سے رہو گی۔" شیرنی نے جواب دیا۔

"مسٹر شرما! میں تمہیں کہہ چکی ہوں کہ میرا کسی جاسوس گروہ سے تعلق نہیں ہے۔ میں نے زندگی میں کبھی کوئی جاسوسی نہیں کی۔ میں ایک پڑھی لکھی جوگن ہوں اور ہندوستان کی یاترا پر آئی ہوئی ہوں۔"

انسپکٹر شرما اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر وہ کمرے کے دروازے کی طرف گیا۔ اس کی چٹخنی چڑھائی۔ واپس آکر صوفے کے پیچھے سے اسکاچ کی بوتل اٹھا کر کھڑے گلاس میں ایک ڈبل پیگ بنایا۔ وہیں کھڑے اسے پانی ملائے بغیر چڑھا گیا۔ شیرنی یہ سب کچھ گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ انسپکٹر شرما اپنے طور پر بڑا مطمئن تھا۔ اسے مطمئن ہونا بھی چاہیے تھا۔ ایک قیدی عورت اس کے قبضے میں تھی۔ باہر اس کے سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ اگر وہ اس عورت کی عزت برباد کر کے اسے قتل بھی کر دیتا ہے تو اسے کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ مگر وہ صرف ایک حقیقت سے بے خبر تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس عورت کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والا ہے۔ شیرنی عائشہ انسپکٹر شرما کی ایک ایک حرکت کا بغور جائزہ لے رہی تھی۔ انسپکٹر شرما کو اب ہلکا ہلکا نشہ ہو گیا تھا جس نے اس کی درندگی اور خباثت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگا۔ شیرنی عائشہ نے جب ایک بار پھر اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ وہ بے قصور ہے۔ تو انسپکٹر شرما نے اسے بڑی غلیظ گالی دے دی۔ شیرنی کی آنکھوں میں سرخ رنگ کی چمک سی پیدا ہو کر گزر گئی۔ انسپکٹر شرما نے شیرنی عائشہ کو اوپر تلے چھ سات گالیاں دے دیں اور بولا۔

"تم کیا سمجھتی ہو اپنے آپ کو؟ میں نے بڑے بڑوں کے چھکے چھڑا دیے ہیں تم تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو۔ چلو اٹھو اور اپنا یہ فراڈ جوگنوں والا لباس اتار کر ایک طرف رکھ دو۔"

عزت کی خاطر مر جانے یا مار دینے کا وقت آن پہنچا تھا۔ دنیا کے سارے لعل و جواہر

ساری دولتیں سارے رشتے ناتے سوکھے پتوں کی طرح ہوا کے ساتھ اڑ گئے تھے۔ اب صرف ایک ہی رشتہ باقی تھا۔ عزت اور غیرت کا رشتہ۔ اسی رشتے کی آبرو بچانے کے واسطے یا خود مرجانا تھا یا اس پر حملہ کرنے والے کو ہلاک کر دینا تھا۔ شیرنی تمام امکانات کا جائزہ لے چکی تھی۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ انسپکٹر شرما کا پیٹی میں لگا ہوا پستول پلنگ کے سرہانے کے پاس پڑا تھا۔ شیرنی کو اپنے باپ کی دی ہوئی کمانڈو ٹریننگ کو ہی بروئے کار لانا تھا۔ مگر زیادہ وقت نہیں لگانا تھا۔ انسپکٹر شرما نے دوسری بار پھر گالی دے کر غصے میں شیرنی کو حکم دیا کہ وہ ساڑھی اتار دے۔ یہ ساری باتیں انگریزی زبان میں ہو رہی تھیں۔ عائشہ شیرنی کے بدن میں آگ سی لگ گئی تھی۔ وہ صوفے پر سے اٹھی اور انسپکٹر شرما سے باتھ روم کا پوچھا۔ انسپکٹر شرما بھی صوفے پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔

"میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ میرے ساتھ آؤ۔" شیرنی کو ایک سیکنڈ سے بھی کم وقفے میں اپنا پلان تبدیل کرنا پڑا۔ اسے باتھ روم جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ محض اپنی جگہ سے کچھ قدم پیچھے ہٹنا چاہتی تھی۔ انسپکٹر شرما نے شیرنی کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور باتھ روم کی طرف بڑھا۔ شیرنی تیز تیز قدم اٹھاتی باتھ روم میں داخل ہو گئی۔ انسپکٹر بھی اس کے ساتھ ہی باتھ روم میں آگیا۔ جونہی انسپکٹر شرما باتھ روم کا دروازہ بند کرنے کے لیے گھوما شیرنی نے اپنا سیدھا بازو اوپر اٹھایا۔ اس کا بازو کہنی سے لے کر کلائی تک فولاد کی لٹھ بن چکا تھا۔ ایک قدم پیچھے ہٹ کر شیرنی نے پوری مہارت اور پوری طاقت سے بازو کا لٹھ انسپکٹر شرما کی گردن کے پچھلے حصے پر مارا۔ یہ ضرب اتنی شدید اور ٹھیک نشانے پر لگی تھی کہ انسپکٹر شرما چکرا کر گرا شیرنی نے اسے گرتے ہوئے میں ٹھوڑی کے نیچے اسی بازو سے حلق پر ایک اور شدید ضرب لگائی۔ پھر دونوں ہاتھوں کے پنجے کھول کر اوپر اٹھائے اور جھپٹا مار کر انسپکٹر شرما کی گردن میں گاڑ دیے۔ اور اسے جھٹکے دینے لگی۔ گردن کی ہڈی پر پیچھے سے پہلی ضرب کے لگتے ہی انسپکٹر شرما کی ہنسلی کی ہڈی کی ایک ڈسک اپنی جگہ سے ہل گئی تھی اور اس کا نچلا دھڑ سن ہو گیا تھا۔ دوسری ضرب پر وہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا اور جب حلقوم میں پنجہ گاڑ کر شیرنی نے چھ سات جھٹکے دیے تو گلے کی ہڈی کی اکھڑی ہوئی ڈسک الگ ہو گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیرنی پیچھے ہٹ کر باتھ روم کی روشنی میں ٹائیلوں والے فرش پر پڑے انسپکٹر شرما کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس شخص کے بدن کے پٹھوں نے اپنا آپ چھوڑ دیا تھا۔ شیرنی نے اس کے منہ پر الٹا ہاتھ رکھ دیا۔ اسے سانس کی ہلکی سی گرماہٹ محسوس ہوئی۔ پھر اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ دل کی دھڑکنیں گہرائیوں میں ڈوب رہی تھیں۔ اب شیرنی کو اس لاش سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ باتھ روم کا کوئی عقبی دروازہ نہیں تھا۔ صرف ایک کھڑکی تھی جو سنک کے پیچھے بنی ہوئی تھی اور جس پر پردہ گرا تھا۔ شیرنی نے سب سے پہلے باتھ روم کے دروازے کو اندر سے کنڈی لگا دی۔ پھر کھڑکی کا پردہ ہٹایا۔ بند کھڑکی کی اوپر نیچے والی دونوں چٹخنیاں لگی ہوئی تھیں۔ شیرنی کو صرف ایک ڈر تھا کہ کہیں کھڑکی کے پیچھے لوہے کی سلاخوں والا جنگلا نہ لگا ہو۔ اس نے آہستہ سے چٹخنیاں اتار کر کھڑکی کا ایک پٹ ذرا سا کھولا۔ اور ہاتھ آگے بڑھایا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ یہاں ابھی تک جالی دار گرل نہیں لگائی گئی تھی۔ اور اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ انسپکٹر شرما نے کمرے کی ساری کھڑکیوں پر سلاخ دار گرل لگائی تھیں مگر باتھ روم کی کھڑکی پر لوہے کی گرل اس لیے نہیں لگائی تھی کہ اگر کبھی کوئی ہنگامی صورتحال پیدا ہو جائے تو وہ فلیٹ پر لائی ہوئی عورت کو وہاں سے باہر بھگا سکے۔ یہ کھڑکی شیرنی کے کام آگئی تھی۔ شیرنی کھڑکی کی طرف بڑھی تو اچانک اسے ایک خیال آگیا۔ اس نے جلدی سے باتھ روم کا دروازہ کھولا۔ ڈرائینگ روم میں آئی۔ پلنگ پر پڑا ہوا انسپکٹر شرما کا پستول ہولسٹر میں سے نکال کر اس کا میگزین چیک کیا۔ یہ ریوالور تھا اور اس میں گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ شیرنی نے بیلٹ وہیں رہنے دی۔ ریوالور اپنی زرد ساڑھی میں اچھی طرح سے چھپا لیا۔ واپس باتھ روم میں آکر ایک نظر انسپکٹر شرما پر ڈالی۔ وہ مر چکا تھا۔ پھر کھڑکی میں سے دوسری طرف جھانک کر دیکھا۔ یہ پہلی منزل کا فلیٹ تھا باہر سامنے والے فلیٹوں کے پچھواڑے لگتے تھے جہاں کہیں کہیں بجلی کا بلب روشن تھا۔ اور باتھ روموں میں بھی روشنی ہو رہی تھی۔ نیچے سوکھی گھاس اور کچھ اینٹیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ شیرنی جلدی سے کھڑکی میں سے نیچے اتر گئی۔ نیچے اترتے ہی اس نے باتھ روم کی کھڑکی بند کر دی۔ پولیس پارٹی کو چونکہ معلوم تھا کہ انسپکٹر شرما پاکستانی جاسوسہ عورت کے ساتھ اپنے کمرے میں ہے اور وہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اندر لگائے گا چنانچہ پولیس مطمئن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی اور کسی سپاہی نے پیچھے آکر پہرہ دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

شیرنی نے اپنے آپ کو اچھی طرح سے سمیٹا اور سامنے والے فلیٹوں کے درمیان جو گلی بنی ہوئی تھی اس طرف چل پڑی۔ وہ جتنی جلدی ہو سکے اس علاقے سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتی تھی۔ ریوالور ذرا سا کھسک کر نیچے آگیا تھا۔ شیرنی نے چلتے چلتے ساڑھی کو کھینچ کر اسے اوپر کر لیا۔ اس کے اندازے کے مطابق کم از کم آدھے گھنٹے تک تو انسپکٹر شرما کی لاش کا کسی کو علم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس آدھے گھنٹے میں شیرنی کو اس شہر سے نکل جانا تھا۔ اس کے پاس دس پندرہ روپے ہی باقی رہ گئے تھے۔ اسے راستوں کا بھی پتہ نہیں تھا کہ کون سی سڑک ریلوے اسٹیشن کو جاتی ہے۔ اب اس بات کی بھی سخت ضرورت تھی کہ شیرنی زرد رنگ کی جوگنوں والی ساڑھی سے بھی نجات حاصل کرے۔ کیونکہ گھنٹے آدھ گھنٹے بعد جب انسپکٹر شرما کے قتل کا پولیس کو علم ہو گا تو شہر کے تمام تھانوں اور خصوصی طور پر ریلوے اسٹیشن کی پولیس کو فوراً خبر کر دی جائے گی اور اس کے بعد پولیس اسے کہیں بھی پکڑ سکتی ہے۔ مگر سوال یہ تھا کہ ساڑھی کس کے ساتھ بدلے؟ وہ یہ سوچتی فٹ پاتھ پر چلی جا رہی تھی کہ ایک خالی ٹیکسی تھوڑا آگے جا کر رک گئی۔ اس میں سے ایک بڑی مسکین صورت والا دبلا پتا آدمی باہر نکلا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"بھکشنی جی! مجھے حکم کریں۔ جہاں آپ نے جانا ہے۔ میں وہاں پہنچائے دیتا ہوں۔"

شیرنی جانتی تھی کہ انڈیا میں لوگ جوگی جوگنوں کی خدمت کرنا بڑا ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ وہ بھی اس وقت اس علاقے سے نکل جانا چاہتی تھی پھر بھی اس نے پوچھ لیا کہ ریلوے اسٹیشن تک کتنا کرایہ ہو گا۔ ہندو ڈرائیور نے عاجزی سے کہا۔

"میا! مجھے سیوا کرنے کا موقع دو۔ میں بھگت جنوں سے کرایہ لے کر پاپ نہیں کماؤں گا۔ بیٹھیے میں آپ کو اسٹیشن پہنچائے دیتا ہوں۔"

شیرنی ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ہندو ڈرائیور نے ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ شیرنی نے کہا۔ "مجھے جلدی اسٹیشن پہنچنا ہے۔"

"فکر نہ کریں میا جی!"

اس نے ٹیکسی کی رفتار تیز کر دی شیرنی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ کون سی سڑکیں

ہیں۔ جب ٹیکسی ذرا خالی خالی سے علاقے میں آئی تو شیرنی نے پوچھا۔

"ادھر کہاں آگئے ہو؟"

وہ یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ وہ ان سڑکوں سے واقف ہے۔ ہندو ڈرائیور نے گاڑی روک دی اور ہاتھ باندھ کر بڑے مسکین لہجے میں کہنے لگا۔

"میا جی! میری ماتا جی بڑی بیمار ہیں ان کے واسطے ڈاکٹر سے دوائی لایا تھا۔ اتنی اجازت دے دیں کہ میں دوائی اپنی ماتا کو پکڑا کر آتا ہوں۔ ایک منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ بس وہ سامنے ہی گھر ہے۔"

شیرنی نے اسے اجازت دے دی مگر ساتھ ہی تاکید کی کہ وہ زیادہ دیر نہ لگائے۔ ٹیکسی پھر روانہ ہو گئی۔ ایک جگہ کچے راستے پر اتری اور پھر ایک اونچے درخت کے پاس جا کر رک گئی۔ یہاں دو کچے کوٹھے تھے۔ ایک طرف اندھیرے میں گائے بندھی ہوئی تھی۔ ڈرائیور یہ کہہ کر ایک کچے مکان کے اندر چلا گیا کہ وہ اپنی ماتا جی کو دوائی دے کر آتا ہے۔ کوئی ایک منٹ بعد وہ گھبرایا ہوا شیرنی کے پاس آکر ہاتھ باندھ کر بولا۔

"بہن جی! میری ماتا کو کچھ ہو گیا ہے۔ بھگوان کے لیے انہیں چل کر دیکھیں یہاں میرا کوئی نہیں ہے۔" اور وہ رونے لگ گیا۔ شیرنی دل میں کڑھتی ہوئی اس کے ساتھ کوٹھری کی طرف بڑھی۔ جونہی وہ کوٹھری میں داخل ہوئی تین ہٹے کٹے بدمعاش ٹائپ آدمی ایک طرف سے نکل کر اس کے سامنے آگئے۔ ایک کے ہاتھ میں پستول تھا جب کے دوسرے دو نے چاقو تان رکھے تھے۔ مکار ڈرائیور ہنستا ہوا اندر داخل ہوا اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

"لو بھئی ارجن! آج منہ کا مزا بدلنے کے خیال سے ایک جوگن کو پکڑ لایا ہوں۔"

ارجن کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اس نے شیرنی سے کہا۔

"بیٹھو جی! چارپائی پر بیٹھ جاؤ۔ ذرا تمہارے ساتھ تھوڑی دیر گیان دھیان کر لیں۔"

اور دوسرے غنڈے نے شیرنی کو چارپائی پر دھکا دے دیا۔ شیرنی کا ریوالور نیچے گرتے گرتے بچا۔ اس نے جلدی سے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ دیا۔ شیرنی چارپائی پر گرتے ہی سنبھل گئی تھی اور ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ارجن غنڈے نے پستول ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف رکھا اور شیرنی کو چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ شیرنی نے پیٹ پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ اصل میں اس نے ساڑھی کے اندر ریوالور کو سنبھالا ہوا تھا۔ کہنے لگی۔

"میرے پیٹ میں درد ہے۔" ایک ہندو بدمعاش نے ارجن سے کہا۔ "ارجن بھائی اسے سکاچ کا ایک ڈبل پیگ پلاؤ۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" ارجن نے ڈرائیور کی طرف دیکھا اور کہا۔

"الماری میں سے اسکاچ کی بڑی بوتل نکالو یار۔" جونہی ٹیکسی ڈرائیور نے الماری کھولی شیرنی نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ساڑھی کے اندر ہاتھ ڈال کر ریوالور نکالا اور فائر کر دیا۔ پہلی گولی مکار ہندو ڈرائیور کو لگی جو وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دوسری گولی ارجن کے سینے میں۔ تیسری چارپائی کے سرہانے کی طرف کھڑے بدمعاش کو اور چوتھی گولی دروازے کی طرف دوڑتے غنڈے کی پیٹھ پر لگی اور وہ بھی وہیں گر پڑا۔ شیرنی کی شبانہ اور انتھک ٹریننگ کا تقاضہ تھا کہ اس کا نشانہ خطا نہ ہو اور اس کا ایک بھی نشانہ خطا نہیں گیا تھا۔ چاروں گولیوں نے چاروں بدمعاشوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ شیرنی نے دروازے میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ وہاں روشنی زیادہ نہیں تھی اور وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ فائرنگ کی آواز سن کر وہاں کوئی آیا تو نہیں۔ وہاں کوئی نہیں آیا تھا یہ جگہ ویسے بھی آبادی سے کچھ فاصلے پر تھی۔ صرف درخت کے نیچے بندھی ہوئی گائے نے بولنا شروع کر دیا تھا۔

شیرنی نے لاشوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ اپنی ساڑھی بدلنا چاہتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ کسی جگہ ان لوگوں کے مردانہ کپڑے ضرور ہوں گے۔ اچانک اسے ساتھ والی کوٹھری سے گھٹی گھٹی سی انسانی آواز سنائی دی۔ وہ جلدی سے کوٹھری کے اندر آ گئی۔ اندر اندھیرا تھا۔ دروازہ کھلنے سے اس کمرے کی روشنی اندر گئی تو شیرنی نے دیکھا کہ ایک دبلی پتلی سیاہ بالوں والی لڑکی چارپائی کے ساتھ بندھی پڑی ہے اور اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا ہے۔ شیرنی نے ریوالور ساڑھی میں چھپا لیا اور جلدی سے لڑکی کے منہ میں سے کپڑا نکال دیا اور اس کی رسیاں کھولتے ہوئے پوچھا۔ "تم کون ہو؟" لڑکی سخت گھبرائی ہوئی تھی۔ پھٹی پھٹی نظروں سے شیرنی کو تک رہی تھی۔ شیرنی نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ وہ لوگ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ کیا تم کو یہ لوگ اغوا کر کے لائے

ہیں؟" لڑکی نے شیرنی کے گھٹنے پکڑ لیے۔

"خدا کے لیے مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ یہ لوگ مجھے خراب کر کے مار ڈالیں گے۔" شیرنی نے پوچھا۔

"کیا تم مسلمان ہو؟" لڑکی نے کہا۔

"ہاں میرا نام سلطانہ ہے یہ غنڈے مجھے تھوڑی دیر پہلے اٹھا کر یہاں لے آئے تھے خدا کے لیے مجھے یہاں سے لے چلو۔ یہ پٹاخے کہاں چلے تھے؟" شیرنی نے لڑکی کو حوصلہ دیا اور کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں گی۔"

"تم جوگن ہو ناں؟" لڑکی نے پوچھا۔ جب وہ لاشوں والے کمرے سے گزرنے لگی تو چار لاشیں پڑی دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئی۔ شیرنی نے اس کا بازو پکڑ کر آگے کو کیا اور کہا۔

"ادھر مت دیکھو۔ باہر چلو۔" باہر ٹیکسی تو کھڑی تھی مگر شیرنی اب ٹیکسی میں جانے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی کیونکہ اب انسپکٹر شرما کے قتل کا راز کھل گیا ہو گا۔ اور دلی کی پولیس زرد کپڑوں والی جوگن کی تلاش میں ہو گی۔ اس نے سلطانہ سے پوچھا کہ اس کا گھر وہاں سے کتنی دور ہے۔ سلطانہ نے بتایا کہ ریلوے اسٹیشن کے پیچھے ان کا مکان ہے۔ شیرنی نے سلطانہ سے پوچھا کہ کیا اسے ریلوے اسٹیشن تک کا راستہ آتا ہے؟ سلطانہ نے کہا۔

"ہاں یہاں سے کافی دور ہے۔"

شیرنی نے مجبور ہو کر ٹیکسی میں ہی جانے کا فیصلہ کر لیا۔ جوگن ٹیکسی چلاتے عجیب لگتی۔ مگر شیرنی کے پاس کوئی اور حل نہ تھا۔ سلطانہ کہنے لگی یہاں سے ایک بس سیدھی ریلوے اسٹیشن کو جاتی ہے۔ شیرنی کو یہ ترکیب پسند آئی۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتی بڑی سڑک پر آ گئیں۔ سلطانہ ان سارے راستوں اور سڑکوں سے واقف تھی۔ آگے ایک بس اسٹاپ آ گیا۔ دونوں وہاں کھڑی ہو گئیں۔ اتنے میں وہاں بس آ گئی۔ بس بھری ہوئی تھی۔ وہ دونوں بھی گھس کر بس میں بیٹھ گئیں۔ شیرنی نے چار پانچ روپے پہلے ہی ہاتھ میں تھام رکھے تھے۔ بس تیزی سے سڑک پر روانہ ہو گئی۔ اس کے اسٹاپ کافی لمبے لمبے تھے۔ پھر بھی جب بس اسٹاپ پر بس رکتی تو شیرنی اپنا سر دوسرے مسافروں کی اوٹ میں کر لیتی۔ آخر ریلوے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسٹیشن کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ بس ریلوے کا ایک بڑا پل عبور کر کے اسٹیشن کے پیچھے ایک بستی کے بس اسٹاپ پر رکی تو سلطانہ شیرنی کو ساتھ لے کر نیچے اتر پڑی اور گلی کے پیچھے کی طرف سے جب اپنے گھر میں داخل ہوئی تو اس کے ماں باپ نے بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔ خوشی سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ایک گھنٹہ پہلے جب سلطانہ اپنے باپ کے ساتھ اپنے ماموں کے گھر سے واپس آ رہی تھی تو محلے کے ہندو غنڈے پرکاش نے اپنے دو غنڈوں کے ساتھ مل کر سلطانہ کو اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور اس کے باپ کو چیخ و پکار کرتا چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔ وہ دلی کا ہندو اکثریت کا محلّہ تھا۔ کسی نے سلطانہ کے باپ کی آہ و بکا پر کان نہیں دھرا تھا۔ ویسے بھی پرکاش محلے کا خطرناک غنڈہ تھا۔ اس سے کوئی دشمنی مول لینے کو تیار نہیں تھا۔ اب جب بیٹی گھر میں واپس آ گئی اور اس نے بتایا کہ جوگن بہن نے اسے وہاں سے نکالا ہے اور پرکاش سمیت چاروں غنڈے ہلاک ہو چکے ہیں تو سلطانہ کے ماں باپ پریشان ہو گئے۔ شیرنی کہنے لگی "آپ لوگ پریشان کیوں ہیں۔ غنڈے اپنے انجام کو پہنچے۔ خواہ انہیں کسی نے بھی قتل کیا ہو۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔" ماں نے جلدی سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔ باپ تخت پوش پر بیٹی کے پاس بیٹھ گیا اور شیرنی سے مخاطب ہو کر بولا۔

"بیٹی! پرکاش اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا بدلہ اب ہم سے لے لیا جائے گا۔ بیٹی کو یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ میں اسے اپنے بھائی کے پاس امرتسر لے جاتا ہوں۔ ساڑھے دس بجے والی جنتا ایکسپریس مجھے مل سکتی ہے۔" شیرنی نے کہا۔

"اگر آپ بھی یہاں سے غائب ہو گئے تو پولیس یہی سمجھے گی کہ ان بدمعاشوں کے قتل میں آپ کا بھی ہاتھ ہے۔ بہتر ہو گا کہ آپ دونوں یہیں رہیں۔ سلطانہ کو میں امرتسر اس کے چچا کے گھر پہنچائے دیتی ہوں۔ پولیس آپ پر شک نہیں کر سکے گی۔ آپ یہی بیان دیں گے کہ ہماری بیٹی کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ ہمیں کیا معلوم ہماری بیٹی کو ان بدمعاشوں نے کہاں قید میں ڈال رکھا ہے ہمیں تو اپنی بیٹی کی فکر ہے کہ کہیں اسے بھی قتل نہ کر دیا گیا ہو۔" سلطانہ کی والدہ نے اپنے خاوند سے کہا۔

"جوگن بیٹی ٹھیک کہتی ہے۔ تمہیں اس وقت گھر سے غائب نہیں ہونا چاہیے۔" "اب

سلطانہ کی ماں اور باپ جوگن کی طرف تکنے لگے۔

"بیٹی!" ماں نے کہا۔ "کیا تو ہماری بچی کو خیریت کے ساتھ پہنچا دے گی؟" شیرنی نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میں کوئی جوگن وغیرہ نہیں ہوں۔ میں مسلمان ہوں اور یہ جوگن کا بھیس میں نے اسی لیے بدل رکھا ہے کہ میرا تعلق کشمیری حریت پسندوں کی تحریک آزادی سے ہے اور میں یہاں ایک خاص مشن پر آئی ہوئی تھی کہ بدقسمتی سے ان غنڈوں کے ہتھے چڑھ گئی مگر میرے پاس ریوالور تھا اور میں نے ان چاروں کو مار ڈالا۔" سلطانہ اس کی والدہ اور باپ تو شیرنی کی بلائیں لینے لگے اور باپ کہنے لگا۔

"بیٹی! خدا کرے کہ کشمیر آزاد ہو۔ انشاء اللہ ایک دن کشمیر ضرور آزاد ہو گا۔ کیا نام ہے تمہارا بیٹی؟ شیرنی نے اپنا اصلی نام عائشہ ہی بتا دیا۔

"مجھے بھی واپس کشمیر ہی جانا ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ میں سلطانہ کو اس کے چچا کے گھر پہنچانے کے بعد آگے جاؤں گی۔ مگر سب سے پہلے میں یہ لباس تبدیل کرنا چاہتی ہوں۔" اسی وقت سلطانہ نے صندوق میں سے اپنا ایک دھلا ہوا جوڑا نکال کر شیرنی کو دیا جو اس نے پہن لیا۔ اس کے سر کے بال ابھی لڑکیوں جتنے نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ سلطانہ کی والدہ کا برقعہ شیرنی نے اوڑھ لیا۔ اس طرح سے وہ پہچانی بھی نہیں جا سکتی تھی۔ انسپکٹر شرما کا ریوالور شیرنی نے اپنے پاس ہی رکھا۔ سلطانہ کے باپ نے کچھ روپے شیرنی کو دیئے جو انہیں امرتسر تک پہنچانے کے لیے کافی تھے۔

سلطانہ نے بھی برقعہ اوڑھ لیا تھا۔ دونوں برقعہ پوش خواتین یعنی شیرنی اور سلطانہ مکان سے نکلیں اور ریلوے اسٹیشن کی طرف پیدل ہی چل دیں۔ سلطانہ یہاں کے ایک ایک پلیٹ فارم اور ایک ایک ریل گاڑی سے واقف تھی۔ شیرنی برقعے میں بھی بڑی محتاط تھی۔ ماحول کا پورا پورا جائزہ لے رہی تھی۔ سلطانہ نے ہی امرتسر کے دو ٹکٹ خریدے۔ پلیٹ فارم پر کافی رش تھا۔ دلی کی آبادی میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہوا تھا۔ رات دن میں کوئی گاڑی ایسی نہ ہوتی جس میں مسافروں کا ہجوم نہ ہوتا۔

شیرنی اور سلطانہ بھی دوسری عورتوں کے ساتھ ایک ڈبے میں بیٹھ گئیں۔ خدا خدا کر کے گاڑی نے پلیٹ فارم چھوڑا اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئی۔ کسی نہ کسی طرح رات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کٹ گئی۔ دن نکلا تو ٹرین مشرقی پنجاب کے کھیتوں میں سے گزر رہی تھی۔ امرتسر اس سفر کا آخری اسٹیشن تھا۔ وہاں شیرنی اور سلطانہ ٹرین سے اتر پڑیں۔ سلطانہ کو چچا کے مکان کا پتہ تھا۔ اسٹیشن کے باہر سے انہوں نے سائیکل رکشہ پکڑا اور پتلی گھر چچا کے مکان پر پہنچ گئیں۔ چچا سلطانہ کے ساتھ دوسری عورت کو دیکھ کر کچھ حیران سا ہوا۔ کہنے لگا۔

"تمہاری والدہ ساتھ کیوں نہیں آئیں؟" سلطانہ نے شیرنی کا یہ کہہ کر تعارف کرایا کہ یہ میری سہیلی ہے۔ چچی اور ان کے بچے بھی آگئے۔ وہاں رونق سی لگ گئی۔ شیرنی اور سلطانہ نے کچھ نہ بتایا کہ پیچھے کیا واردات ہوئی ہے۔ ایک رات شیرنی ان لوگوں کے ہاں رہی اس نے سلطانہ اور اس کے چچا کو یہی بتایا تھا کہ وہ جموں جا رہی ہے جہاں اس کا باپ کسی جگہ ٹھہرا ہوا ہے مگر اسے یہ معلوم نہیں کہ وہ جگہ کونسی ہے۔ سلطانہ کے چچا نے پوچھا۔

"بیٹی تمہارے باپ کا وہاں کیا کاروبار ہے؟" شیرنی نے کہا "یہی تو مجھے معلوم نہیں ہے۔ میرے ڈیڈی کشمیری حریت پسندوں کے خفیہ اڈوں پر راشن وغیرہ سپلائی کیا کرتے تھے۔ پھر سنا کہ بھارتی پولیس نے انہیں پکڑ لیا ہے۔ اب یہ خبر ملی ہے کہ بے قصور ثابت ہونے پر بھارتی پولیس نے انہیں چھوڑ دیا ہے اور وہ جموں میں ہی کسی جگہ مقیم ہیں۔ بس میں ان کی کھوج میں جا رہی ہوں۔" سلطانہ کے چچا نے کہا۔

"بیٹی! جموں صرف بڑا شہر ہی نہیں ہے بلکہ مسلمانوں اور خاص طور پر پنجابی مسلمانوں کے لیے بڑا خطرناک شہر ہے۔ تمہیں بھارتی فوجی کسی وقت بھی پاکستانی جاسوس سمجھ کر گرفتار کر سکتے ہیں۔ سلطانہ کے چچا نے کہا "تم ایسا کرو کہ جموں شہر میں اسٹیشن کے پاس ہی ریل بازار ہے۔ وہاں میرے ایک دوست عبدالستار کی چوڑیوں کی دکان ہے۔ تم میرا خط اس کو جا کر دے دینا۔ تم اسی کے گھر میں ہی ٹھہرنا۔ وہ تمہارے والد کی تلاش میں تمہاری مدد کرے گا۔" یہ بڑی اچھی سہولت تھی جو شیرنی کو مل گئی تھی۔ اسے جموں شہر میں ایسا ہی ایک شریفانہ ٹھکانہ چاہیے تھا جہاں رہ کر وہ اپنے باپ شیر خان کو تلاش کر سکے جس کے بارے میں شیرنی کو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ کلکتہ کی جیل میں بند ہے اور اس پر قتل کا مقدمہ چل رہا ہے۔

شیرنی نے یہاں برقعہ اتار دیا تھا اور وہاں کی عورتوں کا عام پہناوا یعنی شلوار قمیص پہن لی تھی۔ ریوالور ابھی تک اس کے پاس ہی تھا۔ اس ریوالور کو چھپانا شیرنی کے واسطے ایک مسئلہ بنا ہوا تھا مگر وہ اسے ہر حالت میں اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھی۔ امرتسر سے بذریعہ پسنجر ٹرین شیرنی مجیٹھ انبالہ 'گورداسپور' سجان پور اور کٹھوعہ کے راستے سے جموں کی طرف روانہ ہو گئی۔

ٹرین مجیٹھ اور انبالہ کے درمیان پہنچی تو اس کا انجن اچانک فیل ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ سنگل ٹریک کی وجہ سے جالندھر سے نئے انجن کو آتے آتے دیر ہو جائے گی اور رات وہیں گزارنی ہو گی۔ شیرنی کے ساتھ کچھ دوسری عورتوں نے پروگرام بنا لیا کہ وہ آگے کا سفر بس میں کریں گی۔ ویران علاقے میں رات گزارنے میں خطرہ تھا کہ خالصتان کے حامی حملہ نہ کر دیں کیونکہ ٹرین میں ہندو یاتریوں کی تعداد زیادہ تھی۔ کچھ ہندو یاتری بھی بس پکڑنے کے لیے بڑی سڑک پر آ کر بیٹھ گئے۔ شیرنی بھی دوسری سکھ اور ہندو عورتوں کے ساتھ سڑک پر آ گئی۔ ایک بس میں اسے بھی جگہ مل گئی۔ یہ بس جموں جا رہی تھی۔ اس میں پہلے سے ہندو سواریاں بیٹھی تھیں۔ سکھ صرف دو چار ہی تھے۔ بس گورداسپور کے قریب پہنچی تو اس نے ایک نہر کا پل عبور کیا۔ جونہی پل کی دوسری جانب آئی آگے سڑک پر دو چار کٹے ہوئے درخت ڈال کر سڑک بند کر دی گئی تھی۔ ڈرائیور سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔ اس نے بس کو پیچھے موڑ کر بھاگ جانے کی کوشش کی مگر اتنی دیر میں ایک طرف درختوں سے چھ سات ڈاکو منہ پر کپڑا باندھے بندوقیں فائر کرتے آ گئے۔ وہ اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے انہوں نے دس بارہ ہندوؤں کو بھون کر رکھ دیا۔ باقیوں کو حکم دیا کہ نیچے اتر کر لائن میں کھڑے ہو جائیں۔ سب کا سامان لوٹ لیا۔ اب مسافر عورتوں اور مردوں کی تلاشی شروع ہوئی۔ عورتوں کے زیور وغیرہ اتروائے جانے لگے۔

ایک ڈاکو شیرنی کی تلاشی لینے لگا تو شیرنی نے فوراً ریوالور نکال کر فائر کر دیا۔ گولی ڈاکو کے ماتھے میں شگاف ڈالتی ہوئی اس کی کھوپڑی کی دوسری طرف سے نکل گئی۔ گولی کی آواز پر اس کے ساتھی ڈاکوؤں نے ادھر دیکھا۔ شیرنی انہیں اتنا وقت نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس نے ریوالور کا رخ ان کی طرف کیا اور اوپر تلے چار ڈاکوؤں کو نشانے کی زد میں لے کر بھون

ڈالا۔ باقی ڈاکوؤں میں بھگدڑ سی مچ گئی۔ انہیں کسی عورت سے اس رد عمل کی توقع ہی نہیں تھی۔ مسافر ادھر ادھر بھاگ اٹھے۔ چار ڈاکو باقی رہ گئے تھے۔ بس کا ڈرائیور بھی بھاگ گیا تھا۔ ڈاکوؤں نے بس کے اگلے دونوں ٹائر پہلے ہی گولیوں سے چھلنی کر دیے تھے۔ شیرنی کے پاس زیادہ گولیاں نہیں تھیں۔ ریوالور میں صرف تین گولیاں باقی رہ گئی تھیں۔ اس نے ایک گولی ڈاکوؤں کی طرف فائر کی اور درختوں کی طرف پیچھے ہٹنے لگی۔ یہ بات اس کے ذہن میں تھی کہ یہ ڈاکو پیچھے جو درخت تھے اس طرف سے آئے تھے اور ظاہر ہے وہاں ان کی کوئی نہ کوئی جیپ یا دوسری گاڑی ضرور کھڑی ہو گی۔ وہ درختوں کی طرف دوڑ پڑی۔ پیچھے ڈاکو اس پر گولیاں برسانے لگے۔ شیرنی نے رک کر پیچھے کی طرف ایک فائر کیا اور جتنی تیزی سے دوڑ سکتی تھی دوڑنے لگی۔ وہ درختوں سے نکل کر ایک کچی سڑک پر آئی تو ایک کھلی جیپ آ رہی تھی جس میں چھ سات سکھ بیٹھے تھے۔ شیرنی پر پہلے سے ڈاکو برابر گولیاں چلاتے چلے آ رہے تھے۔ سکھوں نے جیپ جلدی سے درختوں کے پیچھے لے جا کر روک لی۔ شیرنی نے پیچھے مڑ کر ایک اور فائر کیا تو ایک سکھ لپک کر اس کے پاس آیا اور اسے بازو سے پکڑ کر تیزی سے درختوں کے پیچھے لے گیا۔ دوسرے سکھ بھی شیرنی کو غور سے دیکھنے لگے۔

"واہ بھئی واہ! بڑی شیرنی کی بچی ہو کون ہو تم؟" جو سکھ شیرنی کو فائرنگ میں سے نکال کر لے گیا تھا اس نے پوچھا۔ دوسرا سکھ کہنے لگا۔

"گردیال سیاں! امید تے ہر نامے ڈاکو دے آدمی نے۔" (یہ تو ہرنامے ڈاکو کے آدمی ہیں ۔ دیال نے دو نالی بندوق ان کی طرف کر دی۔ پھر سب نے اپنی بندوقوں اور رائفلوں کا رخ ڈاکوؤں کی طرف کر دیا جو شیرنی کے پیچھے پیچھے سڑک پر آ گئے تھے۔ ان سکھوں نے فائر کھول دیا۔ گردیال سنگھ نے بھڑک مار کر کہا۔

"کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑنا۔" وہ کل چار تھے۔ ان سکھوں کی فائرنگ میں چاروں کے چاروں وہیں ڈھیر ہو گئے۔ گردیال سنگھ نے شیرنی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

"تو کون ہے بھئی کڑیے! تیرا نام کیا ہے؟" شیرنی نے کہا۔

"میرا نام ہربنس کور ہے۔ میں انبالے اپنی بہن کے گھر آئی ہوئی تھی۔ واپس جموں جا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی تھی کہ ان ڈاکوؤں نے ہماری بس پر حملہ کر دیا۔" ایک سکھ نے پوچھا۔

"مگر تم تو ریوالور چلا رہی تھی۔ یہ ریوالور تم نے کہاں سے لے لیا ہے؟" وہ ریوالور گردیال نے لے لیا تھا اور اسے غور سے دیکھ رہا تھا کہنے لگا۔

"یہ ریوالور تو پولیس کا ہے بی بی۔" شیرنی نے کہانی گھڑتے ہوئے کہا۔

"بس میں ایک مسافر کے پاس تھا۔ وہ اسے ڈاکوؤں پر چلاتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ میں نے پکڑ کر ان پر فائرنگ شروع کر دی۔ میں نے اپنے کالج میں پستول چلانے کی ٹریننگ لی تھی۔"

"شاباش!" گردیال سنگھ نے شیرنی کی بہادری کی داد دیتے ہوئے کہا۔ "بیٹھ جا بی بی ہم کٹھوعہ جا رہے ہیں۔ وہاں تمہیں آگے جموں جانے والی بس میں سوار کرا دیں گے۔"

شیرنی کو گردیال سنگھ نے جیپ کی اگلی سیٹ پر اپنے ساتھ بٹھا لیا اور جیپ کٹھوعہ کی طرف ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ شیرنی کو ابھی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ یہ لوگ اصل میں کون ہیں۔ انہوں نے آپس میں ابھی تک ایسی کوئی بات بھی نہیں کی تھی کہ جس سے شیرنی کو پتہ چلتا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ وہ انہیں ابھی زمیندار ٹائپ سکھ ہی سمجھ رہی تھی۔ جو شکار کرنے کی غرض سے بندوقیں وغیرہ لے کر نکلے تھے۔ جیپ تیزی سے کچی سڑک پر کھیتوں کے درمیان دوڑی جا رہی تھی۔ یہ علاقہ ایسا تھا کہ کبھی زمین ڈھلانی ہو جاتی تھی۔ اور کبھی اونچی جھاڑیوں میں سامنے کا منظر چھپ جاتا تھا۔ ایک جگہ جیپ جھاڑیوں کی اوٹ سے نکلی تو پیچھے بیٹھے کسی سکھ نے چلا کر کہا۔

"گردیال سیاں! پولس آ گئی او۔" (گردیال سنگھ پولیس آ گئی ہے)

شیرنی نے بھی سامنے سے اچانک پولیس کی ایک گاڑی کو تیزی سے آگے بڑھتے دیکھا۔ گردیال سنگھ نے فوراً جیپ کا اسٹیرنگ ایک طرف کو گھمایا۔ جیپ تیزی سے ایک طرف گھوم گئی۔ سارے سکھ چھلانگیں لگا کر جھاڑیوں کے پیچھے گرے اور پولیس کی گاڑی پر فائر کھول دیا۔ شیرنی بھی چھلانگ لگا کر ایک جھاڑی کے پیچھے جا گری تھی گردیال بھی وہیں گرا تھا اور اپنی شاٹ گن سے فائر کر رہا تھا۔ شیرنی نے دیکھا کہ پولیس کی نفری سات آٹھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سپاہیوں سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ تو اس کے دیکھتے دیکھتے گر پڑے تھے۔ یہ سارے سپاہی ہندو تھے۔ ان میں کوئی ایک بھی سکھ نہیں تھا۔ گردیال نے اپنا پستول نکال کر شیرنی کی طرف پھینکا اور کہا۔

"تو بھی فائر کر بی بی۔ ہم مرگئے تو پولیس تجھے بھی زندہ نہیں چھوڑے گی۔"

تب شیرنی کو خیال آیا کہ ضرور یہ بھی ڈاکوؤں کا کوئی گروہ ہے جس کے پیچھے پولیس لگی ہوئی ہے۔ شیرنی نے پستول سنبھالا اور ایک سپاہی کو نشانے میں لے کر فائر کیا۔ وہ ویگن کے قریب ہی گر پڑا۔ گردیال نے چیخ کر اسے شاباش دی۔

"شاباشے شیرنی دئی بچیئے" (شاباش! شیرنی کی بیٹی)۔ شیرنی گولیاں چلاتی رہی۔ اس کی گولیاں ختم ہوگئیں۔ گردیال اپنی شاٹ گن زمین پر رکھ کر جیب میں سے پستول کی گولیاں نکال کر شیرنی کو دینے لگا تو اچانک ایک جانب سے ہندو تھانیدار اس کے سر پر پہنچ گیا۔ جونہی شیرنی نے دشمن کو دیکھا۔ اس نے بجلی کی طرح تڑپ کر زمین پر سے شاٹ گن اٹھائی اور ہندو تھانیدار پر یکے بعد دیگرے دو کار توس فائر کر دیے۔ ہندو تھانیدار کے تو پرخچے اڑ گئے۔ گردیال سنگھ نے فتح کا نعرہ مارا اور پولیس ویگن کی طرف دوڑ پڑا۔ اس کے ساتھی بھی فائرنگ کرتے ویگن کی طرف لپکے۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے انہوں نے باقی ہندو سپاہیوں کو بھی ختم کر دیا تھا۔ پولیس ویگن میں سے رکھا ہوا سارا اسلحہ وغیرہ انہوں نے اپنے قبضے میں کر لیا۔ گردیال نے سب کے سامنے کہا کہ بی بی ہرنس کور نے اس کی جان بچائی ہے۔

"اگر یہ بہادر بی بی اس وقت پھرتی سے کام لے کر شاٹ گن فائر نہ کرتی تو لالے تھانیدار نے مجھے بھون دیا تھا۔" پھر اس نے شیرنی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگا۔ "بی بی ہرنس کورا تو آج سے میری چھوٹی بہن ہے۔ گردیال سنگھ آج سے تمہارا بڑا بھائی ہے۔ کبھی زندگی میں میری ضرورت پڑی تو ضرور مجھے یاد کرنا۔ گردیال سنگھ اپنی بہن کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر دے گا۔"

تب شیرنی پر یہ راز کھلا کہ یہ لوگ سکھوں کی تحریک خالصتان کے کمانڈو ہیں جو سکھوں کی اکثریت والے مشرقی پنجاب میں ہندو کی حکومت سے نجات حاصل کر کے

خالصتان قائم کرنے کے لیے سخت جدوجہد کر رہے ہیں اور قربانیاں دے رہے ہیں۔ شیرنی ان کے ساتھ کٹھوعے تک آئی۔ یہاں گردیال سنگھ نے خود شیرنی کو جموں جانے والی بس میں سوار کرایا۔ ڈرائیور کو کہا۔

"یہ ہماری بہن ہے۔ اسے خود جموں اس کے گھر پہنچا دینا۔" ڈرائیور نے کہا۔

"کوئی بات نہیں سردارو! ہم خود بی بی کو اس کے گھر جا کر چھوڑ آئیں گے۔" یہ ڈرائیور ہندو ڈوگرہ تھا اور شیرنی نے محسوس کیا کہ اس نے شراب پی رکھی تھی۔ گردیال سنگھ نے شیرنی کو بس سے اچانک اترنے کا اشارہ کیا۔ وہ اتر پڑی۔ گردیال سنگھ اسے ایک طرف لے گیا۔ جیب سے کچھ روپے نکال کر اسے دیے۔ شیرنی نے انکار کیا تو گردیال سنگھ نے ضد کر کے اسے روپے تھما دیے اور گردیال نے شیرنی کے کان میں گردوارے کا نام لیا اور کہا۔

"وہاں کے گرنتھی کے پاس جا کر میرا نام لینا۔ کہنا میں گردیالے کی چھوٹی بہن ہوں بس پھر دیکھنا وہ لوگ تمہاری کس طرح مدد کرتے ہیں۔ بس اب جاؤ۔ شاباش!"

"شیرنی نے ہاتھ جوڑ کر گردیال سنگھ کو ست سریاکال کہا اور بس میں آکر بیٹھ گئی۔ بس جموں کی طرف چل پڑی۔ راستے میں ہندو ڈرائیور شیرنی سے بے تکلف ہونے کی برابر کوشش کرتا رہا۔ یہ ڈرائیور نہیں جانتا تھا کہ گردیال کا تعلق خالصتان تحریک سے ہے۔ شیرنی خاموش بیٹھی رہی اور اس نے ڈرائیور کو منہ نہ لگایا۔ جموں لاری اڈے پر جا کر بس رکی تو ہندو ڈرائیور نے شیرنی سے پوچھا۔

"کہاں جاؤ گی بی بی۔ چلو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں۔" شیرنی نے سختی سے جواب دیا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود اپنے گھر پہنچ جاؤں گی۔" اور شیرنی ایک رکشے میں بیٹھ گئی۔ رکشے والے کو ریل بازار چلنے کو کہا۔ ریل بازار وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ریل بازار آکر شیرنی نے رکشا چھوڑ دیا اور ایک نیاری والے سے عبدالستار چوڑی گر کے مکان کا پتہ پوچھا۔ اس نے کہا۔

"بی بی! وہ تو آج صبح ہی بال بچوں کو لے کر اپنے بھائی کے پاس دلی چلا گیا ہے۔" شیرنی نے مایوسی کے عالم میں گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ وہاں ہندو رکشا ڈرائیور ایک رکشے کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ شیرنی کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر انتہائی مکروہ انداز میں مسکرایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہندو رکشا ڈرائیور نشے میں تھا اور شیرنی کے لیے مصیبت کا باعث بن سکتا تھا۔ وہ دشمن ملک کے ایک شہر جموں میں تھی جہاں پہلے ہی کشمیری مسلمانوں کو ذرا ذرا سے بہانے پکڑ کر تشدد کر کے ہلاک کیا جا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دلی کی سلطانہ بہن کے چچا یا تایا عبدالستار کا گھر مل جائے گا تو وہ وہاں رہ کر اپنے باپ شیر خان کو تلاش کرنے کی کوشش کرے گی مگر یہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ عبدالستار چوڑی گر تو بال بچوں سمیت دلی جا چکا ہے اور اس کا مکان بند پڑا ہے۔

ایک لمحے کے لیے اسے محسوس ہوا کہ وہ دشمنوں کے درمیان بالکل اکیلی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس پر ستم یہ کہ ایک رکشہ ڈرائیور بھی اس کے پیچھے پڑ گیا ہے جس نے شراب وغیرہ پی رکھی ہے۔ وہ سوچنے لگی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ ریل بازار کے جس منیاری والے سے شیرنی نے سلطانہ کے تایا یا چچا کا پوچھا تھا وہ اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"بی بی! تم واپس چلی جاؤ تو بہتر ہو گا۔ یہاں کس کے پاس جاؤ گی۔" شیرنی کو اچانک خالصتان کمانڈو تنظیم کے گردیال سنگھ کا خیال آگیا۔ اس نے شیرنی کو جموں کے ایک گردوارے کا نام کان میں بتا کر کہا تھا کہ اگر جموں میں کسی چیز کی ضرورت پڑ جائے یا کوئی تکلیف ہو تو اس گردوارے کے گرنتھی کو میرا پرنام دینا وہ تمہاری مدد کرے گا۔

شیرنی نے دکاندار کو گردوارے کا نام بتایا اور پوچھا کہ یہ گردوارہ کہاں ہے۔ دکاندار نے اسے گردوارے کا پتہ بتا دیا۔ شیرنی اس طرح چل پڑی۔ اس نے اپنے پیچھے رکشہ اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔ وہ سمجھ گئی کہ رکشہ ڈرائیور بھی اس کے پیچھے چل پڑا ہے۔ بازار ختم ہو گیا۔ آگے دائیں جانب ایک گھاٹی اترتی تھی۔ اس سے آگے بائیں طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

والے میدان میں سے گزر کر آگے آکر رک گیا۔ ہندو ڈرائیور رکشے سے اتر پڑا۔ اس نے وہاں کی ڈوگری زبان میں شیرنی سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ چلے وہ اسے جہاں جانا چاہتی ہے پہنچا دے گا۔ شیرنی کے پاس پستول موجود تھا مگر وہ فائر کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہتی تھی اور رکشے والا بدمعاش آسانی سے اس کا پیچھا چھوڑنے والا بھی نہیں تھا۔ شیرنی اسے محض اتنی سی بات پر ہلاک کرنے کے حق میں نہیں تھی کہ اس نے شیرنی کو ایک عورت کو بری نیت سے دیکھا ہے یا اس پر مجرمانہ حملہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ دل سے چاہتی تھی کہ یہ شخص جو اپنی موت کو بار بار آواز دے کر بلا رہا ہے وہاں سے واپس چلا جائے۔ شیرنی نے بڑے شریفانہ لہجے میں کہا۔

"بھائی! مجھے یہاں قریب ہی جانا ہے۔ میں پیدل چلی جاؤں گی۔ تم مجھے کیوں تنگ کرتے ہو۔" مگر رکشے والے پر تو ایک بھوت سوار تھا۔ اس نے شیرنی کے ساتھ دست درازی شروع کر دی۔ شیرنی وہاں مجمع نہیں لگانا چاہتی تھی۔ اس میں اس کی سلامتی کو بھی شدید خطرہ تھا۔ ایک سیکنڈ میں اس کے ذہن میں ایک خیال فلش کی طرح آگیا۔ وہ رکشے میں بیٹھ گئی اور بولی۔

"چلو تم جہاں چاہتے ہو مجھے لے چلو۔" رکشہ ڈرائیور کی تو باچھیں کھل گئیں۔ سگریٹ سڑک پر پھینکا اور رکشہ اسٹارٹ کر کے گھاٹی اترنے لگا۔ آگے وہ بائیں طرف ہو گیا۔ شیرنی کو میدان کے کونے میں درختوں کے بیچ میں سے گردوارے کی سفید عمارت دکھائی دی۔ مگر رکشہ دوسری طرف جا رہا تھا۔ شیرنی نے رکشے کے پیچھے جو چھوٹی سی کھڑکی بنی ہوئی تھی اس میں سے دیکھا۔ بازار میں لوگوں کی آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس شیطان صفت اور خطرناک ہندو رکشہ ڈرائیور سے پیچھا چھڑانے کا وقت آگیا تھا۔

وہ بڑی ترنگ میں رکشہ چلا رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ کوئی فلمی گیت بھی گانے لگا تھا۔ ایک جوان عورت اسے مفت میں مل گئی تھی۔ وہ خوش کیوں نہ ہوتا۔ لیکن اس کے لیے اسے جو قیمت ادا کرنی پڑ رہی تھی اس کا اس نے کبھی خواب میں نہیں سوچا ہو گا۔ ڈرائیور اور شیرنی کے درمیان صرف لوہے کی چار سلاخیں حائل تھیں۔ رکشہ ڈرائیور کی پشت شیرنی کی طرف تھی۔ اتنے آسان شکار پر شیرنی کو ترس بھی آیا۔ مگر وہ کیا کرتی۔ یہ شخص

خود موت کے منہ میں اپنا سر دے رہا تھا۔ اب شیرنی کے سامنے دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ شیرنی سیٹ پر آگے کو ہو گئی۔ ایک کمانڈو عورت یا کمانڈو مرد کے واسطے یہ ایک انتہائی آسان ٹارگٹ تھا۔ یہاں کسی رسی، خنجر یا پستول کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ شیرنی نے سلاخوں کے اندر دونوں ہاتھ ڈالے اور ڈرائیور کے کندھے کو بڑے پیار سے سہلاتے ہوئے کہا۔

"تم بڑا اچھا گا لیتے ہو۔ یہ گانا پھر سے سناؤ۔" رکشہ ڈرائیور تو خوشی سے نہال ہو گیا۔ نشے میں جھومتے ہوئے بولا۔

"میری جان! اپنی کوٹھری میں چل کر سناؤں گا۔ شراب بھی تو راستے میں لینی ہو گی۔" وہ کچھ آگے کہنے والا تھا۔ شیرنی کو چاہیے تھا کہ وہ اسے کہہ لینے دیتی۔ کم از کم اس شخص کی آخری خواہش کا تو علم ہو جاتا۔ مگر شیرنی نے اسے آگے ایک لفظ بولنے کی بھی اجازت نہ دی۔ اس نے اپنا بایاں بازو آگے ہو کر تیزی سے ڈرائیور کی گردن میں ڈالا اور گردن کو پیچھے سلاخوں کے ساتھ لگا کر اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ ڈرائیور کی گردن آگے کو ڈھلک گئی۔ رکشہ بے قابو ہونے لگا۔ شیرنی نے ڈرائیور کے مردہ جسم کو ایک طرف دھکا دے کر ہٹایا اور بازو لمبے کر کے رکشے کا ہینڈل کنٹرول میں کر لیا۔ مگر وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر رکشہ زیادہ دیر نہیں چلا سکتی تھی وہ رکشے کو گھما کر میدان میں لے آئی۔ یہاں زمین کچی تھی۔ شیرنی نے ایک پل کے لیے ہینڈل کو چھوڑا اور بائیں جانب سے نکل کر ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھی۔ ڈرائیور کی لاش ایک طرف جھکی ہوئی تھی۔ شیرنی تیزی سے رکشے کو واپس موڑ کر درختوں کے درمیان لے گئی اور بریک لگا دی۔ نیچے اتر کر اس نے سب سے پہلے یہ دیکھا کہ آس پاس کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا۔ یہ کافی کھلا میدان تھا وہاں اسے کوئی آدمی دکھائی نہ دیا۔ شیرنی میدان کے کنارے کنارے چلنے لگی گردوارہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ گردوارے کا پھاٹک کھلا تھا۔ شلوار قمیض دوپٹہ اور بغل میں چھوٹی سی کرپان..... شیرنی کا حلیہ خالص سکھنیوں ایسا تھا ایک سکھ سیوادار اس کی طرف آیا۔

"بی بی پرشاد لینا ہے تو اس طرف جاؤ۔" شیرنی نے کہا۔

"مجھے گرنتھی صاحب سے ملنا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"باوا سنگھ جی کے درشنوں کو آئی ہو؟ میرے ساتھ آجاؤ۔" یہ کوئی زیادہ بڑا گردوارہ نہیں تھا۔ پھر بھی اس میں بارکوں کی طرز پر کئی کمرے بنے ہوئے تھے۔ پتھر کی چاردیواری تھی۔ درمیان میں زرد رنگ کا جھنڈا کھمبے پر لہرا رہا تھا ایک کمرے میں سے شبدبانی کیرتن کی آواز آرہی تھی۔ دھیمی دھیمی طبلے کی تھاپ کے ساتھ ہلکا ہلکا ہارمونیم بھی بج رہا تھا۔

سیوادار شیرنی کو کمرے میں لے آیا۔ یہاں پہلے سے پندرہ بیس سکھ مرد عورتیں بڑے ادب سے بیٹھی شبد کیرتن سن رہی تھیں۔ سامنے ایک اونچے استھان پر پالکی سی بنی ہوئی تھی جس میں گرنتھ صاحب رکھا تھا اور گرنتھی مور چھل ہلا رہا تھا۔ شبد کیرتن کرنے والے دو سکھ راگی تھے جو استھان کے نیچے ایک طرف بیٹھے گربانی گا رہے تھے۔ سیوادار سکھ نے پالکی کے پیچھے بیٹھے سیاہ داڑھی والے سکھ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"باوا سنگھ گرنتھی وہی ہے۔ یہاں بیٹھ کر گربانی کا انند لو۔ جب وہ فارغ ہو جائیں گے تو مل لینا۔" یہ کہہ کر سیوادار چلا گیا۔ شیرنی وہیں بڑے ادب سے بیٹھ گئی اور گربانی سننے لگی۔ کان اس کے گربانی پر لگے تھے اور ذہن میں صرف ایک ہی خیال سوالیہ نشان کی شکل میں گردش کر رہا تھا کہ وہ جموں شہر میں کہاں رہے گی اور اپنے باپ کو کیسے تلاش کرے گی۔ یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ اسے جموں پہنچ کر بے راہ کیا گیا ہے اصل میں اس کا باپ شیر خان تو کلکتے کی جیل میں ہے جہاں اس پر سوناگاچی کے جوا خانے میں شہاب کے قتل کے الزام یا جرم میں مقدمہ چل رہا ہے۔

شبد کیرتن ختم ہو گیا۔ سکھ شردھالو متھا ٹیک کر باہر جانے لگے۔ شیرنی نے بھی گرنتھ صاحب کو متھا ٹیکا اور دری پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ شبد گانے والے بھی چلے گئے۔ سیوادار اندر داخل ہوا۔ گرنتھی باوا سنگھ پالکی سے اترا تو سیوادار نے شیرنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کے کان میں کچھ کہا۔ گرنتھی نے ایک سرسری سی نگاہ شیرنی پر ڈالی اور سیوادار کو کچھ ضروری ہدایات دینے لگا۔ پھر وہ سب کا سانجھا اکو سائیں کی بانی کا ورد کرتا شیرنی کے پاس آیا اور داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں بی بی۔ تو مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے میں نے تو پہلے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔" کمرے میں اس وقت ان دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ شیرنی اٹھ کھڑی ہوئی اس نے

آہستہ سے کہا۔

"مجھے گردیال سنگھ جی نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

گرنتھی باوا سنگھ کا ہاتھ داڑھی پر تھوڑی دیر کے لیے رک گیا۔ پھر دوبارہ چل پڑا۔ اس نے شیرنی کی طرف دیکھے بغیر دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"میرے پیچھے پیچھے آجاؤ بی بی۔" گرنتھی شیرنی کو گردوارے کے کونے والے کمرے میں لے گیا۔ یہ چھوٹا سا کمرہ تھا۔ کونے میں چارپائی پر بستر لگا تھا۔ پتلا سا لحاف بھی تہہ کیا ہوا تھا۔ دو مونڈھے قریب ہی پڑے تھے۔ چھوٹی سی گول میز پر تانبے کا جگ اور لمبا تانبے کا گلاس رکھا ہوا تھا۔ گرنتھی نے شیرنی کو بستر پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود مونڈھا کھلے دروازے کے قریب کھینچ کر بیٹھ گیا اور داڑھی کے بالوں میں چھوٹی سی کنگھی پھیرتے ہوئے بولا۔

"گردیال نے کیا کہا تھا تمہیں؟ تم اسے کہاں ملی تھیں؟" وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد دروازے کے باہر بھی دیکھ لیتا تھا۔ شاید وہ اس واسطے دروازے کے آگے بیٹھا تھا کہ باہر کوئی چھپ کر ان کی گفتگو سننے کی کوشش ہی نہ کر سکے۔ خالصتان تحریک کا سارے پنجاب میں بڑا زور تھا اور اس کے حامیوں نے سارے صوبے میں ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ پولیس کی سی آئی ڈی گردواروں میں بھی پہنچی ہوئی تھی۔ گرنتھی باوا سنگھ اسی لیے احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ پہلے تو اس نے شیرنی کو قریب ہی نہ پھٹکنے دیا۔ یہی کہتا رہا کہ گردیال اس کا بچپن کا ساتھی ضرور تھا مگر خالصتان کی تحریک میں جب سے اس نے بولنا شروع کیا ہے میں نے اس سے اپنی دوستی ختم کر لی ہے۔ گرنتھی اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ اس عورت شیرنی کا سی آئی ڈی سے کوئی تعلق تو نہیں ہے۔ شیرنی بھی اس بات کو بخوبی سمجھ رہی تھی۔

آخر شیرنی نے اپنے دوپٹے کے ساتھ بندھی ہوئی وہ خاص شے نکال کر گرنتھی کے سامنے میز پر رکھ دی جو اس بات کا آخری ثبوت تھا کہ جس شخص کے پاس یہ شے ہے وہ خالصتان تحریک کا خاص آدمی ہے۔ وہ کیا شے تھی؟ ہمیں افسوس ہے کہ بعض وجوہات کی بنا پر ہم اس راز پر سے پردہ نہیں اٹھا سکتے۔ گرنتھی نے وہ خاص چیز دیکھی تو جلدی سے اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پھر بڑی شفقت سے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے بہنے؟" شیرنی نے جو نام گردیال سنگھ کو بتایا تھا وہی نام یہاں بھی بتا دیا۔

"میرا نام ہرجنس کور ہے ویر جی۔" گرنتھی نے ایک بار پھر دروازے کے باہر بظاہر بڑی بے نیازی سے ایک نگاہ ڈالی اور شیرنی سے پوچھا۔

"اب بولو۔ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔" شیرنی کو صرف رہائش کے لیے محفوظ جگہ چاہیے تھی۔ اس نے یہی مدد گرنتھی سے طلب کی۔ گرنتھی بولا۔

"بی بی اسی کمرے میں جب تک رہنا چاہو رہو۔ تمہیں ہر چیز مل جائے گی۔ کوئی پوچھے تو کہہ دینا۔ رام گڑھ کی سیوا دارنی ہوں۔ گرو کے درشنوں کو آئی ہوں۔ ویسے یہاں تمہیں کوئی نہیں پوچھے گا۔" شیرنی نے گرنتھی کا شکریہ ادا کرنا چاہا تو وہ باہر نکلتے ہوئے ہاتھ جھٹک کر بولا۔

"رہنے دے شکریہ کڑیے۔ بس یہاں رہ اور موج لے۔ تو گردیال کی بہن ہے تو ساڈی وی بہن اے۔" گردوارے سے تھوڑی دور میدان کے کنارے درختوں میں وہ رکشہ اسی طرح کھڑا تھا جس میں ہندو رکشہ ڈرائیور کی لاش پڑی تھی۔ شام کا اندھیرا چھانے لگا تھا۔ کچھ لوگوں نے رکشے میں پڑی لاش کو دیکھا تو پولیس کو اطلاع کر دی۔ پولیس فوراً وہاں پہنچ گئی۔ ایک ڈوگرہ انسپکٹر تفتیش کرتا کرتا گردوارے میں پہنچ گیا۔ اس وقت گرنتھی برآمدے میں بیٹھا منہ ہاتھ دھونے کے بعد سر کے بالوں کو باندھ رہا تھا۔ پولیس انسپکٹر اور دو سپاہیوں کو دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ ڈوگرہ انسپکٹر نے آتے ہی پوچھا۔

"آج گردوارے میں باہر سے کون آیا ہے؟" گرنتھی انجان بن گیا۔

"مہاراج یہاں تو سارا دن گرو کے شرو مالو متھا ٹیکنے گروبانی سننے آتے ہی رہتے ہیں۔" انسپکٹر ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اپنے ہاتھ پر بید کو آہستہ آہستہ بجاتے ہوئے بڑی چالاکی سے کہنے لگا۔

"میرا مطلب ہے کہ تمہارا جو مہمان آیا ہے وہ کون ہے۔" گرنتھی یہی سمجھا کہ جس عورت کو گردیال نے یہاں بھیجا ہے کسی نے اس کی مخبری کر دی ہو گی۔ مگر وہ بھی کچی

گولیاں نہیں کھیلا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس کو یہ پتہ چل جائے گا کہ یہاں ایک عورت ٹھہری ہوئی ہے۔ اس نے کہا۔

"میری ایک سیوادارنی بہن جی ہیں وہ کئی روز سے گردوارے میں ٹھہری ہوئی ہے۔"

ڈوگرہ ہندو انسپکٹر بھی بڑا تجربہ کار تھا۔ کہنے لگا۔

اس کو ذرا یہاں لاؤ۔ ایک آدمی رکشے میں قتل ہو گیا ہے۔ رکشہ گردوارے کے قریب ہی کھڑا پایا گیا ہے۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں سیوادارنی جی کو کیوں بلا رہا ہوں۔"

گرنتھی کو اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ معاملہ خالصتان کا نہیں ہے۔ اس نے اسی وقت شیرنی کو بلوالیا۔ انسپکٹر نے بڑی غور سے شیرنی کو دیکھا۔ شکل صورت اور لباس سے وہ پوری سکھنی لگ رہی تھی۔ انسپکٹر نے پوچھا۔

"بی بی تم کب یہاں آئی تھیں؟" گرنتھی نے باہر لاتے وقت شیرنی کو ساری بات سمجھا دی تھی۔ تو شیرنی نے بڑی شرمائی ہوئی آواز میں کہا۔

"دو ڈھائی ہفتے تو ہو گئے ہیں ویر جی۔"

"کہاں سے آئی ہو تم؟" انسپکٹر نے پوچھا گرنتھی فوراً بول پڑا۔

"جالندھر سے آئی ہیں جی وہاں ہماری برادری کے لوگ رہتے ہیں۔ وہ بھی سیوادار ہیں۔ میرے پتا جی تو ابھی تک وہاں گرنتھی ہیں۔" انسپکٹر نے گرنتھی کی طرف گھور کر دیکھا۔

"آپ بیچ میں نہ بولیں گرنتھی جی اس عورت کو میرے سوالوں کا جواب دینے دیں۔ ہاں بی بی! تمہارا نام کیا ہے۔"

"ہرجنس کور۔" شیرنی نے دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ ڈوگرہ انسپکٹر نے ایک دم سوال کر دیا۔

"تم رکشے میں آئی تھیں؟" شیرنی بھی کوئی اناڑی قسم کی ناپختہ ذہن کی لڑکی نہیں تھی' وہ سب سمجھتی تھی۔ سب جانتی تھی کہ انسپکٹر اسے گھیرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کہنے لگی۔

"اسٹیشن سے اتر کر تانگے میں آئی تھی ویر جی۔" ڈوگرہ انسپکٹر چپ ہو گیا۔ پھر گرنتھی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"معاف کرنا گرنتھی جی۔ واردات قتل کی ہے۔ یہ تفتیش ضروری تھی۔" یہ کہہ کر وہ سپاہیوں کی طرف مڑا اور گردوارے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد گرنتھی شیرنی کو لے کر اس کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ اس نے شیرنی سے پوچھا۔

"بہنے! یہ قتل کیسے ہوا؟ تم رکشے میں آئی تھیں کیا؟" شیرنی اسے کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی۔ کہنے لگی۔

"نہیں ویر جی! میں تو اسٹیشن سے ریل بازار پیدل گئی تھی۔ وہاں اپنے تایا جی کا پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ جموں میں نہیں ہیں دلی گئے ہوئے ہیں۔ بس میں وہاں سے پیدل ہی گردوارے میں آگئی۔" گرنتھی کو یقین آگیا کہ قتل اس لڑکی نے نہیں کیا۔ وہ دل میں ہنس پڑا۔ بھلا ایک عام سی لڑکی ایک آدمی کو کیسے قتل کر سکتی ہے۔ دوسری طرف ڈوگرہ انسپکٹر کو نہ جانے کیوں کچھ شک سا پڑ گیا تھا۔ اس نے اپنے ایک سفید کپڑوں والے مخبر کو گردوارے میں بھیج کر سیوادار سکھ کو چپکے سے بلوا لیا۔ جب وہ تھانے میں آیا تو انسپکٹر نے اسے اپنے سامنے بٹھالیا اور کہا۔

"سیوادار جی! میں جو پوچھوں وہ سچ سچ بتا دینا۔ اگر کوئی بات چھپانے کی کوشش کی تو یاد رکھو میں قتل تمہارے اوپر ڈال کر ایسا کیس بنا دوں گا کہ تم سیدھا پھانسی پر لٹکا دیے جاؤ گے۔" سیوادار ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ بے چارہ گھبرا گیا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"مہاراج میں بے گناہ ہوں۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ آپ جو پوچھیں گے سچ سچ بتا دوں گا۔" انسپکٹر نے پہلا سوال یہ کیا۔

"یہ سیوادارنی گردوارے میں کب آئی تھی؟" سیوادار بولا۔

"مہاراج آج ہی شام ہونے سے ذرا پہلے آئی تھی۔" انسپکٹر کو یوں لگا جیسے اس کا ہاتھ قاتل کی گردن تک پہنچ گیا ہے۔ وہ رکشے میں آئی تھی۔

"یہ مجھے پتہ نہیں جناب۔ گردوارے میں تو وہ پیدل ہی آئی تھی۔"

"تم نے باہر رکشے کی آواز نہیں سنی تھی۔"

انسپکٹر نے بارعب آواز میں پوچھا۔ سیوادار گھبرا کر بولا۔

"کہہ نہیں سکتا جناب۔ شاید میں نے کسی رکشے کے کھڑے ہونے کی آواز سنی

تھی۔" انسپکٹر کرسی سے ایکدم اٹھ کھڑا ہوا۔

"سیوادار کو ابھی تھانے میں ہی رکھو۔" سپاہی سیوادار کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ڈوگرہ انسپکٹر نے پوری پولیس گارڈ ساتھ لی اور گردوارے کی طرف چل دیا۔ یہ شہر کے مضافات میں ایک چھوٹا سا گردوارہ تھا۔ پھر بھی ڈوگرہ ہندو انسپکٹر کو معلوم تھا کہ وہ پولیس لے کر گردوارے پر دھاوا نہیں بول سکتا۔ اس نے پولیس ویگن کو گردوارے کی ایک طرف کھڑا کیا اور دو سپاہیوں کے ساتھ گردوارے میں آگیا۔ اس وقت شیرنی گردوارے کے اندر ہی تھی۔ انسپکٹر کو دیکھ کر گرنتھی باوا سنگھ کچھ پریشان سا ہو گیا۔

"کیا بات ہے انسپکٹر صاحب۔" انسپکٹر گرنتھی کو ایک طرف لے گیا اور کہا۔

"سردار جی! ہمارے پاس ایک ایسا گواہ موجود ہے جس نے آپ کی سیوادارنی کو آج دوپہر کے بعد اس رکشے سے اترتے دیکھا ہے جس میں رکشا ڈرائیور کی لاش ملی ہے اور ہمیں یہ ثبوت بھی مل گیا ہے کہ اس قتل میں آپ کی سیوادارنی کا ہاتھ ہے۔ میں آپ کو اعتماد میں لے کر یہ کہہ رہا ہوں کہ ہمیں بھی کاغذات کا پیٹ بھرنا ہوتا ہے۔ سیوادارنی کو ہمارے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے تھانے بھیج دیں۔ ہم اس کا بیان لے کر اسے واپس گردوارے میں پہنچا دیں گے۔ دوسری صورت میں اس کیس میں آپ کو بھی شامل تفتیش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آپ نے ایک قاتل کو اپنے ہاں چھپایا ہے۔" گرنتھی باوا سنگھ کچھ گھبرا گیا۔ یہ سچ تھا کہ عورت رکشے میں اسی روز آئی تھی۔ اور ممکن ہے کہ ڈرائیور کو اسی نے قتل کیا ہو۔ باوا سنگھ اپنے آپ کو اس کیس میں ملوث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ خالصتان کے کمانڈو گردیال سنگھ کا بھی دوست اور ساتھی رہ چکا تھا مگر اس نے اس تحریک میں کبھی عملی حصہ نہیں لیا تھا۔ یہ قتل کا معاملہ تھا۔ گرنتھی نے کہا

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اگر عورت نے کوئی جرم کیا ہے تو اسے اس کی سزا قانون کے مطابق ضرور ملنی چاہیے۔"

اس دوران شیرنی نے ایک ادھ کھلی کھڑکی کی اوٹ سے پولیس انسپکٹر کو گرنتھی سے باتیں کرتے دیکھ لیا تھا۔ گرنتھی کے باتیں کرنے کے انداز نے یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ وہ پولیس کے ساتھ تعاون کرنے پر تیار ہے۔ شیرنی جانتی تھی کہ وہ ایک بار پولیس کے ہتھے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چڑھ گئی تو پھر اس کی زندہ واپسی ممکن نہیں ہو گی۔ وہ کمرے کے دوسرے دروازے میں سے باہر نکل گئی۔ پستول اس کے پاس ہی رہتا تھا۔ جو اس نے اپنے لباس کے نیچے چھپا رکھا تھا۔ سامنے گردوارے کی دیوار تھی۔ یہاں اندھیرا تھا۔ ایک جگہ دیوار کے ساتھ پتھروں کا ڈھیر پڑا تھا۔ شیرنی ڈھیر پر چڑھ گئی۔ دوسری جانب میدان سا تھا جس کے کنارے کچھ فاصلے پر سڑک کی بتیاں نظر آ رہی تھیں۔ شیرنی نے دیوار پر سے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ جونہی اس نے چھلانگ لگائی پولیس کے دس بارہ سپاہیوں نے اسے وہیں دبوچ لیا۔ ڈوگرہ انسپکٹر اتنا احمق نہیں تھا کہ ایک طرف تو وہ مجرم کو پکڑنے کے لیے گرنتھی سے بات چیت کر رہا ہو اور دوسری طرف اس بات سے غافل ہو جائے کہ مجرم دیوار پھاند کر فرار بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے پولیس کے دس بارہ سپاہیوں کو پہلے سے نگرانی کے لیے گوردوارے کی دیوار کے پیچھے لگا دیا تھا۔ اس کا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا۔ جب شیرنی کو ہتھکڑی سمیت انسپکٹر کے سامنے پیش کیا گیا تو گرنتھی بھی حیران رہ گیا۔ انسپکٹر اپنی اور سپاہیوں کی کارکردگی پر بے حد خوش تھا۔ اس نے گرنتھی سے کہا۔

"سردار جی! قاتل خود چل کر ہمارے پاس آ گیا ہے۔ اب آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" گرنتھی باوا سنگھ نے بے بسی اور کچھ شرمندگی کے احساس کے ساتھ شیرنی کو پولیس کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوتے دیکھا اور اپنے آپ کو یہ کہتا ہوا استھان کی طرف بڑھا۔" میں کیا کر سکتا ہوں۔ اگر یہ لڑکی ایک آدمی کو قتل کر کے آ گئی ہے گردیال نے پوچھا تو کہہ دوں گا۔ لڑکی قاتلہ تھی۔ میں اسے کس طرح بچاتا؟"

تھانے میں شیرنی کی تلاشی لی گئی تو اس سے ایک بھرا ہوا پستول برآمد ہو گیا۔ انسپکٹر کو یقین ہو گیا کہ یہ خطرناک کیس ہے۔ یہ عورت جو اپنے آپ کو محض ایک سیوادارنی بتا رہی ہے اس کا تعلق خالصتان کے دہشت گرد کمانڈوز سے ہے۔ یہ تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ جس عورت کو وہ قتل کے جرم میں پکڑ کر تھانے لایا ہے وہ مسلمان ہے اور نہ جانے کتنے جرائم پیشہ تخریب کاروں کو قتل کر چکی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ایک مکمل تربیت یافتہ دلیر کمانڈو ہے۔ اس نے شیرنی سے پستول کے بارے میں سوالات کیے جس کا شیرنی خاطر خواہ جواب نہ دے سکی۔ انسپکٹر نے اسے حوالات میں بند کر دیا اور

راتوں رات پولیس پارٹی کو گرنتھی باوا سنگھ کے گاؤں کی طرف روانہ کر دیا تھا کہ یہ پتہ چلایا جا سکے کہ اس عورت کا گرنتھی باوا سنگھ کی برادری سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ ساتھ ہی اس ہندو انسپکٹر نے جالندھر پولیس ہیڈ کوارٹر کو بھی مطلع کر دیا کہ جموں میں خالصتان کی ایک سکھ کمانڈو عورت کو گرفتار کیا گیا ہے۔ جس سے پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔

شیرنی حوالات میں پھٹے پرانے کمبل پر بیٹھی رہی شبد اونچی آواز میں پڑھنے لگی جو اس نے گردوارے میں سنا تھا اور اسے یاد ہو گیا تھا۔ اس طرح وہ تھانے کے سکھ اہل کاروں کے دلوں میں اپنے لیے ہمدردی کے جذبات ابھارنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اندر سے ہر سکھ خالصتان کا حامی ہے اور سکھ مت پر اپنی جان قربان کرنے کو ہر وقت تیار رہتا ہے۔ شیرنی نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اس نے کسی کو قتل نہیں کیا اونچی آواز میں شبد گانے سے وہاں کے سکھ سپاہی تو چپ رہے مگر ایک ہندو ڈوگرہ کانسٹیبل نے شیرنی کو گالی دے کر شبد پڑھنے سے منع کیا۔ اس پر سکھ کانسٹیبل نے ہندو کانسٹیبل کو جھاڑ پلائی اور کہا۔ وہ گوراوں کا بانی کا پاٹھ کر رہی ہے۔ تم اسے گالی دینے والے کون ہوتے ہو؟" شیرنی اسی قسم کی فضا پیدا کرنا چاہتی تھی تاکہ اس پر تشدد نہ ہو۔ وہ صرف تشدد سے گھبرا رہی تھی۔ کیونکہ وہ نہتی تھی۔ اور دشمنوں میں گھر گئی تھی۔ انسپکٹر نے اس پر تشدد کیا تو اس کے لیے اپنی عزت بچانی مشکل ہو جائے گی۔ شیرنی اور اونچی آواز میں شبد پڑھنے لگی۔ پھر اس نے زور سے نعرہ لگایا۔

"جو بولے سو نہال

ست سری اکال"

غیر ارادی طور پر حوالات کے باہر جو سکھ کانسٹیبل کھڑے تھے انہوں نے بھی نعرے کے جواب میں ست سری اکال کہہ دیا۔ ہندو انسپکٹر آگ بگولا ہو کر حوالات کی طرف آیا۔ اس نے شیرنی کو شبد گانے اور نعرے لگانے سے سختی سے منع کیا۔ وہ بھی فضا کو مذہبی اور سیاسی رنگ اختیار کرتے دیکھ کر محتاط ہو گیا تھا۔ شیرنی اس فضا کا پورا پورا فائدہ اٹھا رہی تھی۔ وہ برابر جھوم جھوم کر گوربانی پڑھ رہی تھی۔ خالصتان کے بارے میں اس نے زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا تھا۔ وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھی کہ اگر اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خالصتان کا نام لیا تو ہندو انسپکٹر کو اس پر تشدد کرنے کا جواز مل جائے گا۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اونچی آواز میں ایک ہی جملہ دہراتی کہ میں ہرنس کور گورو کی سیوادارنی ہوں۔ میں گردوارے میں سیوا کرنے آئی تھی۔ اس ہندو نے مجھے قتل کے الزام میں پکڑ لیا ہے۔ سچے گرو بادشاہ میری مدد کریں گے۔ ہندو پولیس انسپکٹر نے فوراً ایس پی کو فون پر ساری صورتحال بیان کر دی۔ ایس پی سکھ تھا اس نے کہا۔

"آج کل سیاسی حالات ویسے بھی گڑ بڑ ہیں اس عورت کو زیادہ مت چھیڑو۔ صبح دیکھ لیں گے۔"

ہندو انسپکٹر خاموش ہو گیا۔ اندر سے وہ بھی کچھ گھبرا گیا تھا۔ شیرنی نے جو سیاسی حکمت عملی اختیار کی تھی وہ بڑی کامیاب ثابت ہو رہی تھی۔ اب وہ محض ایک اخلاقی مجرمہ نہیں تھی بلکہ ایک سیاسی اور مذہبی کارکن تھی جس پر قتل کا الزام تھا اور جو تھانے کے ایک خاص مذہبی طبقے میں جوش و خروش کو ہوا دے سکتی تھی۔ ہندو انسپکٹر یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ جموں میں بھی خالصتان کے حامی سکھ ہندوؤں کو قطاروں میں کھڑے کر کے گولیوں سے اڑا رہے ہیں۔ پھر اس کی ترقی کا معاملہ بھی تھا۔ جب کہ اس کا انچارج بھی ایک سکھ تھا۔

ان تمام حالات پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد انسپکٹر نے شیرنی کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کے فیصلے کے ساتھ اس نے یہ بھی طے کر لیا کہ صبح ہوتے ہی شیرنی کو تھانے کی حوالات سے جوڈیشل جیل میں منتقل کر دیا جائے گا۔ پھر جیل والے جانیں اور وہ جانے۔ قتل کے کیس کی وہ بے دلی سے پیروی ضرور کرتا رہے گا۔ کسی نہ کسی طرح انسپکٹر نے رات گزار دی۔ صبح ہوتے ہی اس نے سکھ ایس پی کو فون پر بتایا کہ سرمیں ملزمہ کو جوڈیشل حوالات میں بھجوا رہا ہوں یہاں اس کے رہنے سے نقص امن کا خطرہ ہے۔ ایس پی نے اسے اجازت دے دی۔ اس کے ساتھ ہی ہندو انسپکٹر نے پولیس گارڈ کے ساتھ شیرنی کو جموں کی جوڈیشل حوالات کی طرف روانہ کر دیا اور سکھ کا سانس لیا۔

جوڈیشل حوالات زنانہ جیل میں تھی۔ یہاں شیرنی کو دوسری قیدی عورتوں سے الگ رکھا گیا۔ جیل کا وارڈن برہمن ہندو تھا وہ بے حد متعصب اور کٹر برہمن تھا اور

خالصتان کا جانی دشمن تھا۔ جب اسے شیرنی کے بارے میں پوری رپورٹ ملی تو اس نے خود حوالات میں جا کر شیرنی کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹا بید تھا جس پر چمڑا منڈھا ہوا تھا۔ وارڈن نے بید کو آہستہ آہستہ اپنی ہتھیلی پر گھماتے ہوئے شیرنی سے پوچھا۔

"تم نے اور کتنے ہندو قتل کیے ہیں؟" شیرنی نے ست سری اکال کا نعرہ لگا کر کہا "میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔" برہمن وارڈن نے اپنی چھوٹی چھوٹی سنگدل آنکھیں شیرنی پر مرکوز کر رکھی تھیں۔ اچانک اس کا بید والا ہاتھ اوپر اٹھا اور پھر اتنی زور سے شیرنی کے جسم پر پڑا کہ شیرنی کی بے اختیار چیخ نکل گئی۔ وارڈن نے بید کو شیرنی کی گردن کے ساتھ لگا کر زور سے پیچھے دھکا دیا اور اسے باپ کی گالی دے کر کہا۔

"یہاں بہت جلد تیرے ہوش درست ہو جائیں گے۔ یہاں کوئی تیرا باپ نہیں ہے۔ ہم سب تیرے خاوند ہیں۔"

شیرنی فرش پر بیٹھی اپنے بازو کو سہلا رہی تھی جس پر پوری طاقت سے بید سے ضرب لگائی گئی تھی۔ شیرنی نے وارڈن کو ایک سرسری نگاہ سے دیکھا اور اس لمحے فیصلہ کر لیا کہ وہ اسے قتل کیے بغیر اس جیل سے فرار نہیں ہو گی۔ جیل کی فضا تھانے کی فضا سے مختلف تھی۔ یہاں کا سپرنٹنڈنٹ جیل وارڈن حوالدار جمعدار وغیرہ سب ہندو ڈوگرے تھے۔ شیرنی کی سیاست یہاں نہیں چل سکتی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہیڈ وارڈن ایک کٹر برہمن ڈوگرہ تھا۔ اور خالصتان کا جانی دشمن تھا۔ پھر بھی شیرنی نے اپنا ایک مذہبی سیوادارنی کا رویہ جاری رکھا۔ اس کے سامنے دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ وہاں سے فرار ہونے کے طریقوں پر بھی غور کرنے لگی۔

دوسرے روز دوپہر کو پولیس گارڈ جالندھر سے واپس آ گئی۔ اس نے ہندو انسپکٹر کو رپورٹ دی کہ ہرنس کور نام کی کوئی عورت گرنتھی کی برادری میں نہیں ہے۔

"سر! اس عورت کا تعلق ڈائریکٹ خالصتان کمانڈو سے لگتا ہے۔"

ہندو سپاہی نے انسپکٹر کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔ ہندو انسپکٹر خالصتان اور کمانڈو کے نام سے الرجک ہو چکا تھا۔ کہنے لگا۔ یہ ٹھیک ہے مگر ہم اس پر قتل کا کیس ہی بنا کر تفتیش شروع کریں گے۔ ہماری یہی ڈیوٹی ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چنانچہ ہندو انسپکٹر نے قتل کے کیس کے کاغذات تیار کر کے معاملہ عدالت میں پیش کر کے دس دن کا ریمانڈ لے لیا۔ ریمانڈ کے واسطے بھی انسپکٹر نے شیرنی کو تھانے کے تہہ خانے میں نہ بلایا بلکہ جوڈیشل جیل کے ایک کمرے میں ہی اس سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ پوچھ گچھ کرنے میں بھی وہ بہت محتاط تھا اور بے دلی سے ساری کارروائی کر رہا تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی خالصتانی کمانڈوز سے جان بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شیرنی جرم سے مسلسل انکار کر رہی تھی۔ انسپکٹر اس پر تشدد نہیں کر رہا تھا۔ بلکہ سمجھا رہا تھا کہ تم جرم کا اقرار کر لو میں آگے جا کر تمہیں بچا لوں گا۔ مگر شیرنی اس کے بچھائے ہوئے جال میں نہیں آ رہی تھی۔

ریمانڈ کے دن گزر گئے۔ انسپکٹر نے عدالت سے مزید پانچ دن کا ریمانڈ لے لیا۔ اس دوران بھی وہ شیرنی سے اقرار جرم کرانے میں ناکام رہا تو ایس پی کے مشورے سے انسپکٹر نے اپنی طرف سے اقرار جرم ڈال کر کیس عدالت میں پیش کر دیا۔ شیرنی اگر عدالت میں جا کر "منحرف" ہوتی تو ہوا کرے۔ کم از کم میری جان تو چھوٹے گی۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ کیس لٹک جائے گا۔ ہندو انسپکٹر نے یہی سوچ کر کارروائی کو آگے بڑھایا۔

یہ صورتحال شیرنی کے لیے اس لیے بھی مفید تھی کہ اسے جیل سے فرار ہونے کے کسی منصوبے پر غور کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ قدرت نے اسے تشدد سے بھی بچا لیا تھا۔ گربانی کا پاٹھ اور ست سری اکال کے نعرے اس کے کام آ گئے تھے۔ اسے جس جوڈیشل حوالات میں رکھا گیا تھا وہ جیل کے اندر سب سے الگ تھلگ تھی اس کی ایک جانب چھوٹا میدان اور پیچھے برہمن وارڈن کا دفتر تھا۔ آگے برآمدہ تھا جہاں ہر وقت ہندو ڈوگرہ سپاہی پہرے پر موجود رہتے تھے۔ حوالات کا دروازہ سلاخ دار تھا۔ صرف ایک چھوٹی سی کھڑکی کھول کر شیرنی کو دن میں دو بار باسی روٹیوں کے ساتھ گندی دال کھانے کو دی جاتی تھی۔ باتھ روم بھی اس کوٹھری کے اندر ہی ایک چار فٹ اونچی دیوار کھڑی کر کے بنا دیا گیا تھا۔ دن میں صرف ایک بار سہ پہر کے وقت شیرنی کو دو ہندو کانسٹیبل حوالات سے نکال کر باہر میدان میں تھوڑی دیر ٹہلواتے اور دوبارہ حوالات میں بند کر دیتے۔

اس دوران خالصتانی کمانڈو گردیال سنگھ کو بھی پتہ چل گیا کہ اس کی منہ بولی بہن

ہربنس کور کو جموں پولیس نے کسی ہندو رکشہ ڈرائیور کے قتل کے کیس میں پھانس کر جوڈیشل حوالات میں بند کر دیا ہے۔ وہ یہ سن کر بپھر گیا۔ اس کے دونوں کمانڈو ساتھی فوجا سنگھ اور جرنیل سنگھ اس کے پاس بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ گردیال نے گرنتھی باوا سنگھ کو گالی دے کر کہا۔ "وہ میری بہن کی بھی حفاظت نہیں کر سکا؟ اس سے تو میں بعد میں نمٹ لوں گا پہلے ہمیں اپنی بہن کو ہندو کی قید سے نکالنا ہے۔ کیوں فوجا سیاں تیار ہو؟" فوجا سنگھ اور جرنیل سنگھ دونوں مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بھڑک مار کر کہا۔

"فوجاں تیار ہیں گردیال سیاں۔"

انہوں نے اسی وقت منصوبہ بندی پر غور کرنا شروع کر دیا فوجا سنگھ کہنے لگا۔

"سردارا اتنا سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں سوچتے رہے تو ہماری بہن ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ میں جوڈیشل جیل کے برہمن وارڈن کو جانتا ہوں۔ وہ تو ہمارا جانی دشمن ہے۔"

گردیال سنگھ بولا۔ "تو پھر فکر کیوں کرتے ہو۔ اس کو سب سے پہلے ختم کریں گے۔"

جرنیل سنگھ نے مشورہ دیا کہ ہمیں بھیس بدل کر جموں شہر میں داخل ہونا ہو گا۔ ہم اس باوا سنگھ والے گردوارے میں نہیں جائیں گے۔ کیونکہ پولیس ضرور گردوارے کی نگرانی کر رہی ہو گی۔

"فکر کیوں کرتے ہو۔" گردیال سنگھ بولا۔ "ہم بیری والی دھرم شالے میں چلے چلیں گے۔ وہاں ساری سنگتاں اپنی ہیں۔"

آخر یہی طے پایا کہ وہ سکھ یاتریوں کا بھیس بنا کر جموں شہر میں داخل ہوں گے اور بیری والی دھرم شالہ میں قیام کریں گے۔ وہاں سے پھر ہربنس کور کو فرار کروانے کا منصوبہ تیار کیا جائے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات انہوں نے گزار دی۔ دوسرے روز تینوں خالصتانی سکھ کمانڈوز نے اپنے حلیے سکھ یاتریوں والے بنائے۔ لمبے لمبے کرتے اور تنگ موری والے پاجامے پہنے۔ گلے میں زرد رنگ کے صافے ڈالے، چھوٹے چھوٹے بستر باندھ کر کاندھے سے لٹکائے۔ بغل میں کرپانیں اور گربانی کے گٹکے ڈالے اور واہگورو کے نام کا جاپ کرتے جالندھر شہر کے موٹروں کے اڈے پر آگئے۔ یہاں سے جموں کی طرف لاریاں جاتی تھیں۔ وہ الگ الگ لاریوں میں سوار ہو کر جموں کی طرف روانہ ہو گئے۔

جموں پہنچ کر وہ سب بیری والی دھرم شالہ میں ایک دوسرے سے آن ملے۔ اس دھرم شالہ کا سکھ انچارج گردیال سنگھ اور اس کے ساتھیوں کو جانتا تھا اور ان کا ہمدرد اور دوست تھا۔ اس نے تینوں کمانڈوز کی بڑی آؤ بھگت کی اور ایک الگ کمرہ انہیں رہنے کے لیے دے دیا۔ اس نے بالکل نہ پوچھا کہ وہ کس مشن پر جموں آئے ہیں۔ اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دینے آئے ہیں۔

اس دھرم شالہ کے باہر سی آئی ڈی والا ایک بوڑھا پنڈت چائے کی دکان کے آگے اسٹول پر بیٹھا سگریٹ پیتا رہتا تھا۔ وہ یہ ڈیوٹی بے دلی سے دے رہا تھا۔ زیادہ وقت وہ چائے کی دکان کے اندر سونے یا لوگوں سے گپ شپ کرنے میں گزارتا۔ کسی وقت باہر اسٹول پر آکر بیٹھ جاتا اور رات کو ڈائری میں یہ لکھ دیتا کہ سب ٹھیک ہے۔ کوئی مشکوک آدمی دھرم شالہ میں نہیں آیا۔ سی آئی ڈی کے اس آدمی کی تن آسانی کے باعث تینوں خالصتانی کمانڈوز دھرم شالہ میں محفوظ ہو گئے تھے۔

اپنی کوٹھری میں تینوں سکھ کمانڈو سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور سوچنے لگے کہ ہربنس کور یعنی

شیرنی کو جیل سے کیسے نکالا جا سکتا ہے۔ جرنیل سنگھ کہنے لگا۔

"گردیال سیاں! ہمارے پاس اتنا اسلحہ نہیں ہے کہ ہم جیل پر ہلہ بول دیں۔ یہی ہو سکتا ہے کہ پہلے سی آئی ڈی کی جائے اور پتہ چلایا جائے کہ رات کو جیل کی حوالات میں کتنے آدمی پہرے پر ہوتے ہیں۔ پھر اسی حساب سے پروگرام بنایا جائے۔" فوجا سنگھ نے مشورہ دیا۔

"ملاقاتی بن کر اندر جاتے ہیں اور ساری سی آئی ڈی کر لیتے ہیں۔"

گردیال سنگھ نے ہاتھ کے اشارے سے دونوں کو بیٹھے رہنے کو کہا اور بولا۔

"تمہاری مت ماری گئی ہے۔ ہماری تصویریں اس جیل میں بھی پہنچی ہوئی ہیں۔ ہم کوئی بھیس بدل کر بھی ملاقات کرنے گئے اسی وقت پکڑے جائیں گے۔"

جرنیل سنگھ نے چڑ کر کہا۔

"تو پھر جا کر برہمن کی منت کریں کہ ہربنس کور کو چھوڑ دو؟"

گردیال نے غصے میں آکر کہا۔

"اس کی تو میں ......"

آگے جو کچھ گردیال سنگھ نے کہا تھا وہ ہم یہاں لکھ نہیں سکتے۔ بہر حال اس میٹنگ میں یہی طے ہوا کہ پہلے جوڈیشنل حوالات کا محل وقوع اور رات کو سپاہیوں کی نفری کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں گی اور اس کے بعد اٹیک کیا جائے گا۔ یہ جرنیل سنگھ کی ڈیوٹی لگی۔ کیونکہ وہ ہر قسم کا پارٹ ادا کرنے اور بھیس بدل لینے میں بڑا ماہر تھا۔ چنانچہ جب دن نکلا تو جرنیل سنگھ نے سر کے بال کھلے چھوڑ کر سادھو کا بھیس بدلا اور گڑوی بجا کر میرا بائی کے بھجن گاتا جیل کی طرف چل پڑا۔ ایک گھنٹے بعد جب واپس آیا تو اس کے پاس کافی معلومات تھیں اس نے اپنے ساتھی کمانڈوز کو بتایا۔

"ہربنس کور کو جس جوڈیشنل حوالات میں رکھا گیا ہے وہ جیل کے پچھم کی طرف ہیڈ وارڈن کے آفس کے بالکل ساتھ ہے۔ پچھلی طرف بیچ میں جیل کی دیوار ہے۔ رات کو برہمن ہیڈوارڈن بارہ بجے تک دفتر میں ہی ہوتا ہے۔ برآمدے میں چار پانچ سپاہی ڈیوٹی پر ضرور موجود رہتے ہیں۔"

یہ ساری معلومات جرنیل سنگھ نے ایک ایسے ضعیف الاعتقاد ہندو سے حاصل کی تھیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو جیل کا دھوبی تھا اور وہیں اندر ایک کوارٹر میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔ گردیال سنگھ نے کہا۔

"تو پھر کیا رائے ہے سنگستاں کی؟"

"اٹیک کر دو آج رات۔" فوجا سنگھ بولا۔

"لیکن ہرنس کور کو ہم دھرم شالا میں نہیں لائیں گے۔" جرنیل سنگھ نے کہا گردیال نے جواب میں کہا۔

"یہاں کیوں لانا ہے اس کو ..... سیدھا کٹھوعہ کی طرف فرار ہوں گے۔ جنگل کا کونسا خفیہ راستہ ہے جو ہمیں معلوم نہیں۔"

"ہمیں گاڑی کی ضرورت پڑے گی۔"

"گاڑی اسی برہمن وارڈن کی جو ہو گی۔ وہ کس کے کام آئے گی؟" گردیال سنگھ نے اسے گالی دے کر کہا۔ انہوں نے اسی روز رات کو جیل توڑنے کا پروگرام طے کر لیا۔ یہ تینوں اس کام کے ماہر تھے۔ ان میں ہر کوئی کمانڈو کم از کم چار مرتبہ جیل توڑ چکا تھا۔ اس جوڈیشل جیل میں سے رات کے وقت ایک عورت کو نکالنا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ صرف ان کی جان کو خطرہ تھا۔ سو وہ کوئی بھی کام کرتے جان ہتھیلی پر رکھ کر کرتے تھے۔ جرنیل سنگھ نے اپنا سادھوؤں والا حلیہ ویسے ہی رہنے دیا۔ باقی دونوں کمانڈوز نے رات کے دس بجے کے قریب اپنے بستروں میں ساتھ لائی ہوئی کمانڈوز کی وردیاں یعنی سیاہ پتلونیں' سیاہ جیکٹیں پہن لیں۔ سروں پر پگڑیوں کے اوپر خوب کس کر سیاہ رومال باندھ لیے۔ ریزالور جیبوں میں رکھ لیے جن کے میگزین بھرے ہوئے تھے۔ کرپانوں کے علاوہ ہر ایک کے پاس خاص قسم کے کمانڈو خنجر بھی تھے جن کا وار کبھی خالی نہیں جاتا تھا۔ ان چاقوؤں کی ایک طرف تیز دھار تھی اور دوسری جانب بڑے تیز دندانے تھے۔ ان کا وار زیادہ تر گردن پر کیا جاتا۔ گردن پر وار کرنے کا بڑا فائدہ یہ تھا کہ دوسرا وار کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور دشمن کی شہ رگ کٹ جاتی تھی۔ اس کام میں یہ تینوں بڑے تربیت یافتہ تھے۔

رات کے ٹھیک ساڑھے دس بجے یہ تینوں کمانڈوز دھرم شالا کے پچھلے دروازے سے

باری باری تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ نکلے اور جوڈیشل جیل کی طرف روانہ ہو گئے اندھیری رات تھی شہر کی طرف ضرور بتیاں روشن تھیں مگر اس طرف صرف سڑک پر اسٹریٹ لائٹیں جل رہی تھیں۔ وہ بھی بڑی مدھم مدھم۔ یہ سڑک سے ہٹ کر کھیتوں اور فصلوں میں سے گزر رہے تھے۔ جرنیل سنگھ جو سادھو کے بھیس میں تھا جیل کے قریب پہنچ کر بڑے گیٹ کی طرف ہو گیا۔ انہیں جو کچھ کرنا تھا وہ سب آپس میں طے کر لیا گیا تھا۔ فوجا سنگھ اور گردیال کمانڈو جیل کی دیوار کے پیچھے وہاں آکر رک گئے جس طرف جوڈیشل حوالات کی عقبی دیوار لگتی تھی۔ یہ دیوار بیس پچیس فٹ اونچی تھی۔ یہ کوئی امریکی جیل نہیں تھی کہ جس کے ہر کونے پر روشنی پھینکنے والی مچان بنی ہوتی اور وہاں پر مورچہ بھی لگا ہوتا۔ یہاں صرف پھاٹک کے اوپر جو ٹاور بنا تھا وہاں پر سرچ لائٹس کا بندوبست تھا۔ باقی جیل کی دیوار کے ساتھ ساتھ ہر پچاس فٹ کے بعد ایک کھمبا لگا تھا جس پر کمزور سا بلب رات بھر جلتا رہتا۔ جیل کے اندر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

گردیال سنگھ نے تھیلے میں سے نائیلون کی رسی کا گچھا نکال کر کھولا۔ اس کے آگے فولاد کا آنکڑا بندھا ہوا تھا۔ یہ آنکڑا اوپر جا کر کسی نہ کسی جگہ ضرور اٹک جاتا تھا۔ جیل کے اندر جانے کا ان کے پاس صرف یہی ایک ذریعہ تھا۔ گردیال نے رسی کو زور سے گھما کر دیوار کے اوپر پھینک دیا اور ہاتھ کی رسی بالکل ڈھیلی کر دی تاکہ دوسری طرف اگر آنکڑا دیوار کے ساتھ ٹکرائے تو زیادہ آواز پیدا نہ ہو۔ یہ دیوار بھی آدھی کچی اور آدھی پکی تھی۔ آنکڑا ہلکی سی آواز کے ساتھ دیوار کی دوسری جانب زمین پر جا گرا۔ گردیال رسی کو آہستہ آہستہ کھینچنے لگا کہ کہیں آنکڑا اٹک جائے۔ مگر رسی اس کے ہاتھوں میں کھنچی چلی آرہی تھی۔ فوجا سنگھ جو قریب کھڑا تھا دھیمی آواز میں بولا۔

"جگہ ہم نے غلط چن لی ہے۔"

گردیال سنگھ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اچانک رسی اٹک گئی۔ گردیال نے رسی کو ڈھیلا کرنے کی بجائے اسے تان لیا اور زور لگا کر کھینچا۔ آنکڑا کسی جگہ مضبوطی سے اٹک گیا تھا۔ گردیال نے فوجا سنگھ سے کہا۔

"چل پلے۔ دھیان سے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فوجا سنگھ اسی وقت رسی کو ہاتھ میں لے کر دیوار کے ساتھ پاؤں ٹیک کر اوپر چڑھنے لگا۔ وہ ایک تجربہ کار کمانڈو کی طرح دیکھتے دیکھتے دیوار کے اوپر پہنچ گیا۔ اوپر جاتے ہی وہ دیوار کے اوپر لیٹ گیا پھر دوسری طرف اتر گیا۔ رسی گردیال کے ہاتھ میں تھی۔ رسی کو ہلکا سا جھٹکا لگا۔ یہ لائن کلیر کا سگنل تھا۔ گردیال بھی دیوار چڑھنے لگا۔

دونوں کمانڈو دیوار کی دوسری طرف اندھیرے میں بیٹھ گئے۔ گردیال نے دیکھا کہ آنکڑا وہاں زمین پر پڑے درخت کے ایک تنے کے ساتھ اٹکا ہوا تھا۔ اس نے آنکڑے کو وہیں اٹکا رہنے دیا کیونکہ کچھ پتا نہیں تھا کہ انہیں وہیں سے دیوار پار کرنی پڑ جائے۔ دونوں کمانڈو جھک کر اندھیرے میں حوالات کے برآمدے کی طرف چلنے لگے۔ چند قدم چلنے کے بعد انہیں دو کانسٹیبلوں کی آپس میں باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر سگریٹ کے تمباکو کی بو آئی۔ دونوں اب صرف اشاروں میں باتیں کر رہے تھے۔ گردیال نے فوجا سنگھ کو برآمدے کے دوسری طرف جانے کا اشارہ کیا۔ فوجا سنگھ برآمدے کے قریب پہنچ کر اندھیرے میں دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ ادھر گردیال بھی دیوار کے ساتھ اندھیرے میں نیچے ہو کر بیٹھ گیا۔

اب انہیں جرنیل سنگھ کے سب ٹھیک ہے کے سگنل کا انتظار تھا۔ جرنیل سنگھ اس وقت پھاٹک پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے پہرہ دینے والے سپاہی کو جاتے ہی بڑی محبت اور شفقت بھری آواز میں کہا۔

"بیٹا شیراں والی ماں تم پر بڑی مہربان ہے۔ تیرے دل میں جو چھپا ہے۔ خواہش ہے وہ بڑی جلدی پوری ہو جائے گی۔" جموں میں شیراں والی ماں دیوی کو بہت مانا جاتا ہے اور گھر گھر میں اسی کی پوجا ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ شیراں والی ماں کے نام پر اپنا سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ سپاہی ڈوگرہ ہندو تھا اور شیراں والی ماں دیوی کا پجاری تھا۔ اس نے اپنے سامنے ایک دراز قد باریش سادھو سنت کو کھڑے دیکھا اور اس کی زبان سے ماں شیراں والی کا آشیرباد سنا تو اس کی ضعیف لاعتقادی بیدار ہو گئی۔ جرنیل سنگھ نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا اور کہا۔

"ماں شیراں والی نے تیری ماتا جی اور تیرے لیے پرشاد بھیجا ہے۔ آؤ۔ اپنا پرشاد لے

لو۔ ہم تو سادھو سنت ہیں۔ ماں کے درشن کرنے آئے تھے۔ ماں نے کہا جاؤ میرا ایک اور شردھالو ہے۔ وہ جیل کے باہر پہرے پر کھڑا ہے۔ اسے میرا پرشاد دے آؤ۔ اسی غرض سے میں تیرے پاس آیا ہوں۔"

سپاہی نے ادھر ادھر دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ جیل کا پھاٹک بند تھا۔ روز ہی پھاٹک بند ہوتا ہے۔ کبھی کچھ نہیں ہوا۔ پھر آج کیا ہو جائے گا۔ سپاہی سادھو کے ساتھ ایک طرف ہو گیا۔ جرنیل سنگھ سادھو بنا پہلے سے تھیلے میں ہاتھ ڈالے نقلی پرشاد نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جونہی ڈوگرہ سپاہی اس کے قریب آیا تو تھیلے میں سے پرشاد کی بجائے کمانڈو چاقو باہر نکل آیا اور پلک جھپکنے میں سپاہی کی گردن پر پھر گیا۔ گردن کی شہ رگ پوری کی پوری کٹ گئی۔ اس سے پہلے کہ خون کا فوارہ چھوٹتا جرنیل سنگھ کمانڈو نے بڑی مہارت سے سپاہی کو پرے پھینک دیا۔ سپاہی زمین پر گرا۔ اس کے حلق سے عجیب قسم کی خرخر کی آوازیں نکلنے لگیں۔ جرنیل سنگھ نے اس کی گردن پاؤں سے دبا دی۔ آوازیں بھی دب گئیں۔ یہ زندگی کی آخری آوازیں تھیں۔ جب یہ آوازیں نکلنا بند ہو گئیں تو جرنیل سنگھ نے سپاہی کی وردی کے ساتھ لٹکا ہوا چابیوں کا چھلا اتارا اور دبے پاؤں پھاٹک کے پاس آ کر گیٹ کے نچلے چھوٹے دروازے کا تالا کھول دیا۔ دوسرے لمحے وہ جیل کے احاطے میں تھا اور تیز تیز قدموں سے چلتا پہلو کی طرف سے آ کر برآمدے میں آ گیا۔ یہاں ہیڈ وارڈن کے کمرے میں سے بجلی کی روشنی باہر آ رہی تھی۔ ہیڈ وارڈن برہمن پنڈت میز پر سر جھکائے بیٹھا ضروری اندراج کر رہا تھا۔ ایک آدمی اس کے سامنے کوئی فائل لیے کھڑا تھا۔ جرنیل سنگھ دیوار کے ساتھ لگا اندھیرے میں تھا۔ اسے سامنے سے ایک جمعدار آتا دکھائی دیا۔ جرنیل سنگھ وہیں نیچے ہو گیا۔ اس کا پروگرام ہیڈ وارڈن کو ہلاک کر کے آگے نکلنا تھا مگر اب حالات ایسے نہ رہے تھے۔ جیل کے پھاٹک پر سے پہردار سپاہی کی عدم موجودگی زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ کسی بھی وقت یہ راز کھل سکتا تھا۔ اور خطرے کا الارم بج سکتا تھا۔

جرنیل سنگھ وہیں سے زمین کے ساتھ رینگتا ہوا جوڈیشل حوالات کی دیوار کی طرف چلا برآمدے میں چھپ کر بیٹھے فوجا سنگھ نے ایک سایہ اپنی طرف رینگ کر آتا دیکھا تو چاقو پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ کیونکہ پروگرام کے مطابق جرنیل سنگھ کو برآمدے کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے آنا تھا۔ بہت جلد اس کو علم ہو گیا کہ یہ جرنیل سنگھ ہی ہے۔ جرنیل سنگھ جلدی سے لپک کر اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"وہاں آدمی ہیں۔"

گردیال سنگھ نے ایک دوسرے سائے کو پہلے سائے کے ساتھ آ کر ملتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ جرنیل سنگھ کے سوا دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا اور وہ اپنا کام کر آیا ہے یعنی برہمن وارڈن کو قتل کر آیا ہے۔ اس وقت دو جمعدار سپاہی شیرنی کی حوالات کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔

پروگرام کے مطابق اب فوجا سنگھ کو برآمدے کی ایک طرف سے اور گردیال سنگھ کو دوسری طرف سے آگے بڑھ کر ایک ایک سپاہی کو اس طرح دبوچ لینا تھا کہ ان کی ہلکی سی آواز بھی نہ نکل سکے۔ اس صورتحال سے فوجا سنگھ بھی باخبر تھا۔ چنانچہ اس نے برآمدے کی دوسری جانب گردیال سنگھ کے سائے کو حرکت میں آتے دیکھا تو فوجا سنگھ کے کان میں کہا۔

"یہاں خبردار ہو کر رہنا۔" ساتھ ہی وہ بھی برآمدے کی دیوار کے ساتھ ہو گیا۔

دونوں پہریدار جمعدار سپاہی ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے باتیں کرنے لگے تھے۔ اسی طرح ایک سپاہی برآمدے کے مشرق کی جانب اور دوسرا برآمدے کی مغرب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان دونوں کی نظریں ایک طرف ہوں تاکہ دوسری جانب سے ان میں سے ایک پر حملہ کیا جائے اور جب دوسرا اس کی طرف متوجہ ہو تو اس جانب سے ان پر گردیال سنگھ کمانڈو بلی بن کر گرے۔ یہ خیال دونوں کمانڈوز کے ذہن میں ایک ساتھ گردش کر رہا تھا۔ گردیال نے اس کا حل تلاش کرتے ہوئے اپنی طرف زمین سے ایک کنکر اٹھا کر برآمدے میں پھینکا۔ دونوں سپاہیوں نے ایک ہی طرف دیکھا۔ یہی ایکشن کا وقت تھا اور وقت صرف ایک سیکنڈ ہی تھا۔ اگر انہیں کمانڈو ٹریننگ نہ ہوتی اور موقع کی نزاکت کا احساس نہ ہوتا تو یہ وقت ایک سیکنڈ کا بڑا ہی قیمتی لمحہ گزر گیا ہوتا۔ مگر فوجا سنگھ نے اس لمحے کا بھرپور فائدہ اٹھا لیا۔ وہ بلی کی طرح اپنی طرف والے جمعدار سپاہی پر گرا اور اس کی گردن کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ کر نیچے کھینچ لیا۔ اسی لمحے دوسرا جمعدار اپنے ساتھی کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ ادھر سے گردیال سنگھ نے بلے کی طرح چھلانگ لگا کر

اس کی گردن کو اپنے بازو کے شکنجے میں جکڑتے ہوئے نیچے گرا لیا۔

شیرنی جاگ رہی تھی۔ وہ دوڑ کر سلاخوں کے پاس آ گئی۔ یہاں برآمدے میں بتی جل رہی تھی جس کی روشنی میں اس نے گردیال سنگھ کو پہچان لیا۔ موت کے اس کھیل میں کسی کو کوئی مہلت تو دی ہی نہیں جا سکتی تھی اور تربیت یافتہ خالصتانی دہشت گردوں کے سامنے جیل کے معمولی جمعدار سپاہیوں کی کیا حیثیت ہو سکتی تھی اور انہیں کیا مہلت مل سکتی تھی۔ ایک سیکنڈ گزر گیا تھا اور دوسرے سیکنڈ دونوں سپاہیوں کی گردنیں آدھی سے زیادہ کٹ گئی تھیں اور انہیں گھسیٹ کر برآمدے کی دوسری طرف اندھیرے میں ڈال دیا گیا تھا۔

فوجا سنگھ جرنیل سنگھ کے پاس تیزی سے چلا گیا جو اندھیرے میں چھپ کر بیٹھا۔ یہ سارا خونیں ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔ گردیال سنگھ نے چابی ایک جمعدار کی پیٹی سے نکال لی تھی۔ اس نے دوڑ کر حوالات کا دروازہ کھول دیا۔

"ہرنس بہنے باہر آ جا۔"

شیرنی پہلے ہی تیار تھی۔ وہ اس کے ساتھ برآمدے سے دوڑ کر اندھیرے میں آتے ہی اس نے گردیال سنگھ کے دوسرے ساتھیوں کو دیکھا تو آہستہ سے کہا۔

"میں وارڈن کو قتل کیے بغیر نہیں جاؤں گی۔

اس نے مجھے باپ کی گالی دی تھی۔"

اتفاق ایسا ہوا کہ شیرنی کی آواز وارڈن کے دفتر کے اندر تک پہنچ گئی۔ برہم وارڈن رجسٹر پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر باہر دیکھا۔

"یہ باہر کون ہے؟" جو نائب جمعدار وہاں کھڑا تھا دروازے کی طرف دیکھ کر بولا۔

"چوکیدار جوان ہیں جناب۔"

"یہ کسی عورت کی آواز تھی۔"

عیاش وارڈن نے شیرنی کی سرگوشی بھی سن لی تھی۔ وہ کرسی پیچھے کھینچ کر اٹھا اور جونہی دروازے کی طرف بڑھا۔ فوجا سنگھ گردیال سنگھ اور شیرنی ..... تینوں ریوالور تان کر اندر آئے اور دونوں کو وہیں کھڑے رہنے کو کہا۔ وارڈن کا رنگ اڑ گیا۔ اپنی ساری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سروس خاک میں ملتی نظر آئی۔ الارم کا بٹن اس کی دراز کے نیچے لگا تھا۔ وہ دونوں کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے میز کی طرف پیچھے ہٹا تو شیرنی نے اس کے حلق پر اتنی زور سے الٹا بازو مارا کہ وارڈن نیچے گر پڑا۔ شیرنی نے اس کی گردن اپنے گھٹنے پر رکھی اور بازو کے دوسرے بھرپور وار سے اس کی گردن کا منکا توڑ ڈالا۔ یہ ایک ایسا داؤ تھا جو ایک ماہر کمانڈو ہی جان سکتا تھا۔ گردیال سنگھ شیرنی کی مہارت اور دلیری سے بڑا متاثر ہوا۔ نائب جمعدار کو انہوں نے اسی دوران گلا دبا کر اگلی دنیا میں پہنچا دیا تھا۔

"فوجا سیاں۔! پھاٹک پر کون ہے؟"

جرنیل سنگھ نے کہا۔"میں گارڈ کو مار آیا ہوں۔"

چاروں دیوار کے ساتھ اندھیرے میں تیز تیز چلتے گیٹ کے چھوٹے گیٹ میں سے باہر نکل گئے۔ ایک طرف گیراج میں ہیڈ وارڈن کی جیپ کھڑی تھی۔ کچھ فاصلے پر اوپر بنی ہوئی مچان پر سے کسی نے بلند آواز میں پوچھا۔

"ادھر کون ہے اوئے؟"

جب کوئی جواب نہ ملا تو سرچ لائٹ کی روشنی گیراج کے باہر پڑی۔ گردیال سنگھ نے جیپ اسٹارٹ کر دی۔ جیپ گیراج کے باہر نکلی تو مچان پر سے کسی نے ڈیوٹی گارڈ کا نام لے کر پکارا۔ اسی کے ساتھ ہی مشین گن کا ایک برسٹ فائر ہوا۔ گولیاں جیپ کے پیچھے آ کر گریں۔

"بریک نہ لگانا گردیال سیاں۔"

اور جیپ پوری رفتار سے دو ایک بار اچھل کر شہر کو جاتی سڑک کی طرف دوڑنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی جیل کا الارم چیخ اٹھا۔ شیرنی کی جیپ وہاں سے کافی دور نکل چکی تھی اور اب وہ شہر کے باہر بڑی سڑک پر دوڑتی ہوئی کٹھوعہ روڈ پر پہنچنے والی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ سڑک پر ٹریفک بالکل نہیں تھا۔ کسی وقت کوئی ٹرک سامنے سے آ کر گزر جاتا تھا۔ گردیال سنگھ فل اسپیڈ پر جیپ لے جا رہا تھا۔ اسے یہاں کے چپے چپے کا پتہ تھا۔ جموں کی حدود سے نکلنے کے بعد انہیں اپنے روپوش اور جنگلوں کے خفیہ ٹھکانوں میں چھپے ہوئے ساتھیوں کا تحفظ مل سکتا تھا۔ اسی لیے جیپ کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتاری سے دوڑا رہا تھا۔

شہر سے باہر آ کر بڑی سڑک پر کچھ میل چلنے کے بعد گردیال نے جیپ کو ایک کچے راستے پر ڈال دیا۔ یہ کچا راستہ اسے اونچی اونچی گھاٹیوں میں سے گزارتا ایک چھوٹی نیم پختہ سڑک پر لے آیا جو کٹھوعہ کے بے آباد جنگلی علاقے میں نکل جاتی تھی۔

شیرنی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ گردیال اور جرنیل سنگھ اگلی سیٹوں پر تھے۔ رات آدھی ہو گئی تھی۔ چھوٹی سڑک کی دونوں جانب قد آدم جھاڑیاں تھیں۔ کبھی سامنے کوئی ٹیلہ آ جاتا۔ پھر یہ ٹیلہ پیچھے رہ جاتا اور جیپ کسی دوسرے ٹیلے کی طرف چلتی چلی جاتی۔ ایک جگہ کسی کھنڈر کی پتھریلی دیوار گزر گئی۔ جرنیل سنگھ نے کہا "یہاں سے میرا خیال ہے کھمبے پاسے ہونا ہے۔" گردیال نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"فکر نہ کرو۔ مجھے سب پتہ ہے کہاں جانا ہے۔" کافی دیر تک ان نیم پہاڑی علاقے میں رات کے اندھیرے میں سفر کرنے کے بعد جیپ اچانک دائیں طرف ڈھلان اترنے کے بعد گھوم کر ایک گھنے درخت کے نیچے رک گئی۔ یہاں ان لوگوں کا ایک خفیہ ٹھکانہ تھا۔ کچھ خالصتان کی تحریک سے تعلق رکھنے والے کمانڈو یہاں پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے اسی وقت دودھ گرم کر کے سب کو پلایا پھر بستر لگا دیے اور سب سو گئے۔

اگلے روز شیرنی نے اپنی جھونپڑی سے نکل کر باہر ایک نگاہ ڈالی۔ کچھ دیر درختوں کے نیچے ٹہلتی اور سوچتی رہی کہ اسے اب کیا کرنا چاہیے۔ ان لوگوں کو بھی شیرنی نے اپنی اصل حقیقت نہیں بتائی تھی۔ وہ اسے ہرجنس کور ہی سمجھ رہے تھے۔ جو خالصتان تحریک کی کارکن تھی اور جموں اپنے کسی رشتے دار کے پاس جا رہی تھی کہ ایک ہندو رکشہ ڈرائیور نے اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنا چاہا اس نے رکشہ ڈرائیور کو قتل کر دیا۔ وہ پکڑی گئی اور گردیال سنگھ اسے اپنے ساتھیوں کی مدد سے جیل میں سے نکال کر لے آیا تھا۔

شیرنی کو اپنے باپ شیر خان کی تلاش تھی۔ وہ یہی مشن لے کر جموں آئی تھی۔ گردیال سنگھ کو صحیح صورت حال بتانے کے بارے میں کئی بار شیرنی کے دل میں خیال آیا مگر اس کی ہمت نہ پڑی۔ وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی تھی کہ اصلی حقیقت جان لینے کے بعد گردیال سنگھ کے ساتھیوں کا کیا رد عمل ہو گا۔ ناشتہ کرنے کے بعد گردیال نے شیرنی سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہن ہربنس کور اب تم بتا دو کہ تمہیں جالندھر چھوڑ آئیں یا کسی دوسرے شہر جانا چاہتی ہو جہاں تمہارے رشتے دار ہوں۔"

شیرنی نے کچھ سوچ کر کہا۔

"اصلی بات یہ ہے بھائی جی کہ میں اپنے پتا جی کے ایک مسلمان دوست کی تلاش میں جموں آئی تھی جس کے پاس میرے پتا جی کے کچھ ضروری کاغذات ہیں جن کا تعلق ہماری فیروز پور والی جائیداد سے ہے۔"

گردیال سنگھ نے پوچھا۔

"تمہارے پتا جی کے دوست کا کیا نام ہے۔"

"شیر خان ..... اس کی عمر پچاس ساٹھ کی ہے۔ بھاری صحت مند بدن ہے۔ تھوڑے تھوڑے بال سفید ہیں۔ وہ مالیر کوٹلے میں رہتا تھا اور پتا جی کا دوست تھا۔ پھر اس پر قتل کا کیس بن گیا اور وہ مفرور ہو گیا۔ پتا جی نے مرنے سے پہلے مجھے بتایا تھا کہ وہ جموں میں نام بدل کر کوئی دکان کرتا ہے۔"

"پھر تم نے پتہ کیا تھا اس کا؟" جرنیل سنگھ نے پوچھا شیرنی کہنے لگی۔

"ہاں ..... مگر اس نام کا کوئی دکاندار وہاں نہیں تھا۔ میرے رشتے دار بھی جموں سے واپس جا چکے تھے۔"

گردیال سنگھ اور جرنیل سنگھ چپ ہو گئے۔ پھر گردیال کہنے لگا۔

"بی بی! تمہیں بہن بنایا ہے تو تم جیسے کہو گی میں ویسے ہی کروں گا۔ بے شک ہمارے ساتھ رہنا ہے تو ہمارے ساتھ رہو۔ تم دلیر عورت ہو تم نے وارڈن کو جس طریقے سے ہلاک کیا میں تمہاری بہادری اور مہارت پر حیران بھی ہوا اور خوش بھی ہوا ہوں ہمیں تمہاری ایسی بہادر سکھ شیرنیوں کی ضرورت ہے۔"

اس دوران شیرنی سوچ رہی تھی کہ اگر وہ ان لوگوں کے گروہ میں شامل ہو گئی تو جموں کے علاقے سے دور ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ لوگ جموں سے دور رہنے کا عہد کئے ہوئے تھے۔ ان کی گفتگو سے شیرنی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جالندھر امرتسر کے گرد و نواح میں جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ شیرنی کے لیے وہاں جانا بیکار تھا۔ اسے یہی اطلاع دی گئی تھی

کہ اس کا باپ جموں شہر میں کسی جگہ روپوش ہے۔ چنانچہ وہ جموں کے آس پاس ہی اپنے باپ کو تلاش کرنا چاہتی تھی۔ اگرچہ جموں میں اب اسے اپنی گرفتاری کا بھی قدم قدم پر خطرہ تھا مگر شیرنی ان خطروں کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ اس نے دل میں یہی فیصلہ کیا کہ وہ جموں کا علاقہ چھوڑ کر نہیں جائے گی۔ جب اس فیصلے سے شیرنی نے گردیال سنگھ کو آگاہ کیا تو وہ کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے بی بی اگر تم جموں کی پولیس اور ان کی سی آئی ڈی کی نظروں سے اپنے آپ کو بچا سکتی ہو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم تو جالندھر چلے جائیں گے۔ ہمارا ایک خالصہ مکھن سنگھ بابا اس جگہ پر موجود رہے گا۔ تم یہاں جتنے دن چاہوں رہ سکتی ہو۔ جب ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ تم اپنے پتا جی کے دوست کی تلاش میں شہر جاؤ تو کوئی دوسرا بھیس بنا کر جاؤ۔ مکھن سنگھ تمہیں بس پر چڑھا دیا کرے گا تمہیں راستے بھی بتا دے گا۔ شام سے پہلے تم یہاں واپس آ سکتی ہو۔"

اسی روز سورج غروب ہونے کے بعد گردیال سنگھ اور اس کے ساتھی شیرنی کو بابا مکھن سنگھ کے حوالے کر کے جالندھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ بابا مکھن سنگھ خالصہ تھا اور خالصتان کا بہت زبردست حامی تھا اس کی عمر ساٹھ کے قریب تھی۔ اگرچہ بوڑھا ہو رہا تھا مگر اس کے دل میں آزادی حاصل کرنے کا جذبہ جوان تھا۔

شیرنی کو ہم تھوڑی دیر کے لیے جموں کے اس خفیہ پہاڑی ٹھکانے پر چھوڑتے ہیں اور واپس کلکتے چلتے ہیں جہاں شیرنی کا باپ شیر خان سونا گاچی کے سب سے بڑے دشمن اور شہاب کے قتل کے الزام میں جیل میں بند ہے اور اس پر قتل کا مقدمہ چل رہا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ پولیس نے اس پر پاکستانی جاسوس ہونے کا مقدمہ بھی بنا دیا ہوا ہے اور تقریباً روزانہ اس پر تشدد کیا جا رہا تھا تاکہ وہ پاکستان کے بارے میں اہم معلومات مہیا کرے اور انڈیا میں موجود اپنے دوسرے ساتھیوں کے ٹھکانے بتائے۔ شیر خان نہ تو پاکستانی جاسوس تھا اور نہ اپنے وطن کے ساتھ غداری کر سکتا تھا۔ اس نے پاکستان کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ اور کلکتہ پولیس کا تشدد برداشت کر رہا تھا۔ دوسری طرف اسے اپنی بیٹی شیرنی کی بھی فکر لگی تھی کہ خدا جانے وہ کہاں ہو گی۔ کس حال میں ہو گی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیچھے سری لنکا سے سنیاسن منگی بھی شیر خان کی تلاش میں نکل چکی تھی۔ اور اسے کسی نہ کسی طرح یہ خبر مل گئی تھی کہ شیر خان اپنی بیٹی کی تلاش میں کلکتے پہنچ چکا ہے۔ سنیاسن منگی کو شیرنی سے ہمدردی تھی اور شیر خان سے وہ محبت کرتی تھی۔ شیرنی اسے اس لیے پسند نہیں تھی کہ وہ اس کے محبوب کی بیٹی تھی بلکہ شیرنی کو وہ اس کی دلیری جرات اور بے باکی کی وجہ سے پسند کرتی تھی۔ شیر خان سے منگی کی محبت دنیاوی طبقوں کے قید و بند سے آزاد تھی وہ شیر خان کی مردانہ وجاہت اور اس کی شجاعت کی وجہ سے اس سے محبت کرتی تھی۔ یہ محبت آزاد اور بے باک تھی۔ منگی کو آج تک شیر خان ایسا بہادر اور ادھیڑ عمری میں بھی جوان نظر آنے والا مرد نہیں ملا تھا۔ وہ ایسے ہی بے خوف مرد سے محبت کر سکتی تھی جو اس کی حفاظت کر سکے اور اسے نیچرل محبت کی بلندیوں سے روشناس کروا سکے۔

منگی سنیاسن کے بھیس میں تھی۔ یعنی اپنے اصل حلیئے میں تھی۔ وہ سنیاسن تھی اور اس کے پاس وہ زہریلے تیر بھی تھے جو اس نے انتہائی مہلک سانپوں کے زہر سے خود تیار کیے تھے۔ یہ چھوٹے چھوٹے ماچس کی تیلی جتنے سائز کے تیر تھے جنہیں بانس کی چھوٹی سی پھونکنی میں ڈال کر منگی چلاتی تھی جس کو تیر لگتا تھا اس کا جسم اسی لمحے زہر کے اثر سے سن ہو جاتا تھا۔ وہ کوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ گرتا اور چند سیکنڈ میں مرجاتا تھا اور اس کی لاش سانپ کے زہر کے اثر سے گلنا شروع ہو جاتی تھی۔

منگی نے اپنے تھیلے میں تیروں کا جائزہ لیا۔ اس کے پاس صرف چار تیر ہی باقی بچے تھے۔ وہ جنوبی بھارت کے ایک شہر کے ریلوے اسٹیشن سے گاڑی میں سوار ہوئی تھی اور کلکتے کی طرف جا رہی تھی۔ سنیاسی اور جوگیوں کے پہناوے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ان لوگوں سے کچھ عقیدت اور کچھ ڈر خوف کی وجہ سے ریلوے والے ٹکٹ طلب نہیں کرتے تھے۔ سنیاسن نے بھی ٹکٹ نہیں خریدا تھا اور بغیر ٹکٹ ہی ریل میں سوار ہو گئی تھی۔ وہ کلکتے پہنچ گئی۔ شیرنی کے بارے میں منگی کو علم تھا کہ اسے غلط اطلاع دی گئی ہے کہ اس کا باپ جموں میں ہے اور وہ یقیناً جموں میں ہی ہو گی۔ وہ سب سے پہلے کلکتے میں شیر خان کا سراغ لگانا چاہتی تھی۔ کلکتہ ایک بڑا شہر تھا مگر منگی کے لیے یہ کوئی اجنبی شہر نہیں تھا۔ اس شہر میں وہ پہلے بھی اپنے ڈیرے دار سنیاسیوں کے ساتھ دو تین بار آچکی

تھی۔ چنانچہ وہ جانتی تھی کہ اسے کس جگہ قیام کرنا ہے۔

کلکتے میں سونا گاچی کے شمال کی جانب ایک بستی میں جینی ہندوؤں نے ایک مذہبی سرائے بنا رکھی تھی جہاں ان کے مذہبی بھائی اور یاتری آکر قیام کرتے تھے۔ وہاں ان کے قیام اور کھانے کا مفت انتظام کیا جاتا تھا۔ ایک بار منگی اپنے باپ کے ساتھ وہاں چند روز آکر ٹھہری تھی۔ وہ کلکتے پہنچتے ہی سیدھی جینی سرائے میں آگئی۔ اس کا نام مہاویر آشرم تھا۔ رات سنیاسن منگی نے آشرم میں آرام کیا اور اگلے دن وہ شیر خان کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ شیر خان کا سراغ جن ٹھکانوں پر لگایا جا سکتا تھا وہ منگی کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھے۔ وہ سونا گاچی کے بدنام علاقے سے بھی واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہاں ناچ گانا ہوتا ہے اور جرائم پیشہ لوگوں کا یہاں اکثر آنا جانا لگا رہتا ہے۔ سنیاسن منگی اس علاقے میں آگئی۔ دن کے وقت یہاں کاروبار ٹھنڈا پڑا ہوتا ہے۔ یہ راتوں کو جاگنے والا علاقہ تھا۔ سنیاسی اور جوگی لوگ یہاں آتے ہی رہتے تھے کیونکہ یہاں کی طوائفیں اور ان کے ڈیرہ دار انتہائی توہم پرست تھے اور وہ جوگی جوگنوں کی بڑی آؤ بھگت کرتے تھے اور ان سے دیوی دیوتاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

منگی نے گلے میں خوب مالائیں ڈال رکھی تھیں۔ ماتھے پر کالی ماتا کا تلک لگا تھا۔ ہاتھ میں ترشول اور بغل میں گیروے رنگ کا تھیلا پڑا تھا۔ یہاں سندری نام کی ایک بائی جی کو منگی جانتی تھی۔ ایک بار اپنے باپ کے ساتھ وہ اس کے مکان پر آچکی تھی۔ وہ سیدھی سندری بائی کے مکان پر گئی۔ سندری نے ایک سنیاسن کو اپنے دوارے دیکھا تو جلدی سے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ پاؤں چھوئے اور کہا

"میرے دھن بھاگ کہ آپ میرے دوار آئیں۔" اس نے منگی کو بڑی عزت و تکریم کے ساتھ کمرے میں بٹھایا۔ گرمی تھی۔ پنکھا چلا دیا۔ نوکر بھیج کر فوراً بازار سے ٹھنڈی بوتل منگا کر پیش کی۔ منگی نے بوتل پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"بیٹی ہم سنیاسی لوگ ہیں۔ صرف تازہ پانی پیتے ہیں۔ تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں اپنے سوگباشی پتا کے ساتھ ایک بار تمہارے ہاں آچکی ہوں۔"

تب سندری نے منگی کو پہچان لیا اور بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ماتا! میرے بڑے سوبھاگ ہیں کہ آپ کے ایک بار پھر درشن ہوئے۔ اب آپ جتنے دن کلکتے میں ہیں میرے ہاں ہی رہیں۔"

منگی نے کہا۔" سنیاسیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا آج یہاں تو کل وہاں۔ ہم تو ہوا کے ساتھ سفر کرتے ہیں۔"

سندری نے اس وقت پچاس روپے کی نذر پیش کی جسے منگی نے قبول کر لیا اور اس کے حق میں درگا ماتا کے حضور پرارتھنا کی۔ باتوں ہی باتوں میں منگی نے سندری سے کہا۔

"بچی! یہاں کلکتے میں ہمارا داس ہوا کرتا تھا۔ وہ مسلمان تھا اور ہمارے سوگباشی باپ کا چیلا بن گیا ہوا تھا۔ اس کے پاس ہمارے پتا کی ایک نشانی شیر کا پنجہ ہے جو ہم اس سے واپس لینا چاہتے ہیں۔ بھلا سا نام تھا اس کا۔ ہاں یاد آیا۔ شیر خان نام تھا اس کا .... کیا تم نے اسے کبھی یہاں دیکھا ہے؟" سندری سوچنے لگی۔ سوچ سوچ کر بولی۔

"ماتا! ایسے آدمی کا نام میں نے سنا نہیں کبھی۔

لیکن اگر وہ ہمارے علاقے میں آتا جاتا رہا ہے تو میں اس کا پتہ کروا سکتی ہوں۔"

"ہاں سندری اس کا پتہ معلوم کرو۔" منگی نے حکم دینے کے انداز میں کہا۔

"جو حکم ماتا دیوی! یہ فرمائیے میں بھوجن میں کیا بناؤں؟"

منگی تو سب کچھ کھا لیتی تھی۔ بلکہ وہ تو شراب بھی کبھی کبھی پی لیا کرتی تھی۔ مگر وہاں اسے اپنا بڑا بھرم رکھنا تھا کہنے لگی۔ "ہم سنیاسی لوگ صرف ترکاریاں کھاتے ہیں ہمارے لیے کوئی ترکاری بنوا لو۔ ساتھ چاول ٹھیک رہیں گے۔"

سندری کے ڈیرے کے نوکر چاکر اور دوسرے لوگ بھی منگی سنیاسن کی خدمت گزاری میں لگ گئے تھے۔ شام کو سندری نے اپنے ایک خاص آدمی کو بدمعاشوں جواریوں کے ایک اڈے پر شیر خان کا سراغ لگوانے کے لیے بھیجا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس آدمی نے واپس آکر سندری بائی کو بتایا کہ شیر خان نام کا ایک پنجابی مسلمان ڈھومل اور شہاب قتل کے جرم میں جیل کی حوالات میں بند ہے اور اس پر قتل کا مقدمہ چل رہا ہے۔ سندری بائی کے لیے اس قسم کے سنگین جرائم کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ کہنے لگی۔

"اس کا پیچھے کوئی آدمی نہیں ہے؟" اس آدمی نے رازداری سے کہا۔

"بائی جی! سنا ہے یہ آدمی شیر خان پاکستانی جاسوس بھی ہے۔ اس پر جاسوس کا بھی ایک مقدمہ بنا ہوا ہے۔"

یہ بلا شبہ اس کے لیے بڑی تشویش ناک بات تھی۔ اگر شیر خان پر پاکستانی جاسوس ہونے کا پولیس کو شبہ ہے تو پھر یہ سنیاسن بھی اس کے کاروبار کے واسطے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ پولیس شک وشبیے میں سندری کو بھی پکڑ سکتی ہے۔ پاکستانی جاسوس ہونا بڑی خطرناک بات تھی۔ شیر خان خواہ پاکستانی جاسوس ہو یا نہ ہو لیکن اگر پولیس نے اس پر اس قسم کے جرم میں مقدمہ دائر کر دیا ہے تو پھر سندری کو اس سنیاسن سے بھی بڑی احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ بلکہ جتنی جلدی ہو سکے اسے اپنے ڈیرے سے چلتا کرنا چاہئے۔ سندری نے اپنے آدمی کو ہدایت کی کہ وہ شیر خان کے بارے میں کسی سے کوئی بات نہ کرے اور اپنی زبان بند رکھے۔

رات کو اپنا دھندا شروع کرنے سے پہلے سندری بائی منگی کے چھوٹے سے کمرے میں گئی اور ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"ماتا دیوی! شیر خان کا پتا چل گیا ہے۔"

"کہاں ہے وہ؟"

منگی سنیاسن نے کچھ ایسی بے ساختگی اور بے تابی سے یہ جملہ کہا کہ سندری بائی جو ایک تجربہ کار تماش بین عورت تھی فوراً سمجھ گئی کہ معاملہ گڑبڑ ہے اور اس سنیاسن کے شیر خان کے ساتھ خاص قسم کے مراسم ہیں۔ اس کے دل سے منگی سنیاسن کی وقعت کم ہو گئی اور وہ اسے دنیا دار فراڈ قسم کی جوگن سمجھنے لگی۔ یہ احساس سنیاسن کو وہاں سے چلتا کرنے کی راہ ہموار کرنے میں سندری کی مدد کرتا تھا۔ اس نے کہا۔

"ماتا دیوی! شیر خان نے ایک جوئے خانے کے مالک ڈھومل اور اس کے ساتھی کو قتل کر دیا تھا اور اس پر قتل کا مقدمہ چل رہا ہے۔"

"وہ خود کہاں ہے؟" منگی نے پوچھا۔

"ماتا! وہ تو جیل کی حوالات میں بند ہے۔ اور آج کل میں اس کے کیس کا فیصلہ ہونے والا ہے۔"

سندری نے منگی کو یہ نہ بتایا کہ اس پر پاکستانی جاسوس ہونے کا بھی الزام ہے۔ منگی جس کام کے واسطے وہاں سے آئی تھی وہ پورا تو ابھی نہیں ہوا تھا لیکن اسے شیر خان کے بارے میں یہ پتہ چل گیا تھا کہ وہ کسی مشکل میں پھنس چکا ہے۔ یہ جان کر منگی کو خوشی بھی ہوئی کہ اس کے شیر مرد نے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ وہ اپنے محبوب کو خون کرتا دیکھ کر خوش ہونے والی عورت تھی۔ مگر یہ سوچ کر اس کا دل غم زدہ بھی ہو گیا کہ شیر خان جیل میں بند ہے۔ منگی نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنی جان پر بھی کھیل کر شیر خان کو جیل سے فرار کرائے گی۔ اس کے لیے بڑی منصوبہ بندی اور معلومات حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔ منگی نے اس پر مرحلہ وار عمل کرنے کا پروگرام سوچ لیا۔ کیونکہ ابھی شیر خان کی قسمت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ ابھی وہ جیل میں بند تھا۔ منگی کے پاس سوچ بچار کے واسطے کافی وقت تھا۔ اس نے سندری بائی سے کہا۔

"بائی! مجھے شیر خان سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اسے پھانسی لگتی ہے تو لگ جائے۔ مجھے تو صرف اپنے پتا کی وہ نشانی واپس لینی ہے جو شیر خان کے پاس ہے۔ کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ وہ جیل کہاں ہے جہاں شیر خان بند ہے؟"

سندری بائی دل میں ڈر گئی کہ یہ عورت تو جیل توڑنے کا پروگرام بنا رہی ہے۔ اسے تو جتنی جلدی ہو سکے اپنے گھر سے نکال دینا چاہیے نہیں تو یہ اس کے لیے کوئی بہت بڑی مصیبت کھڑی کر دے گی۔ سندری بائی نے انتہائی سمجھداری اور تحمل سے کام لیتے ہوئے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔

"ماتا دیوی! بھگوان جیل سے بچائے۔ میں کبھی وہاں نہیں گئی۔ پر اتنا معلوم ہے کہ یہ جیل جنگل کے پار کہیں پر ہے۔ میں آپ کو خود اپنے ساتھ لے جا کر جیل دکھا دیتی مگر کیا کروں۔ مجھے آج ہی شام کی گاڑی سے رام پور جانا پڑ گیا ہے جہاں میری چھوٹی بہن سخت بیمار ہے۔ مجھے شما کر دیجے گا۔"

سنیاسن منگی کوئی بچی نہیں تھی۔ اس نے ہر قسم کا آدمی دیکھا تھا۔ انسانوں کے بارے میں منگی کے تجربے سندری بائی سے کم نہیں تھے۔ بلکہ جنگل جنگل شہر شہر پھرتے رہنے کے باعث منگی اس نائیکہ سے دس قدم آگے ہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ سندری نہیں چاہتی کہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے ڈیرے پر بیٹھ کر ایک قاتل کی تلاش جاری رکھے۔ منگی کے پاس اگر شہر میں کوئی دوسرا ٹھکانہ نہ ہوتا تو پھر وہ سندری کو اپنے پاس ٹھہرانے سے انکار نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اسے مجبور بھی کر سکتی تھی۔ لیکن صورتحال یہ تھی کہ منگی کے پاس ایک آشرم کی خالی کوٹھری موجود تھی۔ جہاں پر رہ کر اس کی سرگرمیوں پر نہ تو کسی کی نظر پڑ سکتی تھی اور نہ کوئی اس پر شک ہی کر سکتا تھا۔ اس نے سندری سے کہا۔

"کوئی بات نہیں سندری! ہم سنیاسی لوگ ہیں ہم تو کہیں بھی جا سکتے ہیں۔ کہیں بھی ٹھہر سکتے ہیں اور پھر ہم تو صرف ایک دن اور شہر میں ہیں۔ ہمیں شیر خان کا پتہ چلانا تھا جو پتہ چل گیا۔ اب اُس شہر سے واپس چلے جائیں گے۔ کیونکہ ہُم کسی مجرم کو جیل سے رہا نہیں کرا سکتے۔"

سنیاسن منگی سندری کے ہاں سے واپس آشرم میں آ گئی۔ اس بات کا منگی کو پتہ چل گیا تھا کہ شیر خان نے دھومل کے اڈے پر شہاب اور دھومل کو قتل کیا ہے اور دھومل کا اڈہ سونا گاچی کے علاقے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس کا پتہ منگی نے سندری کے آدمی سے معلوم کر لیا تھا۔ وہ رات منگی نے آشرم میں گزاری۔ دوسرے روز وہ شہر میں ایک سنیاسن جوگن کے روپ میں پھرتی پھراتی دھومل کے جوئے خانے والے علاقے میں پہنچ گی۔

جوا خانہ بند نہیں ہوا تھا مگر دھومل کے قتل کے بعد وہاں اب جوا نہیں ہوتا تھا۔ صرف ناجائز منشیات چوری چھپے بیچی جاتی تھیں۔ یہ کام دھومل کا ایک بنگالی ملازم گھوش چلاتا تھا۔ منگی نے دھومل کے ڈیرے پر جاتے ہی اولکھ نجن کا نعرہ لگایا۔ ڈیوڑھی میں سے ایک دبلا پتلا کالا کلوٹا آدمی باہر نکلا۔ منگی کو ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور بولا۔

"دیوی ماتا! ڈیوڑھی میں پدھاریں میں بھوجن پیش کرتا ہوں۔"

منگی کوئی بھوجن کرنے وہاں نہیں آئی تھی۔ وہ تو اپنے خاص مشن پر آئی تھی۔ اس نے ہنس کر بنگالی کی طرف دیکھا اور بولی۔

"بچہ ہم بھوجن کرنے نہیں آئے۔ ہم اپنے چیلے دھومل داس سے ملنے آئے ہیں۔ ہم نے اسے سپنے میں دیکھا کہ وہ پریشان ہے۔ بس اسی وقت ریل میں بیٹھ کر اپنے چیلے کا حال معلوم کرنے چل پڑے۔ کہاں ہے ہمارا داس دھومل؟"

بنگالی گھوش نے جب دیکھا کہ دھومل کی گرو ماں آئی ہے تو وہ منگی کے آگے بچھ گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا۔

"دیوی ماں! دھومل سیٹھ تو قتل ہو گیا ہے۔" اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ منگی نے بنگالی گھوش کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

"ہمیں یہ سن کر دکھ ہوا کس نردئی نے اسے قتل کیا ہے۔ ہمیں بتاؤ ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ایسا منتر پڑھ کر پھونکیں گے کہ وہ وہیں بھسم ہو جائے گا۔"

"دیوی ماں! اندر آجائیے۔" بنگالی بدمعاش گھوش ہی اب اس اڈے میں ناجائز منشیات کا کاروبار چلاتا تھا۔ وہ منگی کو بڑی تعظیم کے ساتھ اندر لے گیا۔ اندر ایک بڑی سجی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سجائی بیٹھک تھی جہاں پلنگ پر مسہری لگی تھی۔ دیواروں پر انگریزی ایکٹروں کی عریاں تصویریں لٹکی ہوئی تھیں۔ فرش پر قالین بچھا تھا۔ منگی صوفے پر بیٹھ گئی۔ بنگالی گھوش اس کے قدموں میں بیٹھ گیا اور سارا قصہ سنایا۔

"دیوی ماں! شیر خان کے مقدمے کی یہ آخری پیشی ہے۔ اس پیشی پر فیصلہ سنا دیا جائے گا اور اسے پھانسی کی سزا ہو جائے گی۔" منگی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اور اگر عدالت نے اسے پھانسی کی سزا نہ سنائی تو میں اپنے منتروں سے اسے ہلاک کر ڈالوں گی۔" بنگالی گھوش بولا۔

"ایسا نہیں ہو گا دیوی ماں! کیونکہ اس پر پاکستانی جاسوس ہونے کا الزام بھی ہے۔ ہماری حکومت اسے خود زندہ نہیں چھوڑنا چاہتی اسے ضرور پھانسی مل جائے گی۔" منگی نے دل میں اس کالے بنگالی کو دو چار گالیاں دیں اور کہا۔

"سنو گھوش! دھومل ہمارا بڑا پیارا داس تھا۔ جب تک اس کا قاتل پھانسی کے تختے پر نہیں چڑھ جاتا ہمیں چین نہیں آئے گا۔ ہمیں یہ پتہ کر کے بتاؤ کہ ہمارے دھومل کے قاتل کی عدالت میں پیشی کس تاریخ کو ہے۔"

"یہ میں آپ کو تھوڑی دیر میں پتہ کر دیتا ہوں دیوی ماں۔ ہمارا ایک کارندہ عدالت سے آنے ہی والا ہو گا۔" اس دوران گھوش منگی کی خدمت میں لگ گیا دوپہر کے بعد ڈیرے کا جو آدمی عدالت گیا ہوا تھا واپس آیا تو وہ بڑے جوش میں تھا۔ آتے ہی بولا۔

"گھوش بابو! شیر خان کو موت کی سزا ہو گئی ہے۔"

گھوش یہ سنتے ہی بیٹھک میں آگیا۔ منگی نے اندر بیٹھے بیٹھے یہ افسوسناک خبر سن لی تھی۔ اس کو بڑا صدمہ ہوا تھا جب گھوش نے اندر آکر بڑی خوشی سے یہ خبر منگی کو سنائی تو منگی نے چہرے پر بڑی مشکل سے مصنوعی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

"بھگوان نے نیائے کیا ہے۔ میرے داس کے قاتل کو موت کی سزا ہی دی جانی چاہیے تھی۔ ہم بڑے خوش ہوئے ہیں۔"

دل میں منگی کو بے چینی سی لگ گئی۔ یہ بہت برا ہوا تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ فیصلہ سنانے کے کتنے دن بعد مجرم کو پھانسی پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ اس نے گھوش سے اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بارے میں پوچھا تو وہ بولا۔

"ماں دیوی! گورنمنٹ تو پہلے ہی شیر خان کو پاکستانی جاسوس بھی سمجھتی ہے۔ یہاں اس کی اپیل کرنے والا کوئی نہیں۔ اگر اس نے خود بھی اپیل کی تو گورنمنٹ اسے نامنظور کر دے گی۔ بس اب سے دس پندرہ دن کے بعد پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا۔"

منگی سنیاسن کا تو دل بیٹھ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ سنیاسی لوگ خواہ عورت ہوں یا مرد ان کے اعصاب بڑے مضبوط ہوتے ہیں۔ بڑے جتی ستی لوگ ہوتے ہیں۔ مگر یہ معاملہ محبت کا تھا۔ اور محبت بڑے بڑے پہاڑوں کو ایک بار تو اپنی جگہ سے ہلا دیتی ہے۔ لیکن منگی بڑی مضبوط عورت تھی۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ کسی حد تک سنگدل بھی تھی۔ سنگ دلی اسے پسند تھی۔ یہی سنگ دلی وہ اپنے محبوب شیر خان میں بھی دیکھ چکی تھی اور اسے اچھی لگی تھی۔ اس نے بڑی تیزی سے سوچنا شروع کر دیا کہ وہ شیر خان کو موت کے منہ سے کیسے بچا سکتی ہے۔ اسے شیر خان کو بچانا ضرور تھا۔ اس کی موت منگی کبھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ زندگی میں یہی ایک پہلا مرد اسے ملا تھا۔ وہ اسے کسی حالت میں بھی اپنے ہاتھ سے نہیں کھونا چاہتی تھی۔ معاملہ پیچیدہ ہو گیا تھا۔ بنگالی کہہ رہا تھا کہ اب شیر خان کو پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کر دیا جائے گا جہاں کوئی چڑی بھی پر نہیں مار سکتی۔ منگی کو جیل کے اندرونی حالات اور معاملات کا علم نہیں تھا۔ وہ جیل کے اندر جا کر شیر خان کو پھانسی کی کوٹھڑی سے فرار نہیں کروا سکتی تھی۔ اسے کوئی دوسرا طریقہ کوئی دوسری ترکیب استعمال کرنی ہو گی۔ ایک حقیقت منگی پر اس کی سنیاسن کی زندگی نے بالکل واضح کر دی تھی کہ انسان خواہ چاند پر چہل قدمی کر کے واپس آجائے وہ اپنے اندر چھپے ہوئے توہمات کے بھوت سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ وہ بھوت ہے جو جنگل کے زمانے سے اس کے ساتھ شہر میں آیا ہے۔ خاص طور پر پس ماندہ ملکوں کے لوگوں پر تو یہ بھوت بڑی جلدی سوار ہو جاتا ہے۔ ان علاقوں میں آدمی کتنا ہی تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو توہمات کے بھوت سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ اس بھوت کی مدد سے آدمی قتل کی ایسی واردات بھی کروا سکتا ہے۔ سنیاسن منگی نے انسان کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی محاذ پر منگی بھرپور طاقت اور اعتماد کے ساتھ حملہ کر کے دشمن کو چاروں شانے چت گرا سکتی تھی۔

اس نے باتوں باتوں میں بنگالی گھوش سے کہا۔

"کہیں یہ شیر خان جیل توڑ کر باہر نہ آجائے۔ وہ بڑا عیار ہے۔ اگر فرار ہو گیا تو میں اس پر موت بن کر سوار ہو جاؤں گی۔"

گھوش بولا۔ "نہیں دیوی! پھانسی کی کوٹھڑی سے آج تک کوئی بہادر سے بہادر اور عیار سے عیار آدمی بھی فرار نہیں ہو سکا۔ وہاں تو چوبیس گھنٹے پہرہ لگا ہوتا ہے۔"

منگی نے پوچھا۔

"جیل کا جو مالک ہوتا ہے اس کو بڑا خبردار رہنا چاہیے۔"

بنگالی نے ہنس کر کہا۔

"دیوی ماتا! جیل کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ جیل کا تو جیلر ہوتا ہے اور رہتا بھی وہیں ہے۔ جیل کے ساتھ ہی اس کی سرکاری کوٹھی ہوتی ہے۔"

"بس پھر ٹھیک ہے۔"

منگی نے بڑے اطمینان کا اظہار کیا۔ اور بنگالی گھوش سے جو معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی وہ اسے مل گئی تھیں۔ اب صرف اسے یہ پتہ کرنا تھا کہ جیل کہاں پر واقع ہے۔ یہ کوئی وقت طلب کام نہیں تھا۔ سڑک پر کوئی بھی رکشہ ٹیکسی ڈرائیور اسے جیل کے پھاٹک تک پہنچا سکتا تھا۔ منگی جیل کے مالک یا سپرنٹنڈنٹ کے کچھ گھریلو حالات معلوم کرنا چاہتی تھی۔ اسے امید نہیں تھی کہ یہ بنگالی اسے اس سلسلے میں کچھ بتا سکے گا مگر غیر متوقع طور پر اس نے منگی کو بڑی اہم معلومات مہیا کر دیں۔ منگی نے محض موضوع کو جاری رکھنے کی خاطر کہا۔

"یہ جیل کا مالک تو بڑا پتھر دل آدمی ہو گا سنا ہے۔ یہ لوگ ذرا کسی قیدی پر رحم نہیں کھاتے۔"

بنگالی بیڑی سلگاتے ہوئے بولا۔

"نہیں دیوی ماں! یہ جو جیلر سانیال جی ہے یہ تو بڑا دیوتا سمان ہے۔ درگا ماتا کا بھگت ہے۔ پر اس کے بھاگ اچھے نہیں۔"

منگی نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟ بھاگ اچھے کیوں نہیں ہیں بھلا؟"

بنگالی گھوش بولا۔

"اس کا اپنا جوان بیٹا کہیں چلا گیا ہے۔ آج دو برس ہو گئے ہیں۔ اخباروں میں اشتہار بھی چھپا۔ کچھ پتہ نہیں چلا۔"

"کیا جھگڑا ہو گیا تھا اس کا ماتا پتا سے؟"

"نہیں دیوی ماں! اصل میں اسے اپنی پتنی سے بڑی محبت تھی۔ پتنی مر گئی تو وہ اداس رہنے لگا۔ کہتے ہیں ایک رات گھر سے نکل گیا۔ پھر واپس نہیں آیا۔ بیٹے کے غم میں ماں بے چاری بستر پر پڑ گئی ہے۔ باپ اس دکھ کو سینے میں دبائے ہوئے ہے۔ ایک ہی لڑکا تھا ان کا۔"

منگی کا تو دل باغ باغ ہو گیا۔ جیلر کے بارے میں جو معلومات اسے شاید بڑی تگ و دو کے بعد حاصل ہوتیں بنگالی گھوش نے وہ ایک ہی سانس میں اس کو دے دی تھیں۔ اس قسم کے مصیبت اور آفت زدہ گھرانے پر تو منگی اپنا جادو بڑی کامیابی سے چلا سکتی تھی۔ اب اس کے لیے دھومل کا جوا خانہ ایک بیکار جگہ تھی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ بنگالی گھوش ایک دم سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ماں دیوی! بھوجن کر کے جائیں۔ میں ہوٹل سے آپ کی مرضی کا بھوجن بنوا لاتا ہوں۔"

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

اور سنیاسن منگی وہاں سے نکلی اور واپس آشرم میں آ گئی۔ یہاں بیٹھ کر اس نے دل میں پورا منصوبہ تیار کیا۔ تھیلے میں رکھی ہوئی اپنی ان چیزوں کو دیکھا جو تقریباً ہر وقت اس کے پاس ہوتی تھیں۔ لومڑی کے ناخن سیسہ کے چار پانچ لمبے کانٹے کچھ جڑی بوٹیاں سو پچاس روپے اور ایک نیلی شیشی میں بند چندن بوٹی کی راکھ زہریلے تیر اس نے الگ لفافے میں لپیٹ کر رکھے ہوئے تھے۔

جب دن ڈھلنے لگا تو سنیاسن منگی نے تھیلے میں سے چھوٹی ڈبی اور ٹوٹا ہوا آئینہ نکالا۔ آنکھوں میں سرمہ ڈالا۔ ماتھے پر درگا ماتا کا لمبا زعفرانی تلک لگایا۔ لمبے بالوں کو جھٹک کر اپنے کاندھوں پر ڈالا اور ترشول ہاتھ میں لے کر کوٹھری بند کر کے آشرم سے نکل کر سڑک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے کنارے آ کر کھڑی ہو گئی۔ ایک خالی ٹیکسی کو اس نے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور ڈرائیور سے کہا کہ مجھے شہر کی سب سے بڑی جیل تک پہنچا دو۔ ٹیکسی ڈرائیور نے اسے ٹیکسی میں بٹھا لیا۔ وہ ایک جوگن ٹائپ عورت کو انکار کر کے اس کی بدعا نہیں لینا چاہتا تھا۔ یہ اس ٹیکسی ڈرائیور کی ضعیف الاعتقادی تھی۔ ٹیکسی نہ جانے شہر کے کن کن علاقوں کا چکر لگا کر سینٹرل جیل کے پاس پہنچ کر رک گئی۔ "ماں دیوی! ہمارے دھن بھاگ، ہیں تم ہماری ٹیکسی میں بیٹھیں۔ ہمیں تمہارا آشیرباد چاہیے۔ پیسے نہیں۔"

منگی نے اسے آشیرباد دی اور ٹیکسی میں سے نکل کر ایک طرف درختوں کے نیچے کھڑی ہو گئی۔ اس نے اچھی طرح سے ماحول کا جائزہ لیا۔ چند قدموں کے فاصلے پر ٹریفک پولیس کا ایک سپاہی فٹ پاتھ پر ٹہل رہا تھا۔ منگی اس کے پاس آ گئی اور سینٹرل جیل کے جیلر کے گھر کا پتہ پوچھا۔ سپاہی نے سامنے ایک جانب اشارہ کر کے کہا۔

"سانیال جی کا بنگلہ وہ سامنے ہے ماتا۔"

"بنگلے کا چھوٹا سا لوہے کا گیٹ تھا جس کے باہر اسٹول پر ایک وردی والا چوکیدار بندوق لیے بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ منگی نے جاتے ہی جے ہو درگا میا کی کا نعرہ لگایا اور بڑے جلالی لہجے میں کہا۔

"سانیال دادا سے کہو ایک جوگن سنیاسن تم سے ملنے آئی ہے۔"

چوکیدار احتراماً اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ کہنے لگا۔

"دیوی ماتا! تم یہاں ٹھہرو میں صاحب سے پوچھ کر آتا ہوں۔"

چوکیدار تھوڑا سا پھاٹک کھول کر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد تیز تیز چلتا واپس آیا اور بولا۔

"ماتا اندر آ جاؤ۔ صاحب جی بلاتے ہیں۔"

منگی پھاٹک سے گزر کر اندر گئی تو دیکھا کہ ایک ادھیڑ عمر کا دبلا پتلا بنگالی جس نے دھوتی کرتہ پہن رکھا تھا۔ آنکھوں پر چشمہ لگائے برآمدے میں اس کے استقبال کو موجود ہے یہ جیلر سانیال پیٹر جی تھا۔ اس نے منگی کو بڑی تعظیم سے برآمدے میں بٹھایا اور پوچھا۔

"میں کیا سیوا کر سکتا ہوں جوگن ماتا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیلر کا لہجہ اگرچہ بڑا بااخلاق تھا مگر منگی نے بھی ایک زمانہ دیکھا ہوا تھا۔ اس نے صاف پتہ کر لیا یہ شخص اس کے جوگنوں والے بہناوے سے متاثر نہیں ہوا اور چاہتا ہے کہ جو بات کرنی ہو کرے اور پھر چلی جائے۔ اس کے انداز میں ایک بے تعلقی اور بے نیازی سی تھی۔ منگی نے کہا۔

"مجھے اس بڑی جیل کے جیلر سانیال سے ملنا ہے۔" جیلر کی انگلیوں میں سگار سلگ رہا تھا۔ اس نے سگار کا ہلکا سا کش لگایا اور بولا

"میں ہی سانیال چیٹر جی ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔ کہو۔ تم کو مجھ سے کیا کام ہے؟"

سنیاسن منگی نے اپنی انگلی سانیال کی طرف اٹھاتے ہوئے بارعب آواز میں کہا "کام مجھے نہیں تمہیں مجھ سے ہے۔ تم میرے کس کام آؤ گے۔ جاؤ اب۔ تمہارا بیٹا تمہیں کبھی نہیں ملے گا۔"

یہ کہا اور منگی غصے میں اٹھ کر کوٹھی کے گیٹ کی طرف چل پڑی۔ دل میں اپنے آپ سے یہ کہتے ہوئے کہ اے بھگوان یہ کالا کلوٹا جیلر میرے پیچھے آجائے۔ مجھے واپس بلانے۔ نہیں تو سارا کام خراب ہو جائے گا۔ بنگالی جیلر بہت پڑھا لکھا تھا اور جتنا پڑھا لکھا تھا اتنا ہی توہم پرست بھی تھا۔ قیدیوں سے سخت برتاؤ کرتے کرتے اس کے مزاج میں بھی سختی اور درشتی آگئی تھی۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ سانیال نے پہلی نظر میں منگی کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی مگر جب منگی نے ہندو جوگی جوگنوں والے بناوٹی جلال سے کام لیا اور خاص طور پر اس کے گمشدہ بچے کا حوالہ دیا تو جیلر اپنی جگہ سے ہل گیا۔ فوراً منگی کے پیچھے لپکا اور سامنے آکر ہاتھ باندھ کر بولا۔

"ماتا! مجھے شما کر دو۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ مجھے سیوا کا موقع دیں۔ میرے بچے کے حق میں پرارتھنا کریں۔"

منگی نے سکھ کا سانس لیا۔ ہاتھ اونچا کر کے بولی۔

"معلوم ہوتا ہے درگا ماتا تجھ پر مہربان ہے جس نے تیرے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ جا سنیاسن کے پاؤں پکڑ ورنہ تیرا بچہ تجھے کبھی نہ مل سکتا۔" جیلر نے عاجزی سے کہا۔

"ماں دیوی! ہمیں ہمارا بیٹا ملا دو۔ اس کی ماں کو تو اس غم نے موت کے کنارے پہنچا

دیا ہے۔"

منگی نے حکم دیا۔ "چلو مجھے بچے کی ماں سے ملاؤ۔"

جیلر فوراً منگی کو لے کر برآمدے والے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے نوکر کو اشارہ کیا۔ نوکر جلدی سے دوسری طرف کچن میں مٹھائیاں وغیرہ تھال میں لگانے چلا گیا۔

جیلر سانیال چیٹر جی کی بیوی گمشدہ جوان بیٹے کے غم میں وقت سے پہلے بوڑھی ہو گئی تھی۔ بالوں میں سفیدی آگئی تھی۔ اور بدن بے حد کمزور ہو گیا تھا۔ وہ مسہری والے ایک بڑے سے پلنگ پر تکیوں کے سہارے نیم دراز تھی۔ سانیال کے ساتھ ایک جوگن سنیاسن کو دیکھ کر اس نے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ منگی نے وہیں ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

"نہیں، نہیں میا! لیٹی رہو۔ تمہاری پتا کے دن کٹ گئے ہیں۔"

مسز سانیال کے چہرے پر رونق کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ جیلر نے جھک کر پتنی سے کہا۔

"دیوی ماتا نے کہا ہے کہ ہمارا بیٹا گوپی ناتھ بہت جلد گھر واپس آجائے گا۔"

مسز سانیال کا چہرہ یہ سن کر کھل اٹھا۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ہاتھ باندھ کر بولی۔

"دیوی ماں! مجھے میرا بچہ ملا دے۔ میں تمہاری جنم جنم کی داسی بن کر رہوں گی۔"

منگی صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے سجے ہوئے آراستہ کمرے کی دیواروں پر نگاہ ڈالی۔ پلنگ کے سرہانے کی طرف دیوار میں کالی ماتا کی بڑی تصویر لگی تھی۔ منگی نے کہا۔

"تم کالی ماتا کے سیوک ہو۔ اس لیے ماں کالی نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔"

مسز سانیال تو یہ سن کر نہال ہو گئی۔

"درگا میا نے تمہیں بھیجا ہے۔ میرے یہ بھاگ کہاں سنتے ہو۔ درگا ماں نے دیوی ماتا کو ہمارے پاس بھیجا ہے۔ ان کی سیوا کرو۔ میرا بچہ اب مجھے ضرور مل جائے گا۔"

سانیال اپنی بیوی کے پاس پلنگ پر بیٹھا اس کے کاندھے دباتے ہوئے کہنے لگا۔

"نیلنی؟ درگا ماں کی جے بولو۔ دیوی ماں ہمارے گھر پر پدھار رہی ہیں ان کی بھی جے بولو۔" اتنے میں نوکر تھال میں سجی ہوئی مٹھائیاں لے کر آگیا۔ دوسرے نوکر نے چائے کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹرے اٹھا رکھا تھا۔ منگی نے کہا۔

"ہم کسی کے گھر سے کبھی کچھ نہیں کھاتے۔ یہ سب کچھ واپس لے جاؤ۔" سانیال نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"دیوی ماں! یہ تو آپ کے سیوک کا گھر ہے آپ کے داس کا گھر ہے کچھ نہ کچھ ضرور لیجیے۔" منگی نے تھوڑی سی برفی کھائی اور چائے پینے لگی۔

"تم درگا ماتا کے بھگت ہو۔ یہ درگا ماں کی خوشی کے لیے کھا رہی ہوں۔ ورنہ ہم سنیاسی لوگ کسی کے گھر سے کبھی کچھ نہیں کھاتے۔"

"یہ آپ کی کرپا ہے ماں دیوی!"

مسز نلینی سانیال نے بڑی عاجزی سے پوچھا۔

"دیوی ماں! میرا بچہ گوپی کہاں ہے۔ وہ تندرست ہے ناں؟ وہ اپنی ماں کے پاس کب واپس آئے گا؟"

منگی نے اپنے منصوبے کی دوسری شق پر عمل کرتے ہوئے کہا۔

"اس کے لیے مجھے ایک چھوٹا سا چلہ کاٹنا ہو گا پھر تمہارا بیٹا تمہارے پاس واپس آجائے گا۔"

سانیال اور مسز سانیال کے مردہ دلوں میں تو جیسے کسی نے نئی روح پھونک دی۔ وہ اب تک اپنے بیٹے کی تلاش کے سلسلے میں ہزاروں روپے خرچ کر چکے تھے۔ کوئی مندر انہوں نے نہیں چھوڑا تھا جہاں پرارتھنا نہ کرائی ہو اب تک ہزاروں جوگیوں اور سادھوؤں کو کھانا کھلا چکے تھے۔ اور یہ تو ایک چھوٹے سے چلے کی بات تھی۔

"کیا سچ مچ ہمارا بیٹا ہمارے گھر واپس آجائے گا۔" سانیال نے بے بسی کے لہجے میں سوال کیا۔ منگی نے اس کیطرف گھور کر دیکھا اور درشتی سے کہا۔

"کیا تم درگا ماتا کے منتروں کو جھوٹا سمجھتے ہو؟"

"نہیں نہیں ماں دیوی! درگا ماتا تو مہان ہے۔ اس کے منتر بھی مہان ہیں۔ مجھے شما کر دیں۔

بیٹے کی محبت میں ایسا فقرہ منہ سے نکل گیا۔"

سانیال جیلر نے منگی کے پاؤں چھوئے "آپ ہم پر کرپا کر کے چلہ کاٹیں۔ ہمارے دکھ دور کریں۔ مجھے حکم کریں۔ میں اس میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ کیا آپ بھی جنگل میں جا کر چلا کاٹیں گی دیوی ماتا؟"

منگی نے دل میں کہا۔ جنگل میں تو میں اپنے یار شیر خان کو ساتھ لے جاؤں گی۔ بنگالی بابو۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔ حالانکہ اس نے پہلے سے سب کچھ سوچ رکھا تھا۔ آنکھیں کھول کر چھت کی طرف نگاہ اٹھائی۔ اپنے ہاتھ کو بلند کر کے دائرے کی شکل میں گھمایا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"نہیں نہیں۔ یہ چلہ نا ممکن ہے۔ نا ممکن ہے۔" جیلر سانیال چیٹر جی اور اس کی بیمار بیوی کے چہرے اتر گئے۔

"ایسا نہ کہیں دیوی ماں!" جیلر کی بیوی نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ "میری جان لے لیں مگر میرے بچے کو واپس لانے کا چلہ ضرور کاٹیں۔" منگی نے غصے میں کہا۔

"اس چلے کے واسطے مجھے کسی ایسے آدمی کا خون چاہیے جو مر رہا ہو۔ بتاؤ۔ تمہیں کون اپنے کسی عزیز کا خون نکالنے دے گا جو مرنے والا ہو؟ بہتر یہی ہے کہ اپنے بیٹے کی قسمت کو بھگوان پر چھوڑ دو۔"

جیلر سانیال اور اس کی بیوی پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ مسز سانیال نے کہا۔

"دیوی ماں! آپ میرا خون لے لیں۔ میں تو مرنے ہی والی ہوں۔"

منگی نے اس عورت کی طرف دیکھا جو اولاد کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر دینے کو تیار تھی۔ وہ ماں تھی۔ منگی کے دل میں اس عورت کا احترام بڑھ گیا۔ اس نے اپنے دل میں خدا کے آگے اپنے گناہ کی معافی مانگتے ہوئے کہا کہ بھگوان! تو جانتا ہے میں ان کے ساتھ فریب کر رہی ہوں۔ یہ ماں ہے۔ میرے گناہ کو معاف کر دینا۔ میں بھی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایسا کر رہی ہوں۔ تو ان پر کرپا کرنا اور ان کے گمشدہ بچے کو ملا دینا۔ اس نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا

"نہیں نہیں بھگتن! مجھے کسی ایسے انسان کا خون چاہیے۔ جو خون دینے کے دو چار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دن بعد مرجائے۔ جس کی موت لکھ دی گئی ہو۔ تم تو بچ بھی سکتی ہو۔"

اب ترپ کا پتا پھینکنے کا وقت آگیا تھا۔ منگی نے جھوٹ موٹ چونک کر کہا۔

"ایک ترکیب ہو سکتی ہے۔"

"بھگوان کے لیے وہ ترکیب بتا دو دیوی ماں!"

جیلر سانیال نے بیتاب ہو کر کہا۔ منگی پھر ایک پل کے لیے جیسے سوچ میں ڈوب گئی۔

پھر دوبارہ آنکھیں کھول کر جیلر سانیال کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تمہاری جیل میں کوئی ایسی عورت یا مرد ہے جس کی موت لکھ دی گئی ہو؟" جیلر نے فوراً جواب میں کہا۔

"کیوں نہیں۔ اس وقت ہماری جیل میں ایک ایسا قیدی کوٹھڑی میں بند ہے جس کو پھانسی کی سزا سنا دی گئی ہے۔"

منگی نے ہونٹوں کو پکڑ کر کہا۔

"اس سے کام نہیں چلے گا۔ اس کو صرف سزا سنائی گئی ہے۔ وہ تو اپیل میں بری بھی ہو سکتا ہے۔ مجھے کوئی ایسا قیدی بتاؤ جس کو ہر حالت میں پھانسی دی جانے والی ہو۔"

سانیال چیڑ جی نے بڑے یقین کے ساتھ کہا۔

"دیوی ماں! اس قیدی کو ہر حالت میں پھانسی دے دی جائے گی۔ کیونکہ ایک تو اس کی اپیل کرنے والا کوئی نہیں۔ دوسرے قتل کے علاوہ اس پر پاکستانی جاسوس ہونے کا جرم بھی ثابت ہو گیا ہے۔ اس کو ان دونوں جرائم کے بدلے موت کی سزا سنائی گئی ہے۔ حکومت نے اسے پھانسی کے تختے پر چڑھانے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ یقین کرو دیوی ماں! میں جیلر ہوں مجھے معلوم ہے کہ شیر خان کو اگلے ہفتے پھانسی دے دی جائے گی۔"

"شیر خان؟" منگی نے نقلی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا یہ مجرم مسلمان ہے؟"

"ہاں دیوی ماں! یہ پاکستان کا جاسوس ہے۔ اس نے یہاں کلکتے میں ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ جاسوس بھی ہے اس کو تو ہماری بھارتی حکومت کبھی نہیں چھوڑ سکتی۔ وہ تو اگلے ہفتے مار دیا جائے گا۔ تم اس کا خون لے سکتی ہو۔ میں تمہیں

اس کا خون نکلوا کر لا دوں گا۔"

منگی اتنی احمق نہیں تھی۔ فوراً ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"تم کون ہوتے ہو میرے چلے کے لیے خون لا کر دینے والے؟"

سانیال اور اس کی بیوی سہم گئے بیوی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے خاوند کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا سانیال ہاتھ باندھ کر چپ ہو گیا۔ مسز نیلنی چیڑ جی نے بڑے ادب سے عرض کی۔

"دیوی ماں! آپ جیسے مناسب سمجھیں کریں آپ جیسے چاہیں گی میرے پتی دیو ویسے ہی کریں گے۔"

اب منگی کو اپنے منصوبے کے اہم ترین حصے پر عمل کرنا تھا۔ جیلر کو اس کے کیریئر کے سب سے مشکل ترین امتحان میں ڈالنا تھا۔ اس کو ایک ایسی بات پر عمل کے لیے مجبور کرنا تھا جس کو عام حالات میں وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ منگی نے یونہی انگلیوں پر منتر پڑھتے ہوئے کچھ گنا اور پھر جیلر کی طرف یعنی ایک گمشدہ بچے کے مجبور باپ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"سنو سانیال! تمہیں ایک رات کے لیے مجھے اس آدمی کی پھانسی کی کوٹھڑی میں لے جانا ہو گا جس کا نام تم نے شیر خان بتایا ہے اور جسے پھانسی ملنے والی ہے۔"

جیلر سانیال نے دل میں اپنے بھگوان کا شکر ادا کیا کہ منگی سنیاسن نے یہ نہیں کہا کہ شیر خان کو کوٹھڑی سے باہر نکال کر جیل کی چھت پر یا چلہ کاٹنے کے لیے کسی کھلی جگہ پر پہنچانا ہو گا۔ کیونکہ ایسا جیلر سانیال نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرے منگی کو بھی معلوم تھا کہ جیلر جتنا کر سکتا ہے اسے اس کی حدود میں رہ کر اپنے منصوبے پر عمل کرنا ہو گا سانیال نے پوچھا۔

"دیوی ماں! میں تمہیں کسی نہ کسی طرح شیر خان کی کوٹھڑی میں بیٹھا دوں گا مگر تم اس کا خون کس طرح نکالو گی؟"

منگی نے تھیلے میں سے چربی کی ایک جھلی اور سینگی جو لوہے کی قلفی کی طرح تھی نکال کر سانیال کو دکھائی اور کہا۔

"ہم جوگی سنیاسی لوگوں کے پاس اس قسم کے چلہ کاٹنے کا سامان پہلے سے موجود ہوتا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ میں پھانسی پانے والے کے گھٹنے پر یہ سینگی لگا کر اس کا تھوڑا سا خون نکال کر مٹی کے پیالے میں ڈالوں گی اور اس پر منتر پڑھ کر چلہ کاٹوں گی۔"

سانیال جیلر کے لیے یہ کوئی خطرہ مول لینے والی بات نہیں تھی۔ پھانسی کی کوٹھڑی جیل کے اندر ہوتی ہے اور اس کے سلاخ دار دروازے کے باہر بھی برآمدے میں دو سپاہی پہرے پر ہر وقت موجود رہتے ہیں اور پھر احتیاط کے طور پر وہ خود بھی رات کو اپنے دفتر میں ہی رہے گا۔ خطرہ صرف اس بات کا تھا کہ کہیں شیر خان کوئی حملہ نہ کر دے یا گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اس نے منگی سے اس کا ذکر کیا تو منگی مسکرا دی کہنے لگی۔

"میں چلہ کاٹنے سے پہلے ایک خاص منتر شیر خان پر پڑھ کر پھونکوں گی جس سے وہ بے ہوش ہو جائے گا۔ اس کے بعد میں بڑے سکون سے رات بھر چلہ کاٹ سکوں گی۔"

مجھے آدھی رات کے وقت پھانسی پانے والے کی کوٹھڑی میں داخل ہونا ہو گا اور صبح سورج نکلنے سے پہلے چلہ ختم کر کے کوٹھڑی سے نکل آؤں گی۔ اس کے تین دن کے بعد تمہارا بیٹا گوپی تمہارے گھر آجائے گا۔"

سانیال اور اس کی بیوی کے چہروں پر خوشی کی چمک سی آگئی۔ سانیال بولا۔

"دیوی ماں! آپ چاہیں تو آج رات ہی چلہ شروع کر دیں۔"

منگی کو کچھ دوسرے انتظام بھی کرنے تھے۔ وہ کہنے لگی۔

"نہیں۔ آج ستاروں کے حساب سے لگن ٹھیک نہیں ہے۔ میں کل رات چلہ کاٹوں گی اب چلتی ہوں۔ کل شام کو آؤں گی اور یہیں سے مجھے پھانسی کی کوٹھری میں لے جانا۔ خبردار کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا جائے۔" جیلر سانیال کہنے لگا۔

"مگر دیوی ماں! پھانسی کی کوٹھڑی کے باہر جو سپاہی پہرہ دیتے ہیں ان کو تو بتانا ہی پڑے گا۔"

منگی نے سخت لہجے میں کہا۔

ٹھیک ہے ان کے سوا اور کسی کو کچھ نہ بتایا جائے۔"

منگی خود چاہتی تھی کہ پہرے دار سپاہیوں کو علم ہونا چاہیے کہ میں جیلر کی اجازت سے اس کے واسطے چلہ کاٹ رہی ہوں۔ اس طرح سپاہی اسے پریشان نہیں کر سکتے تھے۔

اور وہ ان کی طرف سے بے فکر ہو کر اپنے منصوبے پر عمل کر سکتی تھی۔

منگی واپس آشرم میں آگئی۔ کافی رات گئے تک وہ اپنی اسکیم پر مزید غور و فکر کرتی رہی۔ اس کے پاس کسی قسم کا کوئی اسلحہ نہیں تھا۔ صرف چند ایک زہریلے تیر ہی تھے۔ باقی شیر خان کو اپنی جرات اور بہادری سے کام لینا تھا۔ منگی کو جو کچھ کرنا تھا وہ اسے معلوم تھا۔ اور وہ اس پر انتہائی ہوشیاری سے عمل کر سکتی تھی۔ باقی سب سے اہم مرحلہ جیل کی دیوار پھاندنے کا تھا۔ جیلر کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے منگی نے پھانسی کی کوٹھڑی کے حدود اربعے کی کافی تفصیلات حاصل کر لیں تھیں۔ اس کوٹھڑی کے پیچھے کھلی جگہ تھی۔ وہاں سے کوئی پچاس قدموں کے فاصلے پر جیل کی اونچی دیوار تھی۔ یہ دیوار شیر خان کو اکیلے ہی پھاندنی تھی۔ منگی نے نائیلون کی باریک رسی کا گچھا ساتھ لے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چونکہ دیوار کے اوپر خاردار تار کھینچی ہوئی تھی اس لیے رسی کے آگے کوئی آنکڑا یا ہک لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔

اگلے روز منگی بازار سے نائیلون کی رسی کا ایک گچھا خرید کر لے آئی۔ اس کے ایک سرے کے آگے منگی نے پرانا کپڑا باندھ کر اس پر گانٹھیں لگا دیں تاکہ وہ کانٹے دار تاروں کے لچھیں میں جا کر پھنس جائے۔ اسے پورا یقین تھا کہ شیر خان اکیلا دیوار پھاندنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ کیونکہ پھانسی کی کوٹھڑی کے باہر وہ اس کی اس سے زیادہ مدد نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ شیر خان کے کوٹھڑی سے نکلنے کے بعد کیا صورتحال ہو گی اس کا اسے واضح طور پر علم نہیں تھا۔

جب دن ڈوب گیا اور کلکتہ شہر کے بازاروں اور گھروں میں بتیاں روشن ہو گئیں تو منگی اپنے مشن پر پوری طرح سے تیار ہو کر آشرم سے نکل پڑی۔ سانیال چیڑ جی اور اس کی بیوی سنیاسن کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ منگی ان کے بنگلے پر پہنچی تو اس کا بڑی تعظیم سے خیر مقدم کیا گیا۔ اس دوران جیلر سانیال نے ان دونوں سپاہیوں کو اپنے اعتماد میں لے لیا تھا۔ جو رات کو پھانسی کی کوٹھڑی کے آگے برآمدے میں پہرہ دیتے تھے۔ اپنی مرضی کے مطابق کھانا منگی نے وہیں سانیال کے گھر پر ہی کھایا۔ وہ تھوڑی دیر بعد کچھ منتر بھی پڑھتی رہی۔ جب رات آدھی گزر گئی تو منگی نے ڈرائینگ روم سے باہر جا کر آسمان پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک نگاہ ڈالی اور جیلر سانیال چیٹرجی سے کہا۔

"چلے کا لگن آسمان پر بن گیا ہے اب مجھے پھانسی کی کوٹھری میں لے چلو۔ اگر وقت نکل گیا تو چلہ بے فائدہ ہو جائے گا۔"

سانیال جیلر نے سارا بندوبست پہلے سے کر رکھا تھا۔ وہ کوٹھی کے عقبی دروازے سے منگی کو نکال کر اپنے دفتر میں لے آیا۔ اس رات جیلر نے اپنے دفتر کے باہر پہرہ دینے والے سپاہی کی ڈیوٹی بھی زنانہ وارڈ کی طرف لگا دی تھی۔ منگی کو دفتر میں بٹھا کر سانیال چیٹرجی تھوڑی دیر کے لیے پھانسی کی کوٹھڑی کی طرف گیا۔ اس وارڈ میں صرف تین پھانسی کی کوٹھڑیاں تھیں جن میں سے دو خالی تھیں اور ایک میں شیر خان تھا۔ سانیال نے شیر خان کو دن کے وقت ہی بتا دیا تھا کہ ایک دیوی ماتا کو کوئی چلہ کاٹنے کے لیے اس کے تھوڑے سے خون کی ضرورت ہے۔ وہ رات کو آئے گی۔ شیر خان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ کہ یہ دیوی ماتا کون ہے۔ اور اسے اس کے خون کی کس لیے ضرورت پڑ گئی۔ اور جیلر بھی اتنا خطرہ مول لینے پر کیسے تیار ہو گیا ہے۔ منگی کا خیال تو اسے بالکل ہی نہیں آیا تھا۔ جب سانیال جیلر منگی کو ساتھ لے کر پھانسی کی کوٹھری میں داخل ہوا تو شیر خان اسے دیکھ کر دیکھتا ہی رہ گیا۔ منگی نے اسے آنکھ کے اشارے سے خاموش رہنے کی ہدایت کی اور اس کے سامنے فرش پر بیٹھ گئی۔ پھر سانیال سے کہا۔

"بابا لوگ! اب تم جاؤ اور باہر جمعداروں کو کہہ دو کہ اس طرف کوئی نہ آئے۔ جب تک کہ میں نہ بلاؤں۔ نہیں تو سارا چلا سارے منتر بھنگ ہو جائیں گے۔"

سانیال بہت اچھا دیوی ماں کہہ کر چلا گیا۔

کوٹھری میں کوئی بلب نہیں لگا تھا۔ سامنے برآمدے میں جو بلب روشن تھا اس کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ دروازہ سلاخوں والا تھا۔ جس پر باہر کی جانب بھاری تالا پڑا تھا۔ شیر خان منگی کی جرات پر حیران تھا کہ یہ عورت کیسے وہاں پہنچ گئی ہے۔ اس نے کچھ بولنا چاہا تو منگی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش کرا دیا اور خود ذرا اونچی آواز میں منتروں کا جاپ کرنے لگی اور وہ برآمدے کے بڑے دروازے پر بیٹھے ہوئے دونوں سپاہیوں کو تاثر دینا چاہتی تھی کہ وہ چلہ کاٹ رہی ہے۔ تھوڑی دیر منتر پڑھنے کے بعد منگی نے دھیمی آواز میں

شیر خان سے کہا۔

"آگے سب کچھ تمہیں ہی کرنا ہو گا۔"

اس نے تھیلے سے نائیلون کی رسی کا گچھا نکال کر شیر خان کو دے دیا۔ شیر خان نے جلدی سے اسے اپنی قمیض کے اندر چھپا لیا۔ اب ایسا ہوا کہ تھوڑی دیر تک منگی ذرا بلند آواز میں منتروں کا جاپ کرتی اور پھر تھوڑی دیر شیر خان کو سمجھانے لگتی کہ اسے کیا کرنا ہے اور جیل کی دیوار پھاندنے کے بعد اسے کہاں پہنچنا ہے۔ منگی نے اسے اپنے آشرم کا پورا حدود اربعہ اور سڑک کا اور چوک کا نام سب کچھ سمجھا دیا تھا۔ منگی نے جیلر سانیال کو منع کر دیا تھا کہ وہ چلے کاٹنے کے دوران کم از کم ایک گھنٹے تک وہاں نہ آئے۔

جب آدھا گھنٹہ گزر گیا تو منگی نے شیر خان سے کہا۔

"اب میں اپنا کام شروع کرتی ہوں۔ اس کے بعد تمہیں اپنا کام شروع کر دینا ہو گا۔

منگی اٹھ کر سلاخوں کے پاس گئی۔ اس نے آواز دی۔

ایک سپاہی ادھر آیا۔

دونوں سپاہی برآمدے والے سلاخ دار دروازے کے آگے اندر کی جانب کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ منگی کی آواز پر ایک سپاہی دوڑ کر قریب آیا۔ منگی نے کہا۔" دروازہ کھولو۔ میں باہر نکلنا چاہتی ہوں۔" سپاہی نے فوراً تالا کھول کر دروازے کو باہر کی جانب کھول دیا۔ اسی اثنا میں منگی نے زہریلے تیر والی پھونکی اپنے ہاتھ میں دبائی ہوئی تھی باہر آتے ہی جب سپاہی دروازے کو تالا لگانے لگا تو منگی نے بڑے قریب سے زہریلا تیر اس کی گردن پر چلا دیا۔ تیر کے لگتے ہی سانپ کے مہلک تیر میں زہر نے اپنا اثر دکھایا۔ سپاہی لڑکھڑا کر گرا تو منگی نے دوسرے سپاہی کو آواز دے کر کہا۔

"دیکھو تو یہ بے ہوش کیوں ہو گیا ہے۔"

دوسرا سپاہی بندوق لے کر دوڑ کر منگی کے پاس آیا۔ وہ بندوق ایک طرف رکھ کر اپنے ساتھی کو اٹھانے لگا تو منگی نے دوسرا زہریلا تیر چلا دیا۔ یہ تیر دوسرے سپاہی کی گردن کے پچھلے حصے میں جا کر لگا اور وہ بھی پہلے سپاہی کے اوپر لڑکھڑا کر گر پڑا۔ منگی نے شیر خان سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اپنا کام شروع کر دو۔ جہاں تمہیں سمجھایا ہے وہیں پہنچ جانا۔ میں وہیں جا رہی ہوں۔" اتنا کہہ کر منگی تیز تیز قدم اٹھاتی بانس کی کوٹھریوں والے برآمدے سے نکلی اور دیوار کے ساتھ اندھیرے میں چلتی سانیال چیٹر جی جیلر کی کوٹھی کے عقبی دروازے میں آگئی۔ یہاں چوکیدار موجود تھا۔ وہ منگی سے واقف تھا۔ اس نے منگی کو کچھ نہ کہا۔ اور کوٹھی میں جانے دیا۔ منگی کوٹھی کے اندر جانے کی بجائے کوٹھی کے لان میں سے گزر کر پھاٹک پر آگئی۔ یہاں بھی چوکیدار پہرہ دے رہا تھا۔ اس نے منگی سنیاسن کو دیکھا تو ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ فوراً پھاٹک کھول دیا۔

"دیوی ماں جا رہی ہیں؟"

"نہیں۔ ابھی واپس آتی ہوں۔"

چوکیدار کو اتنا کہہ کر منگی کوٹھی میں سے نکلی اور سڑک کے کنارے کنارے فٹ پاتھ پر چل پڑی۔ کافی آگے جا کر اسے ایک رکشہ مل گیا۔ رکشے میں بیٹھی اور اسے آشرم والے چوک کی طرف چلنے کو کہا۔ چوک میں آشرم سے کچھ دور سنیاسن منگی نے رکشہ چھوڑ دیا۔ چوک میں آشرم کے قریب برگد کا ایک پرانا پیڑ تھا۔ جس کے نیچے لکڑی کی کھوکھوں کی کچھ دکانیں تھیں جو بند پڑی تھیں۔ منگی نے شیر خان کو اسی جگہ آنے کو کہا تھا۔ برگد کے پیڑ اور کھوکھوں کی نشانی اسے بتائی تھی۔ کھوکھوں کے پیچھے اندھیرے میں منگی بیٹھ گئی اور بے چینی سے شیر خان کا انتظار کرنے لگی۔

یہ انتظار واقعی بہت تکلیف دہ تھا۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ شیر خان دیوار پھاندنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ یا پکڑ لیا گیا ہے۔ پھر وہ سوچتی کہ شیر خان کوئی عام قسم کا کمزور طبیعت آدمی نہیں ہے۔ وہ ایک نڈر آدمی ہے جو اپنے کئی دشمنوں کو بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سماج دشمن جرائم پیشہ بدمعاشوں کو قتل بھی کر چکا ہے۔ منگی نے سری لنکا میں شیر خان کی بہادری کے کارنامے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ وہ جیل کی آہنی سلاخوں میں قید ایک شیر تھا۔ جونہی سلاخیں ٹوٹتیں وہ ایک جست لگا کر جیل کی دیوار پھاند گیا ہو گا۔ بس وہ آ ہی رہا ہو گا۔

اتنے میں اسے دور سے ایک ٹیکسی آتی دکھائی دی۔

منگی نے اس پر نظریں گاڑ دیں۔ ٹیکسی آشرم سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گئی۔ ٹیکسی کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی جس نے دھوتی کرتا پہن رکھا تھا باہر نکلا۔ پہلی نظر میں منگی اسے نہ پہچان سکی کیونکہ اس کے خیال میں شیر خان کو قیدیوں کی وردی میں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن دوسرے لمحے جب وہ آدمی بجلی کے کھمبے کی روشنی میں آیا تو منگی کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔ یہ اس کا محبوب شیر خان ہی تھا۔ وہ کھوکھے کے پیچھے بیٹھی اپنے شیر خان کو آتا دیکھتی رہی۔ وہ اس کی طرف آ رہا تھا کیونکہ برگد کا درخت اور کھوکھے اسی جانب تھے۔ منگی کو ایسا لگا جیسے کوئی بہت طاقتور ببر شیر دونوں پاؤں پر چلتا آ رہا ہو۔ وہ کھوکھے میں سے باہر نکل آئی۔ شیر خان نے بھی منگی کو دیکھ لیا تھا۔ اسے منگی کے ساتھ وہ محبت اور وابستگی نہیں تھی جتنی منگی کو تھی۔ وہ قریب آیا تو منگی اس سے لپٹ گئی۔

"میں جانتی تھی میرا شیر ضرور آئے گا۔"

شیر خان نے منگی کو بڑی مشکل سے الگ کیا اور بولا۔

"پیچھے طوفان مچ گیا ہو گا۔ ساری پولیس میری تلاش میں نکل کھڑی ہو گی۔ ہمیں جلدی کسی محفوظ جگہ پہنچ جانا چاہیے۔"

"وہ سالے تمہیں ہاتھ تو لگا کر دیکھیں۔ میں ایک ایک کا خون پی جاؤں گی۔" منگی نے بڑی سرگوشی اور جوش کے عالم میں یہ جملہ کہا اور شیر خان نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو الگ کیا۔

"تم نے یہ کپڑے کہاں سے لیے؟"

"ایک جگہ ایک آدمی دکان بند کر رہا تھا بس اس سے چھین لیے۔ تم یہی سمجھ لو۔"

شیر خان نے بے نیازی سے جواب دیا۔ منگی نے شیر خان کا مضبوط بازو ابھی تک اپنی آغوش میں لے رکھا تھا۔

"دیوار پھاندنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوئی؟"

منگی بڑے لاڈ پیار سے یہ باتیں پوچھ رہی تھی۔

شیر خان نے بیزار ہو کر منگی کا بازو ہٹاتے ہوئے کہا۔

"یہاں سے کسی طرف نکل چلو۔ بہتر یہ ہے کہ ہم سڑکوں سڑک دلی کی طرف چل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پڑیں۔ وہاں سے مجھے اپنی بیٹی کی تلاش میں جموں جانا ہو گا۔"

منگی نے پہلی بار شیر خان کو بتایا کہ اس کی بیٹی عائشہ شیرنی کو جموں دھوکے سے بھیجا گیا ہے جب کہ تم وہاں نہیں تھے۔ اسے یہی کہا گیا ہے کہ تمہارا باپ جموں میں ہے۔ اب تک یقیناً وہ جموں میں تمہیں نہ پا کر واپس چل پڑی ہو گی۔

شیر خان بولا۔

"جس کسی نے بھی میری بیٹی کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ لیکن اب ہم اسے کہاں تلاش کریں گے؟"

وہ دونوں وہاں سے نکل کر ایک ویران سے کھلے میدان کی طرف چل پڑے تھے جہاں اندھیرا تھا.....

"اب عائشہ کا تھوڑا بہت سراغ اگر لگ سکتا ہے تو جموں پہنچ کر ہی لگ سکتا ہے کیونکہ وہ جموں ضرور گئی ہو گی۔ اور ممکن ہے کہ ابھی تک جموں میں ہی ہو۔"

شیر خان نے ایک گہرا سانس لیا جو غراہٹ سے ملتا جلتا تھا۔ پھر ادھر ادھر دیکھا اور پوچھا۔

"یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ آشرم کہاں ہے؟"

منگی نے کہا۔ "آشرم میں جانے کا کوئی فائدہ نہیں وہاں تمہارے پکڑے جانے کا ڈر ہے ہم بڑی سڑک پر کوئی سواری تلاش کریں گے۔ اور پھر اس شہر سے باہر نکل جائیں گے۔ صبح ہونے سے پہلے پہلے۔"

جونہی وہ بڑی سڑک پر آئے ایک گاڑی ان کے قریب سے گزرنے کے بعد آگے جا کر رکی۔ ان میں سے تین چار پولیس کانسٹیبل چھلانگیں لگا کر باہر نکلے اور شیر خان اور منگی کی طرف آئے۔ منگی نے گھبرا کر کہا۔ "شیر خان پولیس!" جہاں وہ کھڑے تھے ان کے پیچھے کسی برساتی نالے کی ڈھلان تھی۔ دونوں نے ادھر چھلانگیں لگا دیں۔

برساتی نالے کی ڈھلان پر نیچے جھاڑیوں میں شیر خان اور منگی رک گئے۔ ایک بنگالی سپاہی نے یہ حماقت کی کہ اس نے بھی اوپر سے چھلانگ لگا دی۔ ابھی شیر خان اور منگی سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ اندھیرے میں بنگالی سپاہی ان کے اوپر لڑھکتا ہوا آن گرا۔ اب کس طرح ممکن تھا کہ یہ دبلا پتلا سا بنگالی کانسٹیبل شیر خان کے ہاتھوں سے بچ جاتا۔ شیر خان کی پوزیشن ہی ایسی تھی کہ وہ کسی کانسٹیبل پر رحم کھا ہی نہیں سکتا تھا۔ اس پر رحم کھانے کا مطلب تھا کہ خود پھانسی کے تختے پر چڑھ جائے۔ جونہی بنگالی سپاہی شیر خان کے اوپر گرا اس نے وہیں اسے دبوچ لیا اور دوسرے لمحے اس کی گردن ایک طرف لٹک چکی تھی۔ منگی نے شیر خان کو خبردار کیا۔

"دو سپاہی اوپر سے آ رہے ہیں۔"

اندھیرے میں شیر خان کو دو انسانی سائے ڈھلان پر اپنی طرف نیچے اترتے نظر آئے۔ وہ اپنے ساتھی کو آوازیں دے رہے تھے۔ شیر خان گھات لگا کر بیٹھ گیا اور انہیں نیچے آنے دیا۔ وہاں اندھیرا تھا جس کی وجہ سے سپاہی اپنے آدمی کی لاش کو نہ دیکھ سکے۔ منگی اور شیر خان جھاڑیوں کے پیچھے تھے۔ منگی نے اپنے زہریلے تیر کا ہتھیار سنبھال لیا تھا۔ شیر خان رائفل سے فائر کر کے دوسروں کو خبردار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے اشاروں ہی اشاروں میں ایک ایک سپاہی آپس میں بانٹ لیا تھا۔ سپاہی جھاڑیوں کے پاس آئے تو شیر خان نے آگے آنے والے بنگالی کانسٹیبل کی گردن پر سامنے کی جانب سے بھرپور ہاتھ مارا۔ وہ پیچھے گرا۔ دوسرے بنگالی پر منگی نے زہریلا تیر چلایا مگر وہ خطا گیا۔ سپاہی نے منگی کو پکڑ لیا۔ ساتھ ہی بنگلہ زبان میں اوپر جیپ میں بیٹھے اپنے ساتھی کو خبردار کر دیا۔

اتنی دیر میں شیر خان نے اسے بھی نیچے گرا لیا تھا۔ دوسرے لمحے ان کی گردنیں بھی ایک طرف کو ڈھلک گئیں۔ منگی نے شیر خان کو بازو سے کھینچتے ہوئے کہا۔

"نالے کے پار آجاؤ" شیر خان نے اس کا ہاتھ کو جھٹک کر کہا۔

"ذرا ٹھہرو۔" اس نے ایک سپاہی کی رائفل منگی کو پکڑا دی۔ دوسری رائفل خود سنبھالی اور تیزی سے چڑھائی چڑھنے لگا۔ اسی دوران جو باقی ماندہ واحد سپاہی پولیس جیپ میں بیٹھا تھا۔ وہ اپنے ساتھی کی آواز سن کر سڑک کے کنارے آکر نیچے ڈھلان میں جھانک رہا تھا۔ شیر خان نے اندھیرے میں دائیں بائیں جانب ہو کر پوری طاقت سے رائفل کا بٹ اس کی گردن پر مارا اور وہ ہلکی سی آہ کی آواز کے ساتھ ڈھلان پر لڑھک گیا۔

"جیپ میں آجاؤ۔ جلدی۔"

منگی شیر خان کے پیچھے پیچھے دوڑی۔ پولیس کی جیپ خالی پڑی تھی۔ شیر خان نے فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہی جیپ اسٹارٹ کر دی۔ منگی لپک کر دوسری سیٹ پر بیٹھ گئی۔ جیپ خالی سڑک پر اسی سمت کو دوڑنے لگی جس سمت منگی اور شیر خان پہلے پیدل جا رہے تھے۔ شیر خان کو احساس تھا کہ وہ خطرے میں گھرا ہوا ہے۔ پولیس کو اس کے فرار کا علم ہو چکا ہے اور وہ اس کی تلاش میں ہے۔ شہر کے اہم ناکوں کی نگرانی بھی ہو رہی ہو گی۔ جیپ کو شیر خان کافی سپیڈ پر چلا رہا تھا۔ وہ جتنی جلدی ہو سکے کلکتہ شہر کے خطرناک علاقوں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اس کی عقاب جیسی نگاہیں سامنے سڑک کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کسی بھی جگہ سڑک پر ان کی پولیس سے مڈبھیڑ ہو سکتی تھی۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ کس طرف جا رہے ہیں؟ یہ سوچ کر شیر خان نے ایک جگہ گاڑی کچے میں اتار کر درختوں کے اوٹ میں کھڑی کر دی اور بتیاں بجھا دی۔ منگی نے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ گاڑی کیوں کھڑی کی ہے؟" شیر خان نے کہا۔

"پہلے ہمیں یہ طے کر لینا چاہیے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں صبح ہماری کہاں ہو گی اور آگے کون سا علاقہ ہے۔ کیونکہ میں اس جگہ سے زیادہ واقف نہیں ہوں" منگی کہنے لگی۔

"دیکھو شیر خان! ہم تمہاری بیٹی عائشہ کی تلاش میں جا رہے ہیں۔ مجھے بالکل ٹھیک ٹھیک اطلاع مل چکی ہے کہ عائشہ جموں میں ہو گی۔ اسے یہ بتایا گیا ہے کہ تمہارا باپ جموں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ہے ظاہر ہے ہمیں جموں شہر ہی پہنچنا ہے۔"

"مگر جموں شہر سے پہلے کئی شہر آئیں گے اور میں پھانسی کی کوٹھڑی سے بھاگا ہوا مجرم ہوں سارے علاقے کی پولیس کو میرا حلیہ وغیرہ بتا کر خبردار کر دیا گیا ہو گا اس طرح ہم جی ٹی روڈ پر پولیس کی جیپ میں بیٹھے زیادہ دیر تک تو سفر نہیں کر سکیں گے؟"

"تو پھر تمہارے ذہن میں کوئی ترکیب ہو تو بتاؤ۔ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ جب تک دن نہیں نکلتا ہم جتنی دور نکل سکیں ہمیں نکل جانا چاہیے۔" شیر خان نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ابھی آگے چلتے ہیں۔ کوئی آبادی آئے گی تو وہاں یہ جیپ چھوڑ دیں گے اور کوئی دوسری سواری لے کر آگے چلیں گے۔"

اس نے ہیڈ لائیٹس بجھی رہنے دیں اور جیپ اسٹارٹ کر دی۔ سڑک پر جیپ کافی تیز رفتاری سے دوڑنے لگی۔ پو پھٹ رہی تھی کوئی دم میں صبح کا اجالا پھیلنے والا تھا۔ شیر خان سویرا ہونے سے پہلے پہلے کسی بڑے قصبے یا شہر کے قریب پہنچ جانا چاہتا تھا۔ کلکتے سے جموں تک کا بہت لمبا سفر تھا۔ ایک جگہ ریلوے کا پھاٹک آیا تو شیر خان نے جیپ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ جانے والی سڑک پر ڈال دی۔

"ادھر کہاں جا رہے ہو؟" منگی نے پوچھا۔

"تم چپ نہیں رہ سکتیں؟" شیر خان نے اسے ڈانٹ دیا۔

منگی کو غصہ آگیا۔ وہ شیر خان سے محبت کرتی تھی اس لیے اس کی ڈانٹ سہ گئی اور کچھ نہ بولی۔ کوئی چھ سات کوس کے سفر کے بعد ایک مضافاتی اسٹیشن آگیا۔ شیر خان نے ایک طرف جھاڑیوں اور کیلے کے درختوں کے پیچھے جیپ کھڑی کر دی۔

"کیا کرنا چاہتے ہو اب؟" منگی نے سوال کیا۔ شیر خان رائفل اٹھا کر جیپ سے نیچے اتر آیا۔ منگی بھی اتر پڑی۔ اس نے اسٹیشن کی طرف دیکھا۔ آسمان پر صبح کی سفیدی پھیلنے لگی تھی۔ اسٹیشن کے باہر ایک چھکڑا کھڑا تھا۔ کھوکھے کے پاس دو آدمی زمین پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے کوئی گاڑی پکڑنی چاہیے۔ ریل گاڑی میں سفر کچھ محفوظ رہے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منگی جیپ کے پائیدان پر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔

"شیر خان! تم غلط بات سوچ رہے ہو۔ ٹرین میں ہر اسٹیشن پر چیکنگ ہو سکتی ہے۔ اس طرح پکڑے جانے کا زیادہ خطرہ ہے۔"

شیر خان نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اس طرف دیکھ رہا تھا جدھر سے ایک ریل گاڑی چلی آ رہی تھی۔

"اور ہمارے پاس پولیس رائفل بھی ہے۔ ریلوے پولیس والے اسے پہچان لیں گے۔" انجن چھک چھک کرتا پلیٹ فارم میں داخل ہوا اور پھر ٹرین کھڑی ہو گئی۔ شیر خان بولا۔

"منگی! یہ مال گاڑی ہے۔ اس کی چیکنگ نہیں ہو گی۔ ہم اسی گاڑی میں سفر کریں گے۔" منگی کو یہ تجویز اچھی لگی۔ کہنے لگی۔

"اس کے سارے ڈبے بند ہیں۔"

"تم چلو تو سہی۔"

"وہ پیچھے کی طرف سے ریلوے لائن کراس کر کے مال گاڑی کے پاس آ گئے۔ ابھی منہ اندھیرے کا سماں تھا۔ شیر خان تیزی سے ایک' ایک ڈبے کو دیکھتا چلا جا رہا تھا۔ ایک ڈبے کا بڑا دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ اس نے رائفل اندر پھینکی پھر اچھل کر ڈبے کے اندر داخل ہو گیا۔ اس کے بعد منگی کو بھی اوپر چڑھا لیا۔ مال گاڑی کا یہ ڈبہ بالکل خالی تھا۔ شیر خان نے زور لگا کر دروازے کو تھوڑا سا مزید بند کر دیا۔ اب اس میں صرف ایک لمبی دراڑ ہی رہ گئی تھی جس میں سے باہر کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔ مال گاڑی کا گارڈ اسٹیشن ماسٹر کے کمرے میں گیا ہوا تھا۔ وہاں وہ کچھ کاغذات سمیٹ کر باہر نکلا تو سیٹی بجا دی۔ انجن ڈرائیور پہلے ہی سر باہر نکالے پیچھے پلیٹ فارم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گارڈ کی سیٹی سن کر اسے ہری بتی لہراتے دیکھا تو انجن اسٹارٹ کر دیا۔ گاڑی چھک چھک کرتی پلیٹ فارم پر کھسکنے لگی۔

شیر خان دروازے کی درز میں سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس طرف پلیٹ فارم نہیں تھا۔ سورج نکل آیا تھا۔ چاروں طرف صبح کی گلابی' گلابی روشنی پھیل رہی تھی۔ ایک تالاب گزرا جس کی دونوں جانب تاڑ کے درخت کھڑے تھے۔ پھر کھیت شروع ہو گئے۔ ٹرین

ایک خاص رفتار سے چلی جا رہی تھی۔

منگی نے شیر خان سے کہا۔

"دروازہ بند کر دو۔ اگلے اسٹیشن پر گاڑی رکی تو کوئی اندر جھانکنے لگا۔"

شیر خان نے دروازہ بند کر دیا۔ دروازہ پورا بند کرنے سے ڈبے میں اندھیرا سا ہو گیا۔ منگی نے شیر خان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے شیر خان؟" شیر خان نے اس کا ہاتھ آہستہ سے کاندھے پر سے ہٹا دیا اور رائفل کو اپنی گود میں ڈالتے ہوئے بولا۔

"منگی تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟" یہ وقت محبتیں کرنے کا ہے؟" منگی بولی۔

"بہادر آدمی تو میدان جنگ میں بھی محبت کرنا نہیں بھولتے۔"

"بس اب چپ رہو۔ مجھے سوچنے دو۔" شیر خان نے ڈبے کی دیوار سے ٹیک لگا لی۔ منگی بھی اس کے ساتھ لگ گئی۔ شیر خان کو منگی کے جسم کی حرارت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ آخر مرد تھا۔ کوئی برہم چاری نہیں تھا۔ مگر اس وقت اس کے جذبات پر اس کا مشن' اس کے مقاصد کا غلبہ تھا۔ اس نے منگی کو ویسے ہی پڑے رہنے دیا کہ یہ پاگل عورت ہے۔ شاید اسے اپنی زندگی میں کوئی پہلا مرد ملا ہے۔

یہ مال گاڑی کلکتے سے امرتسر تک جا رہی تھی۔ اس کے ڈبوں میں قسم' قسم کا مال لدا ہوا تھا۔ راستے میں بھی مال لادا اور اتارا جانا تھا۔ ٹرین کا سفر جاری رہا۔ کئی اسٹیشن آئے اور گزر گئے۔ بڑے اسٹیشن پر مال گاڑی کو لوپ لائن پر بھی کھڑا ہونا پڑتا تاکہ میل ٹرین گزر سکے۔ دوپہر کے وقت ایک بڑا اسٹیشن آیا۔ گاڑی کو یارڈ میں ایک طرف کھڑا کر دیا گیا۔ یہاں ایک ڈبے میں سے مال اتارا جانا تھا۔ پچھلے ڈبے کو کاٹ کر اس کی جگہ دوسرا ڈبہ لگانا تھا۔ شیر خان رائفل لے کر خود ڈبے کے اندر ہی بیٹھا رہا اور منگی کچھ کھانے پینے کا سامان لینے اتر کر پلیٹ فارم کی طرف چل دی۔ آدھے گھنٹے بعد وہ کچھ روٹیاں اور مٹی کے آبخورے میں پانی اور مچھلی لے کر آئی۔ یہاں مال گاڑی ایک گھنٹے تک کھڑی رہی۔ اس دوران شیر خان چوکس رہا۔ خدا' خدا کر کے گاڑی وہاں سے روانہ ہوئی۔ اسی طرح سفر کرتے کرتے سارا دن اور پھر ساری رات گزر گئی۔ گاڑی مشرقی پنجاب کے کھیتوں اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہرے بھرے میدانوں میں داخل ہو چکی تھی۔ شیر خان نے منگی سے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں یہیں کسی اسٹیشن سے جموں والی گاڑی پکڑنی ہو گی۔"

"جالندھر شہر سے گاڑی بدلیں گے۔"

منگی نے شیر خان کے بازو کو سہلاتے ہوئے کہا۔ شیر خان نے اپنا بازو پیچھے کر لیا۔ منگی تنک کر بولی۔

"اس رائفل کو تو بڑا سینے سے لگا کر رکھتے ہو۔ یہ ہمیں پکڑوا دے گی اب۔" شیر خان نے کہا۔

"یہاں پنجاب کے سکھ زمیندار کیا رائفلیں بندوقیں لے کر نہیں چلتے؟"

"نہیں۔ یہاں ایسا رواج نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا کریں۔ میں رائفل ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔"

شیر خان نے دروازے کی درز میں سے باہر جھانک کر دیکھا۔ کوئی بڑا شہر آ رہا تھا۔ یہ شہر جالندھر ہی تھا۔ اسی اسٹیشن سے انہیں گاڑی بدلنی تھی۔ مال گاڑی اسٹیشن کے ریلوے یارڈ والے ویران پلیٹ فارم پر جا کر رک گئی۔ شیر خان نے باہر جھانک کر دیکھا۔ پلیٹ فارم چونکہ دوسری طرف تھا اس لیے یہاں اسے کوئی آدمی دکھائی نہ دیا۔ شیر خان نے منگی کو اشارہ کیا اور خود ڈبے میں سے نیچے کود گیا۔ پھر منگی کو ہاتھ کا سہارا دے کر نیچے اتارا۔ وہ دوڑ کر سامنے ایک بہت بڑے شیڈ کے پیچھے آ گئے۔ یہاں کچھ فاصلے پر ٹاہلیوں کے نیچے ایک سڑک گزر رہی تھی۔ جہاں ریلوے یارڈ کی حدود ختم ہوتی تھی وہاں تار کا جنگلا لگا ہوا تھا۔ شیر خان نے رائفل اپنے جسم کے ساتھ لگا رکھی تھی۔ منگی اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ ایک سکھ قلی ریل کی پٹڑیوں میں سے گزرتا اسٹیشن کی طرف جا رہا تھا۔ سڑک پر رکشے اور تانگے چل رہے تھے۔ انہوں نے بظاہر بڑے اطمینان سے جنگلہ پار کیا اور سڑک پر آ کر درختوں کے نیچے چل پڑے۔ منگی نے آہستہ سے کہا۔

"تمہاری رائفل ہمیں پکڑوا دے گی شیر خان۔"

"خاموش رہو۔" شیر خان نے اسے ہلکا سا ڈانٹ دیا۔ وہ ایک چوک میں سے گزر گئے۔ دن کا وقت تھا۔ شہر میں ہلکی بھاری ٹریفک جاری تھی۔ لوگ پیدل، سائیکل، رکشہ اور

اسکوٹروں پر آ جا رہے تھے۔ شیر خان کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے ہمیں کسی لاری اڈے پر چل کر جموں جانے والی لاری کا پتا کرنا چاہیے۔"

منگی نے ایک طرف اشارہ کیا جہاں بہت سی لاریاں کھڑی تھیں۔ شیر خان اسی طرف چلا۔ ایک لاری میں مسافر پہلے سے بیٹھے تھے۔ شیر خان نے ایک بوڑھے سکھ سے جموں جانے والی لاری کے بارے میں پوچھا۔ اس نے پیچھے کھڑی ایک خالی لاری کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اہیہ جاؤ گی۔"

ٹین کی چھت کے نیچے بنچوں پر اور فرش پر بہت سے ہندو سکھ مسافر بیٹھے تھے۔ منگی اور شیر خان بھی ایک طرف الگ سے ہو کر بیٹھ گئے۔ شیر خان نے منگی کو کچھ روپے دیے اور کہا۔

"پتا کرو۔ اگر ٹکٹ مل رہے ہوں تو جموں کے دو ٹکٹ لے آؤ۔"

منگی نے ایک چھوٹے سے کمرے کی کھڑکی کے پاس جا کر پوچھا کہ جموں کے ٹکٹ کہاں سے ملیں گے۔ اندر ایک نوجوان سکھ لڑکا جیکٹ میں ملبوس بیٹھا کاپی پر کچھ لکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"بی بی کتنے ٹکٹ چاہیے۔ لاری آدھے گھنٹے بعد جائے گی۔" منگی نے دو ٹکٹ خریدے اور شیر خان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"وہ کہتا ہے لاری آدھے گھنٹے بعد جائے گی۔" شیر خان بڑے محتاط انداز میں ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے ٹکٹ لے کر جیب میں رکھ لیے اور منگی سے کہا۔

"ذرا جائزہ لو۔ ہمیں کوئی مشتبہ نظروں سے تو نہیں دیکھ رہا؟" منگی نے نظریں گھما کر چاروں طرف غور سے دیکھا اور بولی۔

"مجھے تو کوئی خاص آدمی نظر نہیں آیا۔" وہاں ایک گھنٹہ گزر گیا۔ تب کہیں جا کر جموں جانے والی لاری میں مسافروں نے بیٹھنا شروع کیا۔ ایک سکھ اونچی آواز میں بولے جا رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جموں' جموں' جموں۔ چلو اک سواری لاری لاری جاری اے۔"

شیر خان اور منگی بھی لاری میں سوار ہوئے اور پچھلی سیٹوں پر جا کر بیٹھ گئے۔ شیر خان کی رائفل کو دیکھ کر سکھ ڈرائیور نے ہنس کر پوچھا۔

"بھرا جی لائسنس والی اے ناں؟"

"ہاں جی مہاراج لائسنس کول اے۔"

"شاوا شے۔ خیر بیٹھو ماراج۔"

شیر خان کے جواب نے ڈرائیور کو مطمئن کر دیا تھا۔ لاری روانہ ہوئی تو منگی نے بھی سکون کا سانس لیا۔ سارا راستہ امن و امان سے ہی گزر گیا۔ دن ڈوب رہا تھا کہ راستے میں جگہ جگہ کھڑی ہونے کے بعد لاری جموں شہر میں داخل ہوئی اور اپنے اڈے پر جا کر ٹھہر گئی۔ شیر خان کے پاس اتنے پیسے تھے کہ وہ کسی ہوٹل میں ٹھہر سکتے تھے۔ مگر وہ کسی ایسے ہوٹل کی تلاش میں تھے جو شہر سے ذرا باہر واقع ہو۔ بازاروں میں چلتے چلتے آخر انہیں ایک دو منزلہ درمیانے درجے کا ہوٹل نظر آگیا۔ یہاں انہوں نے میاں بیوی کی حیثیت سے ایک کمرہ کرائے پر لے لیا۔ کمرے میں ایک ہی پلنگ بچھا تھا۔ منگی نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے اپنی پتنی بنایا ہے تو اب بھول نہ جانا۔" شیر خان نے دیوار کے ساتھ لگے پرانے صوفے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"میں صوفے پر سوؤں گا۔ تم پلنگ پر سو جانا۔"

سردی کا موسم تھا۔ پلنگ پر ایک لحاف اور ایک کمبل بھی تہہ کیا ہوا پڑا تھا۔ شیر خان نے منہ ہاتھ دھویا۔ منگی نے بھی منہ ہاتھ دھو کر بالوں میں کنگھی پھیری۔ اتنے میں ہوٹل کا سکھ ملازم لڑکا آگیا۔

"بھوجن کمرے میں کریں گے یا نیچے آکر؟" شیر خان نے کہا۔

"یہیں لے آؤ پتر۔" اور ساتھ ہی لڑکے کو دس روپے کا نوٹ نکال کر دے دیا۔ "یہ تمہارا انعام ہے۔ دس روپے اس لڑکے کے لیے بہت تھے۔ وہ بڑا خوش ہوا اور سلام کر کے چلا گیا۔ منگی پلنگ پر لحاف اوپر کیے بیٹھی تھی۔ کیونکہ وہاں سردی کافی تھی۔ شیر خان

کمبل اوڑھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ کہ ہم عائشہ کی تلاش کہاں سے شروع کریں۔ میں تو اس شہر میں پہلی بار آیا ہوں۔" منگی بولی۔

"میں بھی صرف ایک بار پہلے آئی تھی میرا خیال ہے کہ تمہاری بیٹی کا سراغ ہمیں یہاں کے کسی جرائم پیشہ لوگوں کے اڈے سے مل سکے گا۔"

"وہ کیوں؟" شیر خان نے پوچھا۔ منگی نے کہا۔

"وہ اس لیے کہ عائشہ کو یہ کہا گیا تھا کہ تمہارا باپ جموں میں قید ہے۔ ظاہر ہے وہ یہاں آئی ہو گی تو اس قسم کے لوگوں سے ہی اس کا رابطہ ہوا ہو گا جنہوں نے اسے بتایا ہو گا کہ شیر خان نام کا کوئی قیدی یا مفرور یہاں پر نہیں آیا۔" شیر خان نے سر کو آہستہ سے جھٹک کر کہا۔

"تم نے فضول بات کی ہے۔ بہر حال رات گزر جانے دو۔ کل صبح میں خود سراغ لگانے نکلوں گا۔"

منگی نے کوئی جواب نہ دیا۔ کھانا کھانے کے بعد شیر خان نے بتی بجھائی اور کمبل اوڑھ کر صوفے میں گھس گیا۔ منگی پلنگ پر لحاف میں دبک گئی۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے بہت جلد انہیں نیند آگئی۔ صبح شیر خان کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ رات کو کسی وقت اٹھ کر منگی نے اس کے اوپر لحاف ڈال دیا تھا اور خود کمبل اوڑھ کر پلنگ پر سمٹی سمٹائی سو رہی تھی۔ شیر خان نے جلدی سے اپنا لحاف اس پر ڈال دیا منگی نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ مسکرائی۔

"میری جان! کیوں اتنی محبت جتا رہے ہو مجھ سے جب اس محبت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔" شیر خان نے ہاتھ کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ آرام سے پڑی رہو۔" سکھ لڑکا ناشتا لے کر کمرے میں آیا تو شیر خان نے اسے دس روپے کا ایک اور نوٹ دیا اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس سے پوچھا۔

"کیوں بھئی یہاں آس پاس کہیں دیسی شراب بھی ملتی ہے یا نہیں؟ ہم تو جب کبھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیتے ہیں تو گھر کی نکلی ہوئی شراب ہی پیتے ہیں یہ ولائیتی شراب تو ہمیں بالکل پسند نہیں۔" سکھ لڑکا کہنے لگا۔

"ہاں جی! آپ کہیں تو میں آپ کو لا دیتا ہوں۔" شیر خان نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں یار! ہوٹل میں جو دیسی شراب سپلائی ہوتی ہے وہ ٹھیک نہیں ہوتی۔ تم ہمیں کوئی ٹھکانہ بتا دو۔ میں خود وہاں جا کر دیکھ بھال کر لے آؤں گا۔ تم نہیں جانتے۔ یہ لوگ بڑی ملاوٹ کرنے لگے ہیں۔"

شیر خان کا مطلب یہی تھا کہ لڑکا اسے کوئی دیسی شراب کا اڈہ بتائے تاکہ وہ وہاں جا کر اس مقصد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے جس مقصد کو لے کر وہ اس شہر میں آیا تھا۔ سکھ لڑکے نے بتایا کہ یہاں سے دو چار میل دور ایک تالاب والا مندر ہے۔ اس مندر کے پیچھے ایک تکیہ ہے۔ وہاں دیسی شراب نکالی جاتی ہے اور شہر کو سپلائی ہوتی ہے۔ سکھ لڑکے کے جانے کے بعد منگی مسکرائی۔

"میں یہ سمجھ رہی تھی کہ تم اپنے واسطے دیسی شراب کا پوچھ رہے ہو۔ مگر اب معلوم ہوا کہ تم جرائم پیشہ لوگوں کا اڈہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ شیر خان نے کہا۔

"خدا بچائے شراب سے۔" منگی نے ہنس کر کہا۔

"جن لوگوں کی قسمت میں شراب نہیں لکھی ہوتی وہ یہی کہا کرتے ہیں۔" منگی شیر خان سے چھیڑ خانی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔ ان دونوں نے ناشتہ کیا اس کے بعد شیر خان بولا۔

"تم کمرے میں ہی ٹھہرو۔ میں تالاب والے مندر کی طرف جاتا ہوں۔ زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔ بہرحال تم یہاں سے کہیں مت جانا۔"

شیر خان نے رائفل پلنگ کے نیچے چھپا دی تھی اور منگی کو تاکید کی تھی کہ وہ اس کا خیال رکھے۔ وہ ہوٹل سے نکل کر بازار میں ایک طرف چل پڑا۔ سکھ لڑکے نے اسے راستے کا تھوڑا بہت حدود اربع بتا دیا تھا۔ شیر خان اندازے سے سڑک پر چلنے لگا۔ چوک میں وہ بائیں جانب ایک بازار میں آگیا۔ بازار کے آگے کھیت آگئے۔ یہاں شیر خان نے ایک آدمی سے تالاب والے مندر کا پتا پوچھ لیا اور کچھ دیر بعد وہ تالاب والے مندر پہنچ

گیا۔ اس کے پیچھے دو چار گھنے درختوں کے نیچے شیر خان نے کچھ آدمیوں کو بدن پر تیل ملتے ورزش کرتے دیکھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی وہ تکیہ ہے جس کی اسے تلاش تھی۔ وہ اکھاڑے کے قریب سے ہوتا ہوا اس چبوترے پر آکر بیٹھ گیا جو پیپل کے درخت کے نیچے بنا ہوا تھا۔ یہاں ایک آدمی گائے کو چارہ ڈال رہا تھا۔ سامنے ایک کوٹھری تھی جس کے باہر چارپائی پر ایک سرمنڈا بوڑھا ہندو کمبل اوڑھے بیٹھا گلاس میں چائے پی رہا تھا۔

کوٹھری میں سے ایک ورزشی بدن والا ہندو باہر نکلا تو اس کی نگاہ شیر خان پر پڑی۔ ایک اجنبی کو اپنے ڈیرے پر دیکھ کر وہ سیدھا اس کے پاس آگیا۔ شیر خان نے خود کو مفرور مجرم ظاہر کیا اور عائشہ کا حلیہ بتا کر ان سے پوچھا مگر انہوں نے ٹھیک سے کوئی جواب نہ دیا۔ اس طرح شیر خان مختلف لوگوں سے ملا مگر اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی تو واپس آگیا منگی اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔

"کچھ پتا چلا؟"

"اونہوں۔" شیر خان نے سر ہلا دیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ منگی بھی اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔

"شیر خان! میرا دماغ کہتا ہے کہ عائشہ اس شہر میں نہیں ہے۔ وہ یہاں سے جا چکی ہے۔" شیر خان نے منگی کی طرف دیکھا۔

"تمہارے دماغ پر مجھے اعتبار نہیں ہے۔"

"میری محبت پر تو اعتبار ہے نا؟" منگی نے بڑے لگاؤ سے کہا۔ شیر خان نے اس کا ہاتھ اپنے کاندھے سے ہٹا کر پرے کر دیا۔

"تو پھر تم کیا کہتے ہو؟ تمہارا کیا ارادہ ہے یہاں پر ہمارا زیادہ دیر بیٹھے رہنا بھی مناسب نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے یہاں بھی پولیس کو تمہارے فرار کی اطلاع پہنچ چکی ہو اور وہ تمہاری تلاش میں ہو۔"

پولیس کی طرف سے شیر خان اندر ہی اندر فکر مند ضرور تھا مگر اسے اپنی بیٹی کو بھی تلاش کرنا تھا۔ شاید یہی اب اس کی زندگی کا سب سے اہم مشن تھا۔ اس نے عہد کر لیا تھا کہ عائشہ اگر اسے زندہ مل گئی تو وہ اسے ساتھ لے کر جس طرح بھی ہوا واپس پاکستان چلا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے گا اور اس کی شادی کر کے باقی زندگی اپنے گھر کی چاردیواری میں گزار دے گا۔ کہنے لگا۔

"یہ شہر ہمارے لیے اجنبی ہے پولیس بقول تمہارے ممکن ہے ہماری گھات میں ہو۔ اگرچہ ابھی تک ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ کسی کو ہم نے اپنے پیچھے لگے ہوئے نہیں دیکھا۔ میں کس سے پوچھوں؟ کس انداز میں پوچھوں کہ میری بیٹی کہاں ملے گی؟" منگی بھی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ کہنے لگی۔

"ایک کوشش مجھے کر دیکھنے دو تم اب آرام کرو اب میں نکلوں گی عائشہ کی تلاش میں۔"

"تم کہاں جاؤ گی؟" شیر خان نے نگاہیں اٹھا کر پوچھا۔

"میں سنیاسن ہوں۔ کسی بھی مندر یا دھرم شالہ میں جا کر معلومات حاصل کر سکتی ہوں۔ ان جگہوں پر اکثر لاوارث عورتیں آتی رہتی ہیں۔ یا کم از کم ان کے بارے میں سراغ مل سکتا ہے کہ کون عورت آئی تھی۔ اور اب کہاں گئی ہے۔"

شیر خان نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش رہ کر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد شیر خان کمرے میں ہی رہا اور منگی اپنے اسی سنیاسیوں والے لباس میں ہوٹل سے نکل کھڑی ہوئی۔ کافی دیر تک وہ شہر میں ادھر ادھر گھومتی پھری۔ جب وہ شہر سے ذرا باہر ایک مضافاتی بستی میں آئی تو اسے دور ایک برساتی پہاڑی نالے کے کنارے اونچے ٹیلے کے دامن میں ایک مندر دکھائی دیا۔ یہ مندر شہر کے دوسرے مندروں سے ہٹ کر تھا اور اسی قسم کے مندر مجرمانہ سرگرمیوں کا مرکز ہو سکتے تھے۔ منگی مندر کی طرف چل پڑی۔ مندر کی ڈیوڑھی میں ایک موٹا تازہ مہنت زعفرانی گرم چادر میں اپنے بھاری بھرکم جسم کو لپیٹے چوکی پر بیٹھا پتھر کی چھوٹی سی کونڈی میں زعفران پیس رہا تھا۔ ایک بھرپور جوان سنیاسن کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس کا ہاتھ رک گیا۔ باچھیں کھل گئیں۔ چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے چہرے کی کیفیت دیکھ کر ہی منگی سمجھ گئی کہ یہ مندر کس قسم کا ہے اور یہ مہنت ایک اوباش آدمی ہے۔

منگی نے مہنت کو پرنام کیا اور کچھ کہے بغیر ڈیوڑھی میں سے گزر گئی۔ آگے چھوٹی سی کوٹھری میں ماتا شیراں والی کا بت پتھر کی دیوار میں ابھرا ہوا تھا جس پر سیندور مل دیا گیا تھا۔

منگی نے بت کو ماتھا ٹیکا۔ کچھ اشلوک پڑھے۔ پھر مہنت کے پاس آ کر ہاتھ باندھ کر بولی۔

"مہاراج! پرشاد دیجیے۔" ساتھ ہی منگی نے پوٹلی میں سے پندرہ روپے نکال کر مہنت کو پیش کر دیے۔ مہنت نے روپے چوکی کے نیچے رکھ لیے اور ایک تھالی میں سے میٹھے چنے اور کچھ رتن جوت کے پھول منگی کو دے کر کہا۔

"سنیاسن دیوی! تم کو پہلے یہاں کبھی نہیں دیکھا کس شہر سے آئی ہو؟" منگی مہنت کے قریب بیٹھ گئی۔

"پجاری جی! سنیاسی لوگوں کا کوئی شہر نہیں ہوتا۔ وہ کسی جگہ بھی ایک رات سے زیادہ نہیں ٹھہرتے۔"

مہنت نے کھرل میں سے تھوڑا سا زعفران انگلی پر اٹھا کر سنیاسن کے ماتھے پر لگا دیا اور بولا۔

"دیوی ماتا تم سے مل کر بڑی خوش ہوئی ہے۔" منگی اس اوباش مہنت کے شیطانی جذبات کو مزید برانگیخت کرنا چاہتی تھی۔ کہنے لگی۔

"مہاراج جب پجاری جی خوش ہو جائیں تو دیوی ماتا بھی خوش ہو جاتی ہے۔" مہنت نے جلدی سے منگی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"دیوی! تم تو دیوی ماتا کی اوتار ہو۔ کیا بات کہہ دی ہے تم نے۔ مگر ابھی میں تم سے اتنا خوش نہیں ہوا؟" منگی نے آہستہ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا۔

"وہ وقت بھی آ جائے گا پجاری جی۔" پجاری تو آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اس وقت مندر میں کوئی کوئی ہی پوجا کرنے آتا تھا۔ ویسے بھی پجاری کسی عورت سے اور خاص طور پر کسی جوگن سنیاسی ٹائپ کی عورت سے گھل مل کر باتیں کر رہا ہو تو لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ وہ یوگ ودیا کے اسرار و رموز حل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پجاری نے تھوڑا قریب ہو کر کہا۔

"اندر چل کر باتیں کرتے ہیں۔" پجاری بے چین ہو کر اٹھنے لگا تو منگی نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر وہیں بٹھا لیا۔

"پجاری جی! اتنی بے چینی اچھی نہیں ہوتی میں آج کی رات آپ کے مندر میں ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزاروں گی۔" پجاری مہنت کی ایک بار پھر باچھیں کھل گئیں۔ فوراً چوکی پر بیٹھ گیا اور منگی کے حسن و جمال کی تعریفیں شروع کر دیں پھر کہنے لگا۔

"میرے تو بھاگ جاگ اٹھے کہ آپ ایسی دیوی سنیاسن ہمارے مندر میں رات رہے گی۔ تم فکر نہ کرو۔ میں نے اپنی کوٹھری میں بجلی کا ہیٹر بھی لگوا رکھا ہے۔" منگی کو اس اوباش پجاری کے ناپاک عزائم سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اس سے کچھ ضروری معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس نے پوچھا۔

"پجاری جی! میرا ایک داس ہے۔ اس کی بچی گم ہو گئی ہے۔ جوان لڑکی ہے۔ خوش شکل ہے۔ بال سنہری سنہری ہیں۔ اردو پنجابی بول لیتی ہے۔ کہیں تم نے اسے دیکھا ہو تو بتاؤ۔" پجاری سوچنے لگا پھر بولا۔

"یہاں تو میں نے اس حلیئے کی کسی لڑکی کو نہیں دیکھا۔ ویسے میں پتا کر کے بتا سکتا ہوں۔"

"کہاں پتا کرو گے تم؟" منگی نے پوچھا۔ پجاری نے کہا۔

"ایک ٹھکانہ ہے۔"

"کون سا ٹھکانہ۔" منگی نے سوال کیا۔

پجاری سمجھ رہا تھا کہ اگر اس نے سنیاسن کو وہ ٹھکانہ بتا دیا تو شاید وہ رات کو اس کے پاس نہ آئے۔ کہنے لگا۔

"یہ تو میں تمہیں رات کو بتاؤں گا۔ اپنے بجلی والے ہیٹر کے سامنے بیٹھ کر۔" منگی نے فوراً کہا۔

"اچھی طرح سن لو پجاری جی! اگر تم مجھے اس ٹھکانے کے بارے میں ابھی نہیں بتاؤ گے تو میں رات اس مندر میں نہیں گزاروں گی۔" پجاری تو کانپ اٹھا۔ جلدی سے بولا۔

"ایسا ظلم نہ کرنا دیوی! بتاتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ یہاں ایک بڑا عیاش ڈوگرہ جاگیردار رہتا ہے۔ اس کی عمر تو کافی ہو گئی ہے۔ مگر عیاشیوں سے باز نہیں آیا۔ اس شہر میں جو کوئی بھولی بھٹکی عورت داخل ہوتی ہے اس جاگیردار کے آدمی اس عورت کو کسی نہ کسی طرح ورغلا کر اس کے پاس لے جاتے ہیں اور پھر وہ ڈوگرے جاگیردار کی حویلی سے کبھی رہائی

حاصل نہیں کر سکتی۔ اس جاگیردار کا ایک نوکر میرا واقف ہے۔ وہ مجھ سے کوئی راز نہیں چھپاتا۔ میں کل اس سے بات کروں گا۔ ہو سکتا ہے جس لڑکی کی تمہیں تلاش ہے وہ جاگیردار کی حویلی میں ہی ہو۔ وہاں دوسرے ملکوں کے اسمگلر ٹائپ کے لوگ بھی اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔"

منگی نے پوچھا کہ یہ حویلی کس جگہ پر ہے اس کے جواب میں پجاری نے کہا۔

"تم اکیلی وہاں جانے کا سوچنا بھی نہ دیوی نہیں تو تم بھی وہاں قید ہو کر رہ جاؤ گی۔" پجاری بڑا چالاک تھا۔ اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ڈوگرہ جاگیردار کی حویلی یہاں سے کافی دور پہاڑوں میں ایک بڑی پراسرار جگہ پر ہے۔ وہاں تو پولیس بھی نہیں جاتی۔ جاگیردار نے سب کا وظیفہ لگا رکھا ہے۔"

"اس کا نام کیا ہے؟" منگی نے پوچھا۔ پجاری آنکھیں گھماتے ہوئے بولا۔

"یہ تو میں تمہیں رات کو بتاؤں گا۔ بجلی کے ہیٹر کے سامنے بیٹھ کر۔" اسے بجلی کے ہیٹر کے سامنے بیٹھنے کا بڑا شوق تھا۔ منگی نے دل میں اس اوباش پجاری کو موٹی سی گالی دی اور کہا۔

"اگر تم مجھے اس جاگیردار کا نام نہیں بتاؤ گے تو میں رات کو مندر میں نہیں آؤں گی۔" عیاش پجاری پھر مار کھا گیا۔ کہنے لگا۔

"تم باز نہیں آؤ گی۔ تو سنو۔ صرف نام ہی بتاؤں گا۔ اس کا نام تو ارجن داس ہے مگر سب اسے راجہ صاحب راجہ صاحب کہہ کر بلاتے ہیں۔ اس کا یہی نام مشہور ہے۔" منگی اٹھ کر جانے لگی تو پجاری باہر تک اس کے ساتھ آیا۔ "دیوی! رات کو درشن ضرور دینا۔ ایک بات یاد رکھنا۔ راجہ صاحب کی حویلی کا رخ نہ کرنا۔ نہیں تو بہت بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔ پھر میں بھی تمہیں اس عیاشی کے اڈے سے نہیں نکال سکوں گا۔ تمہیں جس عورت کی تلاش ہے اس کا ٹھور ٹھکانہ مجھے راجہ صاحب کا نوکر ہی بتا سکے گا۔ میں کل اسے مندر میں بلا کر بات کروں گا۔ رات کو درشن ضرور دینا۔ میں نے بجلی کا ہیٹر لگا رکھا ہو گا۔"

منگی نے دل میں پجاری کو ایک اور گالی دی اور وہاں سے نکل آئی۔ ہوٹل میں آکر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیر خان کو ڈوگرہ جاگیردار راجہ صاحب کے بارے میں ساری تفصیلات بتا دیں۔ شیر خان بولا۔

"جب اس جاگیردار کی حویلی کا پتہ معلوم نہیں کہ وہ پہاڑوں میں کس جگہ پر ہے تو ہم وہاں کیسے جا سکتے ہیں؟" منگی نے کہا۔

"یہ تو کسی جگہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔" شیر خان کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے کہ تم رات کو مندر جانے کی بجائے کل دن میں پجاری سے ایک بار پھر ملو۔ کہہ دینا کسی وجہ سے تم رات کو نہیں آ سکی تھیں۔ اور دن کے وقت اس سے جیسے بھی ہو جاگیردار کی پراسرار حویلی کا پتا معلوم کرنا۔ پھر اکٹھے وہاں چلے چلیں گے۔ ہو سکتا ہے عائشہ کا وہیں سے کوئی سراغ مل جائے۔ ویسے مجھے امید نہیں کہ میری بیٹی اس عیاش جاگیردار کے قبضے میں ہو گی۔ کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو یہ جاگیردار اب تک ہلاک ہو چکا ہوتا۔"

منگی نے بھی یہی فیصلہ کیا کہ وہ کل پجاری سے دوبارہ ملے گی اگلے دن منگی دوپہر کے وقت مندر پہنچی تو پجاری کا منہ لٹکا ہوا تھا۔ منگی کو دیکھتے ہی حسرت بھرے لہجے میں بولا۔

"دیوی! میں نے بجلی کا ہیٹر ساری رات لگائے رکھا تمہارا بڑا انتظار کیا۔ ذرا سی آہٹ ہوتی تو کوٹھری سے باہر نکل کر دیکھ لیتا کہ شاید تم آئی ہو۔" منگی نے کہا۔

"مہاراج! مجھے شما کر دیں۔ بس ایک ایسا ضروری کام پڑ گیا تھا کہ میں جس گھر میں ٹھہری ہوئی ہوں وہاں سے ایک منٹ کے لیے بھی باہر نہ نکل سکی۔ وعدہ کرتی ہوں کہ آج رات ضرور آوں گی۔" پجاری ایک دم خوش ہو گیا۔ کہنے لگا۔

"کیوں نہ ابھی تھوڑی دیر کے لیے اندر چل کر بیٹھیں۔ باتیں کریں۔ بجلی کا ہیٹر بالکل ٹھیک چلتا ہے۔" منگی نے دل میں غصے سے کہا۔ میں تو تمہیں اسی بجلی کے ہیٹر پر بھون کر کھا جاؤں گی۔ اوپر سے مسکرا کر کہنے لگی۔

"نہیں پجاری جی! ابھی مجھے پھر ایک ضروری جگہ پر جانا ہے۔ رات کو ضرور آؤں گی۔ بلکہ شام کو ہی آجاؤں گی۔ مگر یہ بتاؤ کہ راجہ صاحب کی حویلی کہاں پر واقع ہے؟" پجاری ایک دم چوکنا ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ یہ سنیاسن صرف اپنا الو سیدھا کرنا چاہتی ہے۔ بولا۔

"دیوی! تم اب مجھے الو نہیں بنا سکتیں۔ میں تو راجہ صاحب کی حویلی کا پتہ تمہیں

رات کو ہی بتاؤں گا۔" منگی بولی۔

"میں اپنے آپ پتا کر لوں گی۔" پجاری نے کہا۔

"پتا کر لینے سے کیا ہو گا۔ تمہیں جس لڑکی کی تلاش ہے اس کا پتا میری مدد کے بغیر کبھی حاصل نہیں کر سکو گی۔ تم راجہ کی حویلی میں گئی نہیں کہ تمہیں غائب کر دیا جائے گا اور پھر تمہاری لاش بھی وہاں سے باہر نہیں آئے گی۔ اب تمہارا کیا خیال ہے؟" منگی نے بھی ایک فیصلہ کر لیا۔ کہنے لگی۔

"پجاری! میں تم سے کھل کر بات کرتی ہوں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے مندر میں رات بسر کروں تو مجھے اپنے خاص آدمی کی مدد سے پتا کر کے بتاؤ کہ سنہری بالوں والی گورے رنگ کی کوئی لڑکی راجہ کی حویلی میں موجود ہے یا نہیں۔ اس کے بعد میں تم سے کوئی بات کروں گی۔" پجاری بھی بڑا گرگ باراں دیدہ تھا۔ فوراً مسکرا کر بولا۔

"دیوی! اگر تم نے بات کھل کر کی ہے۔ تو میں بھی تم سے کوئی راز نہیں چھپاؤں گا۔ میں نے آج صبح راجہ کے خاص نوکر کو یہاں بلوا کر سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔"

"کیا معلوم ہوا تمہیں؟" منگی نے بے تابی سے پوچھا۔ پجاری نے یونہی جھوٹ موٹ کہہ دیا۔

"اس نے مجھے بتایا ہے کہ اس جلیبے کی ایک لڑکی تین چار دن ہوئے راجہ کی حویلی میں لائی گئی تھی اور وہ اب وہیں پر موجود ہے۔" منگی کو پہلے تو اس مکار پجاری کی بات پر یقین نہ آیا۔ پھر سوچا کہ ہو سکتا ہے اس نے کسی لالچ میں آکر سچ بول دیا ہو۔ پھر بھی اس نے اپنا دامن کھینچتے ہوئے کہا۔

"تو پھر پہلے میں اس بات کی تصدیق کر لوں کہ وہ لڑکی راجہ کی حویلی میں ہی ہے۔" پجاری ہنسا۔

"پگلی دیوی! تم ساری زندگی سر پٹختی رہو گی تب بھی تمہیں اس لڑکی کی شکل تک دکھائی نہیں دے گی۔ اس ڈوگرہ جاگیردار کی حویلی اس قسم کی عورتوں کے لیے اندھا کنواں ہے۔ جو عورت ایک بار اس میں گر جاتی ہے پھر کوئی اس کی شکل بھی نہیں دیکھ سکتا۔"

منگی دل میں پجاری کو گالیاں دیتی یہ کہہ کر وہاں سے اٹھ آئی کہ مہاراج اب رات کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملاقات ہو گی۔ ہوٹل میں آکر جب اس نے شیر خان سے ذکر کیا کہ راجہ کی حویلی میں بقول پجاری کے ایک سنہری بالوں والی گورے رنگ کی لڑکی موجود ہے تو اس کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔

"ہو سکتا ہے پجاری نے جھوٹ بولا ہو۔ مجھے یقین ہے میری بیٹی وہاں نہیں ہے۔ اور اگر ہو گی تو پھر اس کی لاش ہی وہاں ہو گی۔ عائشہ اپنی عزت کے لیے جان قربان کرنا اور دوسرے کی جان لینا جانتی ہے۔ میں نے اسے یہی تربیت دی ہے۔" منگلی کو شیر خان سے محبت تھی۔ عائشہ سے اسے اپنی بچیوں کی طرح پیار تھا۔ اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تم یہی سمجھتے ہو تو تم یہاں بیٹھو۔ میں راجہ کی حویلی کا ایک چکر ضرور لگانا چاہتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ پجاری جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ مجھے بھی بڑی پکی اطلاع ملی تھی کہ عائشہ جموں پہنچ گئی ہے۔ چونکہ یہاں اس کا کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ عین ممکن ہے کہ وہ اس ڈوگرے جاگیردار کے آدمیوں کے ہتھے چڑھ گئی ہو۔" شیر خان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ایسا ممکن نہیں ہے۔ عائشہ ایک شیرنی ہے وہ اکیلی چار آدمیوں کو ہلاک کر سکتی ہے۔" منگلی نے کہا۔

"چلو اگر راجہ کی حویلی میں تمہاری شیرنی چار آدمیوں کو مار کر خود مر گئی ہو گی تب بھی اس کا علم تو ہو جائے گا۔ ہمیں پتہ تو چل جائے گا کہ عائشہ یہاں لائی گئی تھی۔ مگر اس نے مقابلہ کیا اور چار آدمیوں کو ہلاک کر کے خود بھی موت کو گلے لگا لیا۔" شیر خان نے سر اٹھایا اور بولا۔

"ہاں۔ یہ معلوم کرنے ہم راجہ کی حویلی میں ضرور جائیں گے۔ مگر پہلے ہمیں یہ پتا کرنا ہو گا کہ اسی بدبخت ڈوگرے جاگیردار کی حویلی پہاڑوں میں کس جگہ پر واقع ہے۔"

"یہ پتا چلایا جا سکتا ہے۔" منگلی نے آہستہ سے کہا۔ ایک دم سے شیر خان کو اپنے شرابی دوست کا خیال آگیا۔ جو اسے عائشہ کی تلاش کے دوران ملا تھا کہنے لگا۔

"میں آج شام جاگیردار کی حویلی کا پتہ لگانے کی کوشش کروں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ اب تمہیں ہوٹل سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔"

سورج غروب ہوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ شیر خان ہوٹل سے نکل کر سیدھا تالاب والے مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ شام کو اندھیرا پھیل رہا تھا۔ شیر خان کو یقین تھا کہ وہ دبلا پتلا شرابی مندر کے عقب میں جو شراب کا خفیہ اڈہ ہے وہاں پر ضرور موجود ہو گا۔ وہ عادی شراب نوش تھا اور ایسے لوگ سر شام اپنے اڈوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ شیر خان کا اندازہ درست نکلا۔ اسے وہی شرابی وہاں ایک درخت کے تھڑے پر بیٹھا مل گیا۔ ذرا پرے بانس کے ساتھ لٹکا ہوا ایک بلب جل رہا تھا۔ شیر خان نے اسے جاتے ہی پرنام کیا اور پھر کہا۔

"کیا حال ہے مکندی؟ میں ادھر سے گزر رہا تھا سوچا تمہیں ملتا چلوں۔" مکندی مسکرا دیا۔

"بس بھگوان کی کرپا سے جی رہا ہوں۔ پی رہا ہوں۔ اور کیا چاہیے۔ لو تم بھی پیو۔" شیر خان بولا۔

"یار مکندی! میں نے کہا نا کہ ڈاکٹر نے مجھے منع کر رکھا ہے وگرنہ میں ضرور تمہارا ساتھ دیتا۔ تمہارے لیے اور شراب منگواؤں۔" مکندی بولا۔

"منگوا لو۔ شراب تو جتنی ملے کم ہے۔" وہ سگریٹ کے ساتھ سگریٹ جلانے لگا۔ شیر خان نے اسے جیب سے دس روپے نکال کر دیے۔ مکندی نے نوٹ پکڑ کر ایک طرف رکھ دیا۔

"ابھی بوتل میں کچھ شراب ہے۔ اسے پی لوں۔ پھر دوسری بوتل بھی منگا لوں گا۔" شیر خان نے مکندی کے ساتھ ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں پھر عیاش ڈوگرہ جاگیردار کا ذکر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھیڑ دیا۔

"یار مکندی! یہ ڈوگرہ جاگیردار راجہ صاحب کیا چیز ہے؟ سنا ہے اس کی حویلی میں جو عورت ایک بار جاتی ہے پھر اس کی لاش بھی وہاں سے نہیں نکلتی۔" مکندی کو نشہ ہو گیا تھا۔ وہ سر کو دائیں بائیں جھول رہا تھا کہنے لگا۔

"بڑا پکا بدمعاش ہے سالا۔ حویلی میں اس نے بدمعاش پال رکھے ہیں۔ ایک بار میں وہاں گیا تھا۔ سالا شراب بڑی اعلیٰ پیتا ہے۔ کہتے ہیں اس کے پاس ایک ایسی شراب ہے جو چار سو سال پرانی ہے۔ مگر اس میں زیادہ نشہ نہیں ہوتا۔ ہمیں تو یہ دیسی پسند ہے۔ سالی۔ سانپ کی طرح کاٹتی ہے۔" شیر خان نے پوچھا۔

"اس بدمعاش کی حویلی ہے کہاں؟ کہتے ہیں کہ وہاں کوئی چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی؟" مکندی نے راجہ کو پہلے تو دو تین گالیاں دیں۔ پھر شیر خان کو حویلی کا سارا حدود اربع بتا دیا۔ شیر خان نے اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔

"حویلی میں کوئی خفیہ تہہ خانہ ضرور ہو گا جہاں وہ اغوا کی ہوئی عورتوں کو چھپا کر رکھتا ہو گا۔" مکندی بوتل میں سے شراب انڈیل رہا تھا اور ساتھ ہی جھوم بھی رہا تھا کہنے لگا۔

"سالے کی ساری حویلی ہی تہہ خانہ ہے بڑا بدمعاش ہے۔ ہیروئن بھی اسمگل کراتا ہے۔ انگریز بھی اس کے پاس آتے رہتے ہیں۔ بڑی عیاشی ہوتی ہے وہاں ساری ساری رات جوا اور شراب چلتی ہے۔" مکندی نے گلاس میں سے شراب کا آخری گھونٹ حلق میں انڈیلنے کے بعد کہا۔ "تم ٹھہرو میں بوتل لے آؤں۔" وہ لڑکھڑاتا ہوا جھونپڑے کی طرف گیا تو شیر خان وہاں سے چلا آیا۔ اسے عیاش ڈوگرہ جاگیردار کی حویلی کا پتہ معلوم ہو گیا تھا اب اس کا وہاں بیٹھنا بیکار تھا۔ ہوٹل میں آکر اس نے منگی کو راجہ کی حویلی کا پورا ایڈریس اور نقشہ بتایا تو وہ بڑی حیران ہوئی۔

"تم نے تو پوری جاسوسی کی ہے۔ اب میری بات مانو اور وہاں پہلے مجھے جا کر حالات کا جائزہ لینے دو۔ تمہارا اکیلے وہاں جانا ٹھیک نہیں۔ تم ان لوگوں سے واقف نہیں ہو اور یہ علاقہ بھی تمہارے لیے اجنبی ہے۔" شیر خان نے کہا۔

"میرا فیصلہ اٹل ہے۔ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں جاؤ گی۔ تم اسی جگہ بیٹھو گی۔ میں

اکیلا جاگیردار کی حویلی میں جاؤں گا۔ اگر میری بیٹی وہاں ہوئی تو یقین کرو۔ مجھے اس کی خوشبو اس کے پاس پہنچا دے گی۔" منگی نے کہا۔

"شیر خان! بھگوان کے واسطے کوئی عقل کرو۔ تمہارے پاس تو اسلحہ بھی نہیں ہے۔ یہ اتنی بڑی رائفل کہاں ساتھ لیے لیے پھرتے رہو گے۔ میری بات مانو اور مجھے پہلے جانے دو۔ میں تو سنیاسن جوگن بن کر جاؤں گی۔ مجھے کوئی نہیں روکے گا اور مجھ پر کوئی شک شبہ بھی نہیں کرے گا۔"

اب شیر خان کے دماغ میں بھی یہ بات آگئی کہ اس کے پاس تو کوئی پستول وغیرہ بھی نہیں ہے۔ رائفل وہ کیسے ساتھ لے جائے گا۔ منگی کی دلیل بڑی مضبوط تھی۔ جب منگی نے زیادہ اصرار کیا تو شیر خان مان گیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم ہی پہلے جاؤ۔"

یہ منگی کی حماقت تھی۔ کہ اس کا اپنے اوپر ضرورت سے زیادہ اعتماد تھا جو اسے بے دھڑک ایک ایسے ماحول میں لیے جا رہا تھا۔ جہاں خونخواری درندگی اور وحشت کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اگر منگی آدم خور شیروں کے غار میں داخل ہو جاتی تو شاید ایک آدھ شیر اسے معاف کر دیتا مگر وہ جس غار میں داخل ہونے والی تھی وہاں اذیت پرست شیطان صفت لوگ رہتے تھے۔ جو درندوں اور جانور کے مقام سے بھی نیچے گر چکے تھے۔ منگی کو زندگی کا ایک اندوہناک تجربہ ہونے والا تھا۔

ڈوگرہ جاگیردار کی حویلی شہر سے تھوڑی دور پہاڑی ٹیلوں کے درمیان واقع تھی۔ یہ دو منزلہ پرانی قسم کی عمارت تھی جس کی ہر منزل میں چھوٹے چھوٹے لکڑی کے فرش والے کئی کمرے تھے۔ پہلی منزل میں زمین دوز تہہ خانے بھی تھے۔ حویلی کے چاروں طرف پتھر جوڑ کر بنائی گئی بیس پچیس فٹ اونچی دیوار تھی۔ جیسے کسی قلعہ کی دیوار ہوتی ہے۔ اندر جانے کے لیے ایک پھاٹک تھا جہاں جاگیردار کے دو ڈوگرہ سابق فوجی سپاہی ہر وقت پہرے پر موجود رہتے تھے۔ حویلی کے ارد گرد اونچے اونچے سنگلاخ پہاڑی ٹیلے تھے۔ حویلی تک ایک چھوٹی مگر پختہ سڑک آتی تھی۔ جو ٹیلوں کے درمیان بل کھاتی آگے جا کر بانمال جانے والی سڑک کے ساتھ مل جاتی تھی۔ منگی کو رات کے وقت چوروں کی طرح جانے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ضرورت نہیں تھی۔ وہ جوگی سنیاسیوں کے بھیس میں تھی اور اسے یقین تھا کہ کوئی بھی ہندو اس لباس کا احترام کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ دن کے وقت ڈوگرہ جاگیردار کی حویلی کی طرف چل پڑی۔ بانہال روڈ پر جہاں سے چھوٹی سڑک راجہ کی حویلی کی طرف نکلتی تھی۔ منگی لاری میں سے اتر پڑی۔ وہ گیروے لباس میں تھی۔ گلے میں حسب معمول مالا ڈال رکھی تھیں۔ وہ سڑک پر پیدل چلنے لگی۔ دونوں جانب قد آدم جنگلی جھاڑیاں کھڑی تھیں۔ وہ سڑک کا ایک موڑ گھومی تو ایک آدمی جھاڑیوں میں سے نکل کر اس کے سامنے آگیا۔ اس نے ڈوگری زبان میں پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں جا رہی ہے۔ منگی نے انگلی کا اشارہ آسمان کی طرف کر کے کہا۔

"ہم تو جوگی سنیاسی لوگ ہیں۔ سنا ہے ادھر ایک حویلی ہے جہاں بڑا نیک دل راجہ رہتا ہے۔ ہم اس راجہ کو ایک ایسا راز بتانے آئے ہیں۔ جس سے اس کی دولت کبھی ختم نہیں ہو گی اور اس کی نسلیں عیش کریں گی۔"

اس آدمی نے سگریٹ کا کش لگا کر اسے پاؤں تلے مسلا اور منگی کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ منگی پہلا ایسا عام ہندو دیکھ رہی تھی جو اس کے سنیاس سے متاثر ہونے کی بجائے ہوسناک نظروں سے اس کے بدن کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے بڑی رعب دار آواز میں کہا۔

"ہمیں بتاؤ راجہ کہاں ملے گا؟ دیوتاؤں نے ہمیں اس کے پاس بھیجا ہے۔" وہ آدمی تھوڑا سا ہنسا اور آگے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"آگے چلی جاؤ۔ حویلی آجائے گی راجہ صاحب کی۔"

منگی آگے چلی گئی۔ اسے اب بھی اپنے جوگیانہ روپ پر پورا اعتماد تھا۔ ایک موڑ مڑنے پر سامنے اونچی دیواروں والی حویلی آگئی۔ لکڑی کے بند پھاٹک پر تانبے کا پترا چڑھا ہوا تھا۔ اور دو سپاہی دونوں جانب پہرے پر کھڑے تھے۔ دیوار کے ساتھ دو پرانی جیپیں اور ایک ویگن کھڑی تھی جس کے سواری شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ ایک جوگن کو پھاٹک کی طرف آتے دیکھ کر سپاہیوں نے اسے اشارے سے وہیں روک دیا۔ منگی نے بازو بلند کیا اور اونچی آواز میں بولی۔

"راجہ سے کہو ہمیں دیوی دیوتاؤں نے بھیجا ہے۔ ہم تمہیں دیوتاؤں کا ایک خاص

سندیسہ دینے آئے ہیں۔"

پہرے داروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان میں سے ایک نے ذرا آگے بڑھ کر منگی سے کہا۔

"دیوی ماتا! یہاں سے واپس چلی جاؤ تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

مگر منگی تو ایک خاص مقصد ایک اہم مشن اپنے ساتھ لے کر آئی تھی۔ وہ عائشہ شیرنی کا سراغ لگائے بغیر کیسے واپس جا سکتی تھی۔ اس نے سپاہیوں پر مزید اثر ڈالنے کے لیے اونچی آواز میں سنسکرت کے اشلوک پڑھنے شروع کر دیے۔ پہرے داروں نے منگی کو بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ راجہ صاحب سے نہیں مل سکتی۔ وہ اس وقت اپنے مہمانوں کے ساتھ مصروف ہیں مگر منگی اونچی آواز میں اشلوک پڑھتی گئی۔ اتنے میں حویلی کی دوسری منزل کی ایک لکڑی کی گیلری میں ایک دراز قد بڑی بڑی مونچھوں اور کرخت چہرے والا آدمی نمودار ہوا۔ اس کی داڑھی اور مونچھیں خضاب سے سیاہ کی ہوئی تھیں۔ عمر ساٹھ کے قریب ہو گی۔ ہیرے کے بٹنوں والی سفید براق شیروانی پہنی ہوئی تھی۔ سر پر زعفرانی رنگ کی پگڑی بندھی تھی جس کے سامنے سفید موتی چمک رہا تھا۔ یہ ڈوگرہ جاگیردار تھا جو راجہ صاحب کے نام سے مشہور تھا۔ اور جو اس حویلی کا بلا شرکت غیرے حکمران تھا۔ اس کے ہاتھ میں آدھا پیا ہوا فرنچ وائن کا گلاس تھا۔ اس نے بالوں بھری بھویں سکیڑ کر دیکھا کہ پھاٹک کے باہر صحت مند جسم والی ایک عورت جوگیانہ لباس میں کھڑی ہے اور بلند آواز میں اشلوک پڑھ رہی ہے۔

راجہ نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ پہرے داروں نے فوراً پھاٹک کا چھوٹا دروازہ کھول دیا۔ منگی نے بھی گیلری میں راجہ کو دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کا لباس اور شان و شوکت کو دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ یہی ڈوگرہ جاگیردار ہے۔ وہ اس کو اپنے زیر اثر لا کر عائشہ شیرنی کا اتا پتہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔ اور اگر وہ اس حویلی میں موجود تھی تو اسے یہاں سے فرار کروانا چاہتی تھی۔ منگی حویلی کے صحن میں داخل ہو گئی اس نے گیلری کے نیچے آکر اوپر راجہ کو دیکھا اور پرنام وغیرہ کرنے کی بجائے اس پر اثر ڈالنے کی خاطر بلند آواز میں کہا۔

"اگر تم ہی راجہ صاحب ہو تو سنو راجہ مجھے دیوی دیوتاؤں نے تمہیں ایک خاص

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سندیسہ دے کر بھیجا ہے۔"

راجہ نے وائن کا گلاس گیلری میں پڑی سنگ مرمر کی میز پر رکھا۔ ہاتھ باندھ کر منگی کو پرنام کیا اور اپنے خادموں کو حکم دیا۔

"دیوی جوگن کو بڑی عزت احترام کے ساتھ اوپر لے آؤ۔" خدمت گار منگی کو گیلری کے نیچے دیکھ کر فوراً برآمدے میں بندوقیں لے کر آ گئے تھے۔ راجہ کا حکم سنتے ہی انہوں نے منگی کو ساتھ لیا اور حویلی کی ڈیوڑھی میں جو زینہ تھا اس پر چڑھنے لگے۔ منگی ان کے پیچھے پیچھے تھی۔

راجہ یعنی ڈوگرہ جاگیردار اس وقت اپنے پرانے اسمگلر دوست اور فرانس کے چھٹے ہوئے بدمعاش اور قاتل مسٹر شارل سے اپنے منشیات کے کاروبار کے بارے میں بڑی اہم گفتگو کر رہا تھا۔ سنسکرت کے اشلوکوں کی آواز اسے گیلری کی طرف لے گئی تھی۔ خدمت گار منگی کو راجہ کے کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے۔ راجہ نے بڑے ادب سے جھک کر منگی کی تعظیم کی اور کہا۔

"دیوی جی! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" منگی بڑی خوش تھی کہ یہ اوباش قسم کا طاقتور اور ظالم انسان بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ منگی کے اعتماد میں اضافہ ہو گیا۔ اس نے نڈر لہجے میں کہا۔

"اے راجہ! دیوی دیوتا تم پر بہت مہربان ہیں۔ بھگوان جانے تم نے کون سا پن کیا ہے کہ دیوتا تمہیں نہال کر دینا چاہتے ہیں۔ میں ان کا خاص سندیسہ لے کر تمہارے پاس آئی ہوں۔"

راجہ نے بڑی ملائم آواز میں کہا۔

"دیوی جی! یہ میرے دھن بھاگ ہیں کہ دیوتا لوگ مجھ پر مہربان ہیں۔ یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ آپ دیوی دیوتاؤں کا سندیسہ لے کر میرے پاس آئی ہیں۔ میں آپ سے گزارش کروں گا کہ مجھے تھوڑی دیر کی اجازت دے دیں۔ میں اس وقت ایک کاروباری بات چیت کر رہا ہوں۔ آپ ساتھ والے کمرے میں تشریف رکھیں۔ میں ابھی آپ کی خدمت میں سیوا کرنے حاضر ہو جاؤں گا۔"

منگی اس دوران وہاں مخمل کے صوفے پر بیٹھے ایک ہاتھ میں وائن کا گلاس اور دوسرے ہاتھ میں سلگتا ہوا سگار تھامے فرانسیسی اسمگلر شارل کا جائزہ لے چکی تھی۔ اسے یہ پختہ عمر مگر بھینسے کے ڈیل ڈول والا فرانسیسی آدمی کوئی خطرناک قاتل لگا۔ مگر اس وقت منگی کی ساری توجہ راجہ صاحب کی طرف تھی۔ اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے خوش نصیب راجہ! میں ساتھ والے کمرے میں بیٹھتی ہوں۔ مگر کسی کو میری خدمت کا حکم نہ دیا جائے۔ ہم سنیاسی لوگ کسی کے گھر سے پانی تک نہیں پیتے۔"

راجہ نے ذرا سا مسکرا کر سر جھکا دیا جیسے کہہ رہا ہو جو آپ کا حکم۔ منگی ساتھ والے کمرے میں آ گئی۔ یہ کمرہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ سجا ہوا تھا۔ قالینوں کا فرش تھا۔ دیواروں پر سرخ مخمل کے پردے ٹنگ رہے تھے۔ آتشدان میں ہلکی ہلکی آگ روشن تھی جس کی وجہ سے کمرے میں بڑی پرسکون گرماہٹ تھی۔ دیوار کے ساتھ صوفے لگے تھے۔ درمیان میں سنگ مرمر کی کافی بڑی ٹیبل تھی۔ کارنس پر چاندی کے گلدان رکھے۔ اوپر ڈوگرہ جاگیردار راجہ کی مصور کی بنائی ہوئی روغنی تصویر سنہری چوکھٹے میں لگی تھی۔ سب سے نمایاں چیز ایک پلنگ تھا جس پر ریشمی بستر لگا تھا۔ مسہری اوپر اٹھی ہوئی تھی۔ پلنگ کے پائے موٹے موٹے تھے اور ان پر چاندی کا پترا چڑھا ہوا تھا۔ پاس ہی ایک چمکدار گلدان رکھا تھا۔ چھت منقش تھی جس کے وسط میں ایک فانوس روشن تھا۔ اس کمرے میں بظاہر کوئی کھڑکی یا روشندان دکھائی نہیں دیتا تھا۔

منگی نے اس اوباش آدمی کے بارے میں جو سنا تھا بالکل ویسا ہی یہاں منظر بنا ہوا ہے۔ یہ کسی عیش پرست جاگیردار کا بیڈ روم ہی ہو سکتا ہے۔ کارنس کے ساتھ ایک جانب اخروٹ کی لکڑی کی ایک منقش قد آدم الماری تھی۔ جس کے ایک پٹ پر آئینہ تھا۔ منگی نے آئینے میں اپنی شکل صورت دیکھی۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کے سراپا میں بھی ابھی بڑی کشش ہے۔ وہ اپنے آپ سے شرما سی گئی۔ اس نے جونہی الماری کا دوسرا پٹ کھولا تو دیکھا کہ اندر خانوں میں شراب کی قسم قسم کی بوتلیں سلیقے سے لگی ہوئی ہیں۔ منگی نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا اور صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ آتشدان میں بڑی دھیمی آگ روشن تھی۔ کمرے کی نیم گرم فضا میں منگی کو بڑی راحت محسوس ہونے لگی تھی۔ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ دنیا اور دنیا کے کاروبار جائیں جہاں جاتے ہیں۔ مجھے اس پلنگ پر لیٹ کر سو جانا چاہیے۔

باہر قدموں کی آواز آئی۔ منگی جلدی سے بالکل سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ راجہ بڑی شان سے پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہوا اور ہاتھ باندھ کر بولا۔

"دیوی جی! مجھے شما کر دیجئے گا۔ میں نے آپ کو بڑا انتظار کروایا۔"

منگی نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ اب یہاں بیٹھو اور دیوی دیوتاؤں نے تمہارے لیے جو سندیسہ بھیجا ہے اسے غور سے سنو اور اس پر عمل کرو۔"

راجہ بڑے ادب سے منگی کے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ ابھی تک سینے پر بندھے ہوئے تھے۔ جیسے جوگن کے احترام کی وجہ سے ہاتھ الگ نہ کرنا چاہتا ہو۔

"دیوی جی! حکم کریں' میں دیوتاؤں کا سندیسہ سننے کے واسطے بے چین ہو رہا ہوں۔"

منگی نے سب کچھ پہلے ہی سے سوچ رکھا تھا۔ کہنے لگی۔

"سنو راجہ! اندر دیوتا نے کہا کہ راجہ سے جا کر کہو کہ وہ چاند کی پہلی تاریخ کو اپنے محل کی چھت پر آدھی رات کو آئے۔ ہم اس کو ایک تحفہ دینا چاہتے ہیں۔"

راجہ بولا۔ "یہ میرے دھن بھاگ ہیں دیوی جی! میں ایسا ہی کروں گا۔ اندر دیوتا نے اور کیا کہا ہے۔"

منگی نے جب دیکھا کہ یہ راجہ تو اس کا بالکل مطیع ہو چکا ہے تو کہا۔

"اندر دیوتا کا حکم ہے کہ تمہاری حویلی میں ایک سنہرے بالوں والی ایک ایسی لڑکی بھی آگئی ہے جو ہماری بھگتنی ہے۔ اس کو فوراً اپنی حویلی سے عزت کے ساتھ رخصت کر دو اور اس کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔"

راجہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"دیوی جی! یہاں تو ایسی کوئی لڑکی نہیں ہے میری حویلی میں تو سوائے میری بیوی اور دو تین نوکرانیاں ہی ہیں۔ ان کے سوا کوئی غیر عورت نہیں ہے۔ دیوتا اندر کو مغالطہ لگا

ہے۔"

منگی نے آواز میں تھوڑی سی گھن گرج پیدا کرتے ہوئے کہا: "تم کون ہوتے ہو اندر دیوتا کو جھٹلانے والے۔ خبردار ایسی بات پھر زبان سے نہ نکالنا۔ دیوتا تجھ پر مہربان ہیں۔ کہیں وہ ناراض ہو گئے تو اس حویلی کو الٹ کر رکھ دیں گے۔"

راجہ نے جلدی سے ہاتھ جوڑ دیے۔

"دیوی جی! مجھے معاف کر دیں۔ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔ دیوتاؤں سے بھی مجھے معافی دلا دیں۔ ہو سکتا ہے کہ حویلی میں کوئی نوکر چاکر کسی سنہرے بالوں والی لڑکی کو کہیں سے لے آیا ہو۔ میں ابھی پتا کرواتا ہوں۔ اگر وہ لڑکی میری حویلی میں ہوئی تو میں اسے بڑی عزت کے ساتھ دھن دولت دے کر رخصت کروں گا۔"

منگی بڑی خوش ہوئی کہ راجہ سیدھی راہ پر آگیا تھا۔ کہنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔ تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ دیوتا تمہیں معاف کر دیں گے۔ کیونکہ وہ ہماری باتیں اس وقت سن رہے ہیں۔"

"یہ میری خوش بختی ہے دیوی جی۔"

ڈوگرہ جاگیردار یہ کہہ کر صوفے پر سے اٹھا۔ وہ الماری کی طرف جانے لگا تو منگی نے کہا۔

"سنہری بالوں والی لڑکی کی تلاش ابھی سے شروع ہو جانی چاہیے اے راجہ۔ دیوی دیوتاؤں کے کاموں میں دیر نہیں لگنی چاہیے۔"

اتنی دیر میں راجہ الماری کے پاس پہنچ چکا تھا اس نے وہیں سے پیچھے مڑ کر منگی کی طرف ہاتھ جوڑے اور کہا۔

"آپ کے حکم پر ابھی عمل شروع ہو جائے گا دیوی جی! پہلے میں آپ کی کچھ سیوا کرنا چاہتا ہوں۔"

منگی نے بے نیازی سے کہا۔

"میری یہی سیوا ہو گی کہ تم دیوی دیوتاؤں کے حکم کا پالن کرو۔"

راجہ نے الماری کا پٹ کھولا اور اس میں سے شراب کی ایک بوتل جس پر سنہری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاٹ لگا تھا نکال کر لے آیا۔ وہیں سے ہی اس نے بڑے نازک قسم کے چھوٹے چھوٹے دو گلاس بھی اٹھا لیے تھے۔ منگی کا ذرا سا ماتھا ٹھنکا۔ پھر سوچا کہ یہ شخص ایسی جرات نہیں کر سکتا۔ اس نے یہ ظاہر کرتے ہوئے جیسے اس نے راجہ کے ہاتھ میں شراب کی بوتل کو نہیں دیکھا کہا۔

"اب ہم کھلی ہوا میں جانا چاہتے ہیں۔ تاکہ دیوتاؤں کا آسمان پر درشن کر سکیں۔"

راجہ نے شراب کی بوتل صوفے کے آگے پڑی ہوئی سنگ مرمر کی میز پر رکھ دی۔ دونوں گلاس بھی پاس ہی رکھ دیے۔ اور منگی کی طرف چہرہ اٹھا کر کہا۔

"دیوی جی! دیوتاؤں کی بات ہو رہی تھی۔ تو ان کے نام بھی تھوڑی سی مدورا بھی پی لینی چاہیے۔" منگی نے سخت لہجے میں کہا۔

"اے راجہ! یہ پاپ ہے۔ ایسا خیال بھی کبھی اپنے دل میں مت لانا۔"

راجہ نے دونوں گلاسوں میں شراب ڈال دی تھی۔

"دیوی جی! سارے دیوی دیوتا مدورا پیتے ہیں تو تم بھی ایک پیگ پیو۔"

راجہ نے ایک گلاس منگی کی طرف کھسکا دیا اور دوسرا گلاس اٹھا کر پورے کا پورا پیگ حلق میں انڈیل کر دوسرا گلاس بنانے لگا۔

منگی کی چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی۔ مگر ابھی اس کے احمقانہ اعتماد نے اس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ وہ غصے میں آ کر بولی۔

"اے راجہ! تم دیوتاؤں کا اپمان کر رہے ہو اس گلاس کو پیچھے ہٹا لو۔ نہیں تو تم پر دیوتا اندر کا عذاب نازل ہو گا۔"

راجہ نے اپنی اچکن کی آستین میں سے سفید ریشمی رومال نکال کر اپنی مونچھوں کو بڑی نفاست سے صاف کیا اور بولا۔

"اندر دیوتا خود پیتا ہے۔ تمہیں معلوم نہیں؟" منگی ابھی تک غضبناک موڈ میں تھی۔ غصیلی آواز میں ڈانٹتے ہوئے بولی۔

"میں آخری بار کہتی ہوں راجہ۔" پھر ایکدم سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں جا رہی ہوں۔ مگر یاد رکھو۔ تم دیوتاؤں کے عذاب سے نہیں بچ سکو گے۔" وہ تیز تیز قدم اٹھاتی

دروازے کے پاس آئی۔ اسے کھولنے لگی تو وہ بند تھا۔ پیچھے سے راجہ کی آواز آئی۔

"میری زہریلی ناگن! یہ دروازہ تو تمہارا دیوتا اندر بھی آ جائے تو نہیں کھول سکے گا۔ جرمنی کا نمبرون والا آٹومیٹک تالا لگا ہے اس میں۔

واپس آ جاؤ خاموشی سے۔" منگی سر سے پاؤں تک لرز گئی۔ اس کا اعتماد غائب ہو گیا۔ اب اسے محسوس ہوا کہ وہ ایک کمزور عورت ہے اور ایک ایسے شخص کے ساتھ کمرے میں اکیلی ہے جو مرد بھی ہے۔ شرابی بھی ہے اور درندہ صفت بھی ہے۔ اس کے پاس زہریلے تیروں میں سے ایک تیر بھی نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو وہ کم از کم اس سے اپنا بچاؤ کر سکتی تھی۔ اب اسے احساس ہونے لگا تھا کہ اس نے اس آدمی کی حویلی میں آ کر کتنی بڑی حماقت کی ہے۔ اس دوران راجہ شراب کے مزید دو گلاس اوپر تلے پی چکا تھا اور اس کی باقی ماندہ درندگی بھی بیدار ہو گئی تھی۔ وہ اٹھ کر منگی کے پاس آیا۔ اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور مخمور سرخ آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"یہ پرانی سی چادر تم نے اپنے جسم پر کیوں لپیٹ رکھی ہے؟ میں تمہیں نئی ریشمی چادر دوں گا۔"

منگی نے راجہ کو دونوں ہاتھوں سے پیچھے کی طرف دھکا دیا۔ راجہ گرتے گرتے سنبھلا۔ منگی کے قریب آیا۔ اور اتنی زور سے اس کے منہ پر طمانچہ مارا کہ منگی کی آنکھوں میں تارے ناچنے لگے۔ وہ شدید درد سے بلبلا اٹھی اور اس کا سر دروازے سے جا ٹکرایا۔ راجہ نے منگی کو کلائی سے پکڑ کر گھسیٹا اور پلنگ پر پھینک دیا۔ ساتھ ہی اسے بڑی گندی گندی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ منگی کا جسم برف کی طرح سرد پڑ گیا تھا۔ اس کے بعد اسے کچھ ہوش نہ رہا۔

جب راجہ کمرے سے باہر نکل گیا تو فرانسیسی قاتل شارل اندر داخل ہوا۔ منگی نے چادر میں اپنے آپ کو لپیٹنے کی کوشش کی تو شارل ایک بھینسے کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا اور اسے اتنا زدوکوب کیا کہ منگی کے منہ سے خون نکل آیا۔ آدھے گھنٹے بعد فرانسیسی قاتل جھومتا جھامتا کمرے سے چلا گیا۔ ہر بار دروازہ اپنے آپ کلیک کی آواز کے ساتھ بند ہو جاتا۔ منگی ادھ موئی حالت میں پلنگ پر نیم بے ہوش پڑی تھی۔ اس کے بعد دروازہ کھلا تو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راجہ کے دو نوکر اندر آئے۔ انہوں نے منگی کو پلنگ پر سے ڈولی ڈنڈا کر کے اٹھایا اور کمرے کے باہر لے گئے۔ کمرہ ویران اور خالی رہ گیا۔ کمرے کی فضا میں خاموشی ملامت تھی۔ جس طرح گناہ کرنے پر آدمی کا ضمیر ملامت کرتا ہے۔

جب شام ہو گئی اور منگی واپس نہ آئی تو شیر خان فکر مند ہوا خدا خیر کرے اسے اب تک آجانا چاہیے تھا۔ کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس گئی ہو۔ شیر خان کو یقین تھا کہ منگی حویلی کے اندر ہی ہے۔ اگر باہر ہوتی تو ضرور آتی۔ ایک خیال اس کے ذہن میں یہ بھی تھا کہ بہت ممکن ہے مکندی شرابی کی اطلاع درست ہو اور اس کی شیرنی بیٹی بھی اس بدمعاش راجہ کی حویلی میں قید ہو۔ شیر خان راجہ کی حویلی میں جانے کو تیار ہو گیا۔ اس کے پاس صرف ایک رائفل اور چند ایک فالتو گولیاں تھیں۔ چاقو تک نہیں تھا۔ وہ رات کا اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے پہاڑیوں میں واقع حویلی تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ شام کا ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ شیر خان رائفل کے بغیر حویلی میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس نے رائفل کو پتلون اور جیکٹ کے اندر بالکل سیدھا ڈال کر کپڑوں میں چھپایا اور کمرے کو بند کر کے ہوٹل سے نکل کر بازار میں آگیا۔ مکندی شرابی نے اسے جو راستہ بتایا تھا وہ اسی راستے پر چل پڑا۔ ایک جگہ چوک میں آکر اس نے رکشہ لے لیا۔ اس رکشے میں بیٹھ کر وہ بانہال روڈ پر کافی آگے تک چلا آیا۔ یہاں وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں اس چھوٹی سڑک کو تلاش کرنے لگا۔ جو بڑی سڑک پر سے دائیں ہاتھ کو پہاڑیوں کی طرف جاتی تھی۔ سائیکل رکشہ زیادہ تیز نہیں چل رہا تھا۔ ابھی اتنا اندھیرا بھی نہیں ہوا تھا۔ آخر اسے ایک جگہ چھوٹی سی سڑک دائیں جانب پہاڑیوں کی طرف نکلتی نظر آگئی۔

شیر خان نے وہاں رکشہ چھوڑ دیا اور اونچی اونچی پہاڑیوں کے درمیان چھوٹی سڑک پر چلنے لگا۔ چلتے ہوئے پتلون کے اندر بالکل سیدھی کر کے چھپائی ہوئی رائفل اسے تنگ کر رہی تھی۔ بارونق بازاروں میں تو مجبوری تھی مگر یہاں سڑک دور تک ویران دیکھ کر شیر خان نے رائفل پتلون میں سے نکال کر ہاتھ میں تھام لی۔ وہ احتیاطاً سڑک سے ہٹ کر جھاڑیوں کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور بڑا چوکس تھا۔ جانتا تھا کہ راجہ نے راستے میں اپنے آدمی ضرور نگرانی پر لگا رکھے ہوں گے۔ یہ ایک اتفاق کی بات تھی کہ شیر خان حویلی کے

قریب پہنچ گیا اور اسے کوئی آدمی نہ ملا۔

سڑک کا موڑ مڑتے ہی اسے حویلی کی دوسری منزل میں کہیں کہیں مدھم روشنی نظر آئی۔ پھاٹک کے اوپر کوئی روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ بڑی پراسرار حویلی تھی۔ لگتا تھا کوئی چھوٹا سا آسیبی قلعہ ہے۔ وہ ایک طرف جھاڑیوں میں ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ پھاٹک کے باہر دونوں جانب دو آدمی اسٹولوں پر بیٹھے تھے۔ ان کی بندوقیں ان کے گھٹنوں پر پڑی تھیں اور وہ سگریٹ بیڑی پیتے ہوئے دھیمی آواز میں آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ اس قسم کی صورت حال سے شیر خان کئی بار گزر چکا تھا۔ اس کی زندگی کا ایک بڑا حصہ اس قسم کے جرائم پیشہ ماحول میں گزرا تھا۔ وہ کسی طرح حویلی کے اندر پہنچ کر سب سے پہلے منگی کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ تو اسے یقین تھا کہ اسی حویلی میں ہی ہو گی۔ اس کے بعد وہ اپنی بیٹی شیرنی کا پتہ کرنا چاہتا تھا۔ پھاٹک سے ہٹ کر وہ حویلی کی دیوار کی طرف آگیا۔ دیوار کافی اونچی تھی اور شیر خان کے پاس توکمند ٹائپ کی چیز بھی نہیں تھی جس کی مدد سے وہ دیوار پار کر سکتا۔ حویلی کے اندر بالکل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کسی کتے کے بھونکنے کی بھی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ واقعی یہ حویلی بڑی پراسرار تھی اور نہ جانے کیسے کیسے گھناؤنے جرائم اس کے اندر پروان چڑھ رہے تھے۔ شیر خان نے سوچا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس کی بیٹی شیرنی اس حویلی میں نہیں ہے۔ وہ اس قسم کے ماحول میں زندہ رہ ہی نہیں سکتی۔ اگر اندر ہو گی تو شیرنی کی لاش ہی کسی جگہ احاطے میں دفن ہو گی۔ اور وہ ضرور دو چار کو مار کر مری ہو گی۔

شیر خان دیوار کے ساتھ ساتھ اس کے کونے تک چلا گیا۔ یہاں کوئی ایسا درخت بھی نہیں تھا جس کی شاخیں دیوار کے اندر تک پھیلی ہوئی ہوں۔ پھاٹک پر جو دو تین گاڑیاں کھڑی تھیں ان سے شیر خان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اندر آدمی موجود ہیں۔ اسے یہ بھی خیال تھا کہ اگر اچانک کوئی آدمی سامنے مقابلے پر آگیا اور اس نے مجبوراً اس پر گولی چلا دی تو فائر کی آواز پر حویلی کے لوگ ہوشیار ہو جائیں گے اور اسے وہاں سے فرار ہونا پڑے گا۔ شیر خان اپنا مقصد حاصل کیے اور منگی کا سراغ لگائے بغیر وہاں سے واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس کا دیوار کے پار جانا ضروری تھا۔ رات کا اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ شیر خان دیوار کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ لگ کر بیٹھ گیا اور مزید اندھیرا ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد اسے دور سے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی ٹرک آہستہ آہستہ چلا آرہا ہو۔ ایک ترکیب اچانک اس کے ذہن میں آگئی۔ وہ جلدی سے اٹھا اور حویلی کی دیوار سے ہٹ کر جھاڑیوں کے پیچھے سے ہوتا پھاٹک کے سامنے آگیا۔ ٹرک ابھی کافی پیچھے تھا۔ وہ سنسان اندھیری سڑک پر پیچھے کی طرف تیز تیز چلنے لگا۔ جہاں سڑک کا موڑ تھا وہاں اسے دوسری جانب سے گاڑی کی ہیڈ لائیٹس کی روشنی پڑتی نظر آئی۔ وہ دوڑ کر جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اندھیرے میں گاڑی کی روشنیاں جگمگا اٹھیں۔ یہ ایک ٹرک تھا جس میں وزنی سامان لدا تھا اور وہ آہستہ آہستہ چلا آرہا تھا۔ جب ٹرک شیر خان کے آگے سے گزر گیا تو وہ اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ ٹرک میں خدا جانے کیا سامان بھرا ہوا تھا۔ اس نے ٹرک کی پچھلی سائیڈ کے بورڈ کو پکڑنے سے پہلے اندر اپنی رائفل پھینکی اور پھر خود بھی اچھل کر ٹرک میں چڑھ گیا اور سامان کے پیچھے چھپ گیا۔ ٹرک گیٹ پر آکر تھوڑی دیر کو رکا۔ چوکیداروں نے پھاٹک کھول دیا۔ ٹرک حویلی کے احاطے میں داخل ہو کر ایک طرف جا کر درختوں کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ ڈرائیور نے نیچے اتر کر آواز دی۔

"چلو بکرم داس! سامان رکھوالو۔" جتنی دیر میں کسی کوارٹر سے بکرم داس نکل کر وہاں تک آتا شیر خان ٹرک سے اتر کر اندھیرے میں غائب ہو گیا تھا۔ وہ حویلی کے پچھواڑے آگیا۔ جہاں ایک کشادہ سے برآمدے میں کونے والے کمرے میں جو شاید کچن تھا بتی جل رہی تھی۔ ایک آدمی جالی دار دروازے کو کھول کر ٹرک کی طرف چلا۔ شاید یہی بکرم داس تھا۔ شیر خان لپک کر برآمدے میں آیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک زینہ اوپر والی منزل کو جاتا ہے۔ ساتھ ہی ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ اس نے دروازے کو ذرا سا دھکیلا۔ وہ کھل گیا۔ ایک زینہ نیچے جا رہا تھا۔ یہ ضرور تہہ خانے کو جا رہا ہے۔ شیر خان یہ سوچ کر زینہ اترنے لگا۔ نیچے ایک ڈیوڑھی سی آگئی۔ آگے پھر ایک دروازہ تھا۔ یہ دروازہ اندر سے بند تھا۔ شیر خان نے کان دروازے کے ساتھ لگا دیا۔ اندر کسی عورت کی آواز آرہی تھی۔ وہ کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ الفاظ پوری طرح سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔

شیر خان وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ ایک خیال اسے آیا کہ وہ دروازے پر دستک

دے۔ کوئی عورت آئے تو اسے وہیں دبوچ کر اس سے منگلی یا عائشہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ پھر سوچا کہ اس عورت نے شور مچا دیا تو سارا کام خراب ہو جائے گا۔ مقابلہ شروع ہو جائے گا۔ وہ خود کو اپنی جان بچا کر اور دو تین کو ہلاک کر کے نکل جائے گا مگر جس کام کے لیے وہ وہاں سے آیا ہے وہ پورا نہیں ہو گا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ کسی جگہ چھپ کر پہلے یہ سراغ لگائے کہ عورتیں کہاں پر ہیں اور پھر ٹھیک جگہ پر نشانہ لگا کر حملہ کرے۔ یونہی جوش میں آکر ہلہ بول دینے سے سوائے افراتفری کے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ شیر خان سیڑھیاں چڑھ کر دوبارہ برآمدے میں آگیا۔ بکرم داس باہر احاطے میں ٹرک سے سامان اتروا رہا تھا۔ شیر خان نے سوچا دوسرا زینہ چڑھ کر اوپر والی منزل پر جا کر دیکھنا چاہیے کہ وہاں کیا ہے۔ وہ دبے پاؤں زینہ چڑھنے لگا۔ یہ بہت پرانے ٹائپ کی عمارت تھی جہاں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ اوپر پھر ایک برآمدہ تھا۔ سامنے ساتھ ساتھ کمروں کے دروازے تھے جو سارے کے سارے بند تھے۔ کسی ایک کمرے کا بھی روشندان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ برآمدے کے دوسرے کونے پر کچن کے اوپر ایک کمرے کے دروازے کے نیچے سے تھوڑی تھوڑی روشنی باہر نکل رہی تھی۔ شیر خان اس دروازے کے پاس آگیا۔ اس نے اوپر سے نیچے جھانک کر دیکھا۔ نیچے کوئی نہیں تھا۔ وہ فرش پر لیٹ گیا اور دروازے کے نیچے جو جگہ تھی اس میں سے اندر دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ یہ ایک کشادہ کمرہ ہے۔ قالین پر گاؤ تکیے لگے ہوئے ہیں۔ درمیان میں بوتلیں اور گلاس پڑے ہیں۔ ایک بھاری مونچھوں اور بھرے بھرے چہرے والا آدمی جو ڈوگرہ جاگیردار تھا دو گاؤ تکیوں کا سہارا لیے گلاس منہ کے قریب رکھے سامنے بیٹھے ہوئے گورے رنگ اور چھوٹی چھوٹی سنہری فرنچ کٹ داڑھی والے پختہ عمر کے گرانڈیل آدمی سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ آدمی شیر خان کو انگریز لگا۔ وہ دراصل فرانسیسی قاتل اور اسمگلر شارل تھا۔ اتنے میں عقبی دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک آدمی جو نوکر لگتا تھا اندر آیا۔ جھک کر سلام کے اشارے سے کچھ کہا۔ جو شیر خان نہ سمجھ سکا۔ ڈوگرہ راجہ نے ہاتھ کے اشارے سے کچھ کہا۔ نوکر ادب سے سر جھکا کر واپس چلا گیا۔ اس کے کوئی پندرہ سیکنڈ بعد دو جوان عورتیں ایسی حالت میں کمرے میں داخل ہوئیں کہ انہوں نے گرم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چادروں میں اپنے جسم لپیٹ رکھے تھے۔ کمرے میں جو آتش دان تھا اس میں آگ جل رہی تھی۔ شیر خان کا دل اچھل کر حلق کر قریب آگیا۔

ان میں سے ایک منگی تھی۔ اس کے بال کھلے تھے اور وہ اس طرح سہمی ہوئی تھی جیسے اسے قتل کرنے کے واسطے وہاں لایا گیا ہو۔ شیر خان آنکھیں پھاڑے دروازے کی نچلی درز میں سے اندر دیکھ رہا تھا۔ فرانسیسی قاتل نے اٹھ کر منگی کو پکڑا اور کھینچ کر اپنے پاس قالین پر بٹھالیا۔ دوسری عورت اپنے آپ راجہ کے پہلو میں آکر بیٹھ گئی۔ وہ اتنی ڈری اور سہمی ہوئی نہیں تھی۔ وہ ہنس ہنس کر راجہ سے باتیں کر رہی تھی۔ فرانسیسی بدمعاش نے منگی کی چادر کھینچ کر ایک طرف رکھ دی۔ شیر خان نے ایک لمحے کے لیے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ کیونکہ چادر کے نیچے منگی نے کچھ بھی نہیں پہن رکھا تھا شیر خان نے دوسری بار آنکھیں کھول کر دیکھا کہ ایک نوکر طشت میں کچھ پھل رکھے فرانسیسی بدمعاش شارل کے قریب جھکا ہوا تھا۔ منگی نے سر نیچے جھکا رکھا تھا جیسے وہ رو رہی تھی۔

شیر خان کا سر پھر گیا۔ حقیقت یہ تھی کہ اوپر سے اگرچہ وہ منگی کے ساتھ سرد مہری کا سلوک کرتا تھا مگر دل کے اندر سے وہ اسے پیار کرتا تھا۔ اپنی بیوی کے بعد یہ پہلی عورت تھی جو اسے اچھی لگی تھی۔ اب جب اس نے منگی کو اس حالت میں دیکھا کہ ایک انگریز ٹائپ کا بدمعاش اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے والا ہے تو وہ ساری منصوبہ بندی اور احتیاطیں بھول گیا۔ اس کے اندر کا جنگلی مرد بیدار ہو گیا۔ اس نے اٹھ کر دروازہ پر آہستہ سے دستک دی۔ مقصد یہ تھا کہ کوئی دروازہ اندر سے کھولے گا۔ دستک کی آواز پر راجہ نے غصے سے دروازے کی طرف دیکھا۔

"یہ کون حرامی ہے؟" نوکر نے طشت ایک طرف رکھا اور تیز تیز قدموں سے دروازے پر آکر پوچھا۔

"بکرم داس! کیا بات ہے۔" اس کا خیال تھا کہ نیچے باورچی خانہ ہے وہاں سے بکرم داس کوئی چیز لے کر نہ آیا ہو۔ اگرچہ ایسا پہلے کبھی ہوا نہیں تھا۔ جب شیر خان نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ ایک بار پھر رائفل کا بٹ آہستہ سے دروازے پر مارا تو نوکر نے چٹخنی اتار کر دروازہ کھول دیا۔ دروازے کے کھلتے ہی شیر خان نے ہلہ بول دیا۔ دھکا دے کر نوکر کو پرے

گرایا اور اوپر تلے دو فائر کر دیے۔ فرانسیسی بدمعاش شارل بڑا کائیاں اور چالاک جرائم پیشہ آدمی تھا۔ دروازے کے دھڑاک سے کھلنے کے انداز ہی سے سمجھ گیا کہ یہ کوئی راجہ کا دشمن ہے جو قتل کی نیت سے اندر آیا ہے۔ جب تک شیر خان فائر کرتا وہ قلابازی لگا کر قالین کی دوسری طرف جا چکا تھا۔ دونوں گولیاں سامنے والے خالی صوفے میں جا کر پیوست ہو گئیں۔ راجہ نے دہشت سے چلا کر کہا۔

"اسے پکڑ۔" شیر خان نے شارل پر ایک فائر جھونک دیا مگر اتنی دیر میں شارل اپنا پستول نکال چکا تھا۔ وہ قالین پر لڑھک کر دوسری طرف ہو گیا اور وہیں سے لیٹے لیٹے شیر خان پر اوپر تلے تین گولیاں چلا دیں۔

یہ شیر خان کی حماقت تھی۔ یا جنگلی انسان والی اصلی اور فطری محبت کا جذبہ تھا جس نے اسے میدان میں لا کھڑا کیا تھا جہاں موت اس کے بالکل روبرو تھی۔ وہ یہ بھول گیا تھا کہ ان لوگوں کے پاس بھی اسلحہ ہو سکتا ہے۔ اور وہ ان کی فائرنگ کی زد میں آسکتا ہے۔ وہ جو کہتے ہیں محبت اندھی ہوتی ہے تو وہ یہی فطری محبت تھی جو اندھی نہیں تھی بلکہ حقیقی تھی۔ جس نے ابھی دنیا کی منافقت اور مصلحتیں نہیں سیکھی تھیں۔ جس نے ابھی یہ نہیں سیکھا تھا کہ بے غیرتی کو مصلحت اور وقت کا تقاضہ کہہ کر برداشت کر لینا چاہیے چنانچہ وہی ہوا جو آج سے ہزاروں سال پہلے جنگل میں رہنے والے سچے جذبوں والے قدرت کے دائمی اصولوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے والے انسانوں کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ یعنی محبت کی جنگ میں دونوں میں سے ایک کی موت یقینی ہوتی تھی۔ دو گولیاں شیر خان کے سینے میں اور ایک ناف کے اوپر پیٹ میں لگی۔ فرانسیسی بدمعاش شارل کا نشانہ کبھی خطا نہیں گیا تھا۔ شیر خان گر پڑا۔ منگی نے کمرہ کی روشنی میں شیر خان کو گرتے دیکھا تو چیخ مار کر اس کی طرف بڑھی۔ راجہ کے نوکر اندر آگئے تھے۔ راجہ نے بھی ایک نوکر سے پستول لے لیا تھا اور اسے تان کر کھڑا تھا۔ وہ گرج کر بولا۔

"یہ کون تھا لاش کو اٹھا کر باہر پھینک دو۔" منگی بلک بلک کر رونے لگی۔ "حرام زادی یہ تمہارا باپ تھا جو تم رو رہی ہو تم نے ہی اسے یہاں بلایا ہو گا۔ تجھ سے تو میں نمٹ لوں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حویلی میں سے مسلح چوکیدار بھی فائرنگ کی آواز سن کر رائفلیں تانے اوپر آگئے۔ ایک اجنبی کو خون میں لت پت اور راجہ کو زندہ دیکھ کر ان کی جان میں جان آگئی۔ دو نوکر شیر خان کو بازوؤں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر برآمدے میں لے گئے۔ راجہ نوکروں کو گالیاں دے رہا تھا۔

"حرام زادو۔ یہ اوپر کیسے آگیا؟ کتے کے بچو! میرا ایک لاکھ روپے کا قالین خراب ہو گیا۔ اب اس پر گرا خون تمہارا باپ صاف کرے گا۔ سور کے بچو؟ میں تم سب کو گولی مار دوں گا۔" جو نوکر شیر خان کو گھسیٹ کر باہر لے گئے تھے ان میں سے ایک نے کہا۔

"دیکھو یہ مرا بھی ہے کہ ابھی زندہ ہے؟" دوسرے نے شیر خان کے خون میں لت پت جسم پر ایک نگاہ ڈالی اور کہا۔

"مرگیا ہے یار۔ اس کو اٹھا کر گھاٹی والے نالے میں پھینک آتے ہیں۔ زندہ بھی ہو گا تو وہاں مرجائے گا۔ لاش رات کو لگڑ بگڑ کھا جائیں گے۔" انہوں نے شیر خان کو اٹھایا اور نیچے لے آئے۔ نیچے بکرم داس اور ڈرائیور اور دوسرے نوکر پہلے سے کھڑے تھے۔ شیر خان کو کوئی ہوش نہیں تھا۔ کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ زندہ ہے یا مرگیا ہے۔ وہ سب شیر خان کی لاش کو غور سے دیکھ رہے تھے۔

"دیکھتے کیا ہو اٹھاؤ اسے۔" ایک نوکر نے دوسرے کو جھڑک کر کہا پھر انہوں نے شیر خان کو ایک بانس کی چارپائی پر ڈالا۔ چارپائی اٹھا کر حویلی کے عقبی دیوار کی طرف لے گئے جہاں ایک بڑا چبوترہ بنا ہوا تھا۔ چارپائی چبوترے پر رکھ کر انہوں نے شیر خان کو اٹھایا اور دیوار کی دوسری طرف پھینک دیا۔ دوسری طرف گہری کھائی تھی۔ شیر خان کی لاش نیچے جھاڑیوں پر گری اور وہیں ایک جگہ پھنس کر رہ گئی۔

دوسری منزل میں ڈوگرہ جاگیردار نوکروں پر برس رہا تھا۔ گرج رہا تھا۔ اور شارل کی تعریف کر رہا تھا جس نے شیر خان کو عین موقع پر فائر کر کے ہلاک کر ڈالا تھا۔

"شارل! تمہارا نشانہ ٹھیک نہ ہوتا تو وہ مجھے مار ڈالتا میں تو نہتا تھا۔ اس کے پاس رائفل تھی۔ وہ میرا دشمن اور اس جوگن کا کوئی یار تھا۔" منگی کو نیچے ایک الگ تہہ خانے کی کوٹھری میں لے جا کر بند کر دیا گیا تھا۔ خون آلود قالین نوکر تہہ کر رہے تھے۔ دوسری

عورت چادر لپیٹ کر صوفے کے کونے میں سہمی بیٹھی تھی راجہ نے اس کی طرف محبت سے دیکھا اور کہا۔

"تم کیوں گھبرا رہی ہو میری جان۔ یہاں کوئی دشمن آ جائے اور بچ کر چلا جائے؟ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ تمہارا بھی اگر کوئی یار ہے تو اسے بھی کہلوا بھیجو کہ ادھر آیا تو اس کا بھی یہی حال ہو گا۔" وہ عورت مسکرانے لگی۔ شارل نے اس کے بغل میں ہاتھ ڈال کر صوفے سے اٹھایا اور راجہ سے کہا۔

"اوکے راجہ ڈیئر' ہم دوسرے کمرے میں جا رہا ہے۔"

راجہ نے اوکے کہا۔ نوکروں کو چھ سات غلیظ گالیاں دیں اور اپنے بیڈ روم کی طرف چلا گیا جہاں اس کے پلنگ پر چمبے کے غریب کاشتکار کی جوان بیٹی بیٹھی اپنی قسمت پر آنسو بہا رہی تھی۔ راجہ کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اس نے جلدی سے آنسو پونچھے اور چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لانے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ اسے اس گناہ کے جہنم میں آئے ہوئے ابھی ایک مہینہ ہی ہوا تھا اسے اس کے گاؤں سے راجہ کے آدمی اٹھا کر لائے تھے۔ وہ اس حقیقت سے باخبر ہو چکی تھی کہ اب دنیا کی کوئی طاقت اسے زندہ یہاں سے باہر نہیں نکال سکتی۔ راجہ کے آدمیوں نے بھی اسے خبردار کر دیا تھا کہ اگر اس نے بھاگنے کی کوشش کی یا کسی طریقے سے باہر کوئی پیغام بھجوایا تو اس کے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو قتل کر کے مکان کو آگ لگا دی جائے گی۔

اپنے محبوب شیر خان کی موت کے بعد منگی کے سینے میں انتقام کا جوالا مکھی بھڑک اٹھا تھا۔ شیر خان کو کتنی ہی گولیاں لگی تھیں۔ وہ گر پڑا تھا۔ اس نے پھر کوئی حرکت نہیں کی تھی۔ وہ کیسے زندہ بچ سکتا تھا۔ راجہ کے نوکروں نے تو اسے کہیں زمین میں دبا دیا ہو گا۔ منگی تہہ خانے کی کوٹھری میں اکیلی بیٹھی یہی کچھ سوچ رہی تھی۔ اور اپنے محبوب شیر خان کی موت پر آنسو بہا رہی تھی۔ وہ بار بار اپنے آپ سے کہہ رہی تھی۔ شیر خان کا بدلہ لوں گی۔ اس کی موت کا بدلہ لوں گی۔ پھر اچانک اس کا چہرہ جیسے کسی خیال سے ساکت ہو گیا۔ کہیں شیر خان زندہ ہی نہ ہو مگر ان لوگوں نے اسے کہاں پھینکا ہو گا۔ اگر زمین میں دبا دیا ہو گا تو اب تک شیر خان مرچکا ہو گا۔ اگر جنگل میں کہیں پھینکا ہے تو اس کو بچا لینا چاہیے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے بچایا جا سکتا ہے مگر کیا کروں؟ کس سے پوچھوں؟ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ منگی کے بدن پر صرف ایک پرانی گرم کمبل نما چادر تھی۔ وہ اٹھ کر کوٹھری کے دروازے تک آئی۔ اس نے دروازے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"مجھے کوئی کپڑا دو میں ٹھنڈ میں مر جاؤں گی۔ بھگوان کے لیے مجھے کوئی کپڑا دو۔"

چوکیدار یا ریٹائرڈ ڈوگرہ سپاہی تہہ خانے کی ان دو' چار کوٹھریوں کے آگے تھوڑی تھوڑی دیر بعد راؤنڈ لگا کر پہرہ دیتا تھا وہ اتفاق سے اس وقت وہاں سے گزر رہا تھا۔ اس نے منگی کی آواز سنی تو رک گیا۔ اس وقت یہ ڈوگرہ سپاہی جس کا نام ماتا رام تھا اپنے بیوی' بچوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جس سے ملے اسے کئی مہینے ہو گئے تھے۔ ڈوگرہ جاگیردار راجہ صاحب کا حکم تھا کہ کوئی نوکر ایک سال سے پہلے اپنے گھر نہیں جا سکتا۔ اسے یہاں دوسرے نوکروں کی طرح کھانے پینے کی بڑی سہولت تھی۔ روپیہ بھی بہت مل جاتا تھا۔ جسے وہ گھر منی آرڈر کروا دیتا تھا مگر اسے اپنی بیوی اور بچوں سے دوسرے نوکروں کے برخلاف بہت زیادہ محبت تھی۔ دوسرے نوکر تو ادھر ادھر بھی ہاتھ مار لیتے تھے مگر ماتا رام بڑا مذہبی قسم کا آدمی تھا۔ صرف اپنی زمین چھڑوانے کے لالچ میں اس نے راجہ صاحب کی نوکری کر لی تھی۔ اب گھر بار ہر وقت یاد آتا تھا۔ بیوی بچوں کی شکل آنکھوں کے سامنے رہتی تھی۔ وہ کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ وہاں سے بھاگ جائے کیونکہ جس زمین کو ساہوکار سے چھڑانے کے لیے اس نے راجہ صاحب کی نوکری کی تھی۔ وہ زمین اس کے پاس واپس آچکی تھی۔ اب وہ محض روپے' پیسے کی خاطر اپنی بیوی بچوں سے دور نہیں رہنا چاہتا تھا۔ منگی کی آواز سن کر وہ رک گیا کہنے لگا۔

"کیا بات ہے کیوں شور مچا رہی ہو؟" منگی نے کہا: "میں مر جاؤں گی مجھے کرتا شلوار لا دو۔" ماتا رام کے پاس کوٹھریوں کی چابیاں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ اس نے چابی لگا کر تالا کھولا اور دروازہ پیچھے کو دھکیلا تو دیکھا کہ کوٹھری میں جلتے کمزور بلب کی روشنی میں منگی نیم عریاں حالت میں اس کے سامنے کھڑی ہے۔ ماتا رام نے جلدی سے منہ دوسری طرف کر لیا اور ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

"اپنے بدن پر چادر کر لو بہن۔ یہ کیا کر رہی ہو۔" ماتا رام کی زبان سے اپنے بارے

میں بہن کا لفظ سن کر منگی نے جلدی سے اپنا بدن چادر میں چھپا لیا۔ اس کے جسم میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ وہ کچھ اور سوچ رہی تھی اور ماتا رام کوئی اور ہی بندہ نکل آیا تھا۔ خدا کے نیک بندے' خدا سے ڈرنے والے نیک بندے ہر مذہب ہر روپ ہر رنگ میں مل جاتے ہیں۔ منگی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"بھائی مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہیں غلط سمجھا اگر بہن کہا ہے تو بھگوان کے واسطے اپنی مظلوم بہن کو اس نرگ سے نکالو۔"

ماتا رام نے اپنے منہ پر انگلی رکھ دی۔ "چپ رہو۔" اس کے ساتھ ہی اس نے دروازہ بند کر کے دوبارہ تالا لگا دیا۔ منگی مایوس ہو کر فرش پر سکڑ کر بیٹھ گئی۔ وہ شیر خان کو یاد کر رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ کوٹھری کے آگے جو چھوٹا سا برآمدہ بنا ہوا تھا وہاں ماتا رام ٹہلتا ہوا دوسرے سرے تک گیا۔ اس کا دماغ ایک ہی لکیر پر بڑی تیزی سے چل پڑا تھا۔ اس کو خیال آیا کہ اگر کوٹھری کے اندر اس کی اپنی سگی بہن اس حالت میں قید ہوتی تو وہ کیا کرتا؟ اس کی بہن کو بھی راجہ کے بدمعاش اغوا کر کے وہاں لا سکتے تھے۔ یہ جو عورتیں یہاں گناہ کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دی گئی تھیں۔ یہ بھی کسی کی بہنیں ہی ہوں گی۔ ان کے بھی کوئی نہ کوئی کہیں نہ کہیں بھائی ضرور ہوں گے۔ ماتا رام کا دماغ چکر کھا گیا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کونے والی آخری کوٹھری میں گیا۔ وہاں لکڑی کے تخت پر کتنے ہی لحاف کمبل اور کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ یہ ان عورتوں کے کپڑے تھے جو راجہ کی حویلی میں وہاں کے ظلم سہتے سہتے مر گئی تھیں۔ ماتا رام نے ان میں سے ایک پورے بازوؤں والا سوئیٹر کسی عورت کی کھدر کی شلوار اور کھدر کا سبز کرتا نکالا۔ کوٹھری کو بند کیا اور منگی کی کوٹھری کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہی کپڑے اس کی طرف پھینک دیے اور کہا۔

"اسے جلدی سے پہن لو بہن اور میرے ساتھ آجاؤ۔ جلدی کرو۔"

"کہاں؟"

ماتا رام کے دل میں سے گزرنے والی نیکی کی لہر کو منگی سمجھ نہ سکی تھی۔ اس کے سوال پر ماتا رام نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"تمہیں یہاں سے نکال رہا ہوں۔ بہن کہا ہے تو تمہارا بھائی بن کر دکھا رہا ہوں۔ جلدی کپڑے پہنو۔ میں باہر کھڑا ہوں دیر نہ کرنا۔"

یہ کہہ کر وہ دروازے کے ساتھ باہر دیوار کی اوٹ میں ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ رات کے دو بجے تک وہاں کوئی نہیں آئے گا۔ دو بجے رات کیسر سنگھ کو اس کی جگہ ڈیوٹی دینے وہاں آنا تھا۔ منگی جلدی جلدی کپڑے بھی پہن رہی تھی اور حیران بھی ہو رہی تھی۔ کہ انسان چاہے برے سے برے ماحول میں پھنس جائے اس کے اندر کی نیکی کبھی نہیں مرتی۔ وہ اسے ہر قدم پر آواز دے دیتی ہے۔ اس کا ضمیر اسے ملامت بھی کر رہا تھا۔ کہ اس نے ماتا رام ایسے نیک دل انسان کو غلط کیوں سمجھا۔ اس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے۔ چادر اوڑھی اور کوٹھری سے باہر نکل آئی۔ ماتا رام نے اسے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور دوسرے کونے والی کوٹھری کے پاس جو زینہ تھا وہ چڑھنے لگا۔ اوپر والا دروازہ بند تھا۔ ماتا رام نے دروازے کو آہستہ سے کھولا اس کی آواز پیدا ہوئی باہر سے کسی نے بلند آواز میں پوچھا۔

"کون ہے بھئی؟" ماتا رام نے باہر آ کر کہا۔

"میں ہوں ماتا رام یار اور کون ہو گا۔" باہر بکرم داس چارپائی پر لحاف اوڑھے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"کچھ پتا نہیں بھائی۔ آج تو ایک قاتل گھس آیا تھا۔ بھگوان نے کرپا کر دی۔ راجہ صاحب بچ گئے۔ میں تو ساری رات جاگ کر گزاروں گا۔" ماتا رام نے کہا۔

"تم کیوں نیند خراب کرتے ہو۔ جاؤ رسوئی میں گرم ہو کر سو جاؤ۔ میں جو پہرے پر ہوں جاؤ یہاں سردی ہے۔"

منگی سیڑھیوں کے اندھیرے میں کھڑی دھڑکتے دل کے ساتھ ان کی باتیں سن رہی تھی۔ بکرم داس کے لیے ماتا رام کوئی اجنبی شخص نہیں تھا ویسے بھی اسے برآمدے میں لحاف میں دبکے ہونے کے باوجود سردی لگ رہی تھی۔ وہ چارپائی سے یہ کہہ کر اٹھا "اچھا بھائی تمہاری مہربانی ہے۔" اور باورچی خانے کی گرم فضا میں جا کر تخت پر لحاف اوڑھ کر لیٹ گیا۔ ماتا رام یونہی پہرہ دینے کے انداز میں ٹہلتا ٹہلتا باورچی خانے کے دروازے تک گیا۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ اس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دروازہ بند کر رہا ہوں۔ تمہیں سردی لگ جائے گی۔" اور ماتا رام نے کچن کا دروازہ بند کر دیا۔ رات گہری ہو گئی تھی۔ اس ویران پہاڑی مقام پر ایسا لگ رہا تھا جیسے آدھی رات ہو گئی ہو ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ماتا رام دبے پاؤں زینے کے پاس آیا۔ منگی پہلے ہی دیوار سے لگ کر کھڑی باہر دیکھ رہی تھی۔ ماتا رام نے اشارہ کیا کہ باہر نکل کر بائیں جانب دیوار کے ساتھ چلی جاؤ۔ منگی نے ایسا ہی کیا۔ وہ صبح سے اس جہنمی حویلی میں قید تھی اور پہلی بار تازہ ہوا میں باہر آئی تھی۔ اس حویلی کا ایک پچھلا دروازہ بھی تھا منگی کو اس کا علم نہیں تھا۔ ماتا رام اسے حویلی کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلاتا عقبی دروازے کے قریب لے آیا۔ اس نے اندھیرے میں منگی کے سر پر ہاتھ رکھا اور اسے ذرا سا دبا کر سرگوشی کی۔

"یہیں کھڑی رہنا۔"

عقبی دروازے کی پہلے ڈیوڑھی آتی تھی۔ ڈیوڑھی کے اندر چارپائی بچھی ہوئی تھی اور یہاں کا چوکیدار ڈوگرہ ایک بوڑھا آدمی تھا جو لحاف میں دبکا اونگھ رہا تھا۔ اس دروازے کو استعمال کرنے کی کبھی کبھار ہی ضرورت پڑتی تھی۔ ماتا رام نے ڈیوڑھی میں جاتے ہی آواز دی۔

"تلسی دادا؟" بوڑھے ڈوگرے نے لحاف منہ پر سے ہٹایا اور کہا۔

"ماتا رام تم ہو؟ کیا بات ہے۔ پھر کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے کیا؟"

"ارے نہیں دادا۔ سب ٹھیک ہے۔ میں تو ماچس لینے آیا ہوں۔ بکرم رسوئی میں اندر سے کنڈی لگا کر سو گیا ہے۔ مجھے سگریٹ کی طلب ہو رہی تھی۔ سوچا تمہاری کوٹھری میں ماچس مل جائے گی۔" تلسی دادا چارپائی سے اترتے ہوئے بولا۔

"بھائی میں سگریٹ تو نہیں پیتا پر کوٹھری میں ماچس کا بکس ضرور رکھتا ہوں۔ تم بیٹھو۔ میں ابھی ماچس لے کر آتا ہوں۔" ماتا رام چارپائی پر بیٹھ گیا۔ جب تلسی بابا ڈیوڑھی سے نکل کر اپنی کوٹھری کی طرف چلا گیا تو وہ اٹھا اور تیزی سے دیوار کے ساتھ دو چار قدم چل کر منگی کے پاس آیا اور آہستہ سے کہا۔

"جلدی آؤ۔" منگی ڈیوڑھی میں آ گئی۔ ماتا رام نے عقبی دروازے کی کنڈی اتار کر اس کا ایک پٹ کھولا اور کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"باہر دائیں طرف پتھروں میں جا کر بیٹھ جاؤ۔ میں ابھی آتا ہوں۔" منگی دروازے میں سے گزر کر دائیں جانب مڑ گئی۔ ماتا رام وہیں چارپائی پر بیٹھ گیا۔ تلسی بابا ماچس لے کر آگیا۔ ماتا رام نے جیب سے سگریٹ کی ڈبیا نکال کر سگریٹ جلایا اور ماچس واپس کرتے ہوئے بولا۔

"تلسی بابا! میں راجہ صاحب کے حکم پر باہر دیوار کی نگرانی کرنے جا رہا ہوں۔ پہلے خیال تھا کہ تمہیں نہیں بتاؤں گا۔ کیونکہ راجہ صاحب نے میری یہ خفیہ ڈیوٹی لگائی ہوئی ہے۔ اب تمہیں بتا دیا ہے کوئی نوکر وغیرہ یہاں آکر میرا پوچھے تو اسے بالکل نہ بتانا۔ نہیں تو راجہ صاحب تم پر بھی سخت ناراض ہوں گے۔" تلسی بولا۔

"ماتا رام مجھے کیا ضرورت ہے کسی کو بتانے کی تم آرام سے جا کر اپنی ڈیوٹی دو۔"

ماتا رام عقبی دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ تلسی بابا نے دروازہ بند کر لیا مگر اندر سے کنڈی نہ لگائی۔ کیونکہ وہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ ماتا رام کو تھوڑی دیر بعد واپس بھی آنا ہے۔ یہاں نیلے آسمان پر چمکتے ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ماتا رام دیوار کے ساتھ چلتا تھوڑا آگے گیا تو پتھروں میں بیٹھی منگی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ماتا رام قریب آکر بولا۔

"اب جتنی تیز چل سکتی ہو میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔"

منگی نے ماتا رام سے کہا۔

"مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں شیر خان کی لاش پھینکی گئی تھی۔" ماتا رام بولا۔

"بھگوان کے لیے اس وقت اپنی جان بچاؤ۔" منگی نے غصے میں ماتا رام کو جھڑک دیا۔

"مجھے وہ جگہ بتاؤ۔ تم مجھے میرے حال پر چھوڑ کر یہاں سے چلے جاؤ۔"

ماتا رام سمجھ گیا کہ اس عورت کا شیر خان کے ساتھ ضرور کوئی جذباتی قسم کا تعلق تھا۔ وہ اسے گھاٹی میں پتھروں اور چٹانوں کے پہلو سے ہوتا ہوا رات کے اندھیرے میں ایک جگہ لے گیا۔ یہاں ایک نالہ بہہ رہا تھا۔ یہ پہاڑی نالہ تھا۔ اس میں پانی بڑی تیز رفتاری سے گزر رہا تھا ماتا رام نے کہا۔

"یہاں شیر خان کی لاش کو پھینکا گیا تھا۔ اب تک لاش پانی میں بہہ کر نہ جانے کہاں نکل گئی ہو گی۔"

"یہ نالہ آگے کہاں جاتا ہے۔" منگی کے ہونٹ شدت غم سے بھینچے ہوئے تھے۔ ماتا رام نے اسے بتایا کہ یہ پہاڑی نالہ آگے جا کر دریائے توی میں گر جاتا ہے۔ پھر کہنے لگا۔

"منگی بہن! یہاں زیادہ دیر کرنا مناسب نہیں اوپر راجہ کے آدمیوں کو ہمارے فرار کا علم ہو گیا ہو گا۔"

منگی نے گہرا سانس لیا اور ماتا رام کے پیچھے پیچھے چل دی۔ ماتا رام اس پہاڑی راستے سے باخبر تھا۔ وہ منگی کو ایک خفیہ پہاڑی درے سے نکال کر شہر کی بڑی سڑک کے پاس لے آیا۔ یہاں سڑک پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ کسی وقت سرینگر یا بانہال جانے والی کوئی لاری گزر جاتی تھی۔ ماتا رام کہنے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"منگی بہن! اب میں اپنے علاقے کو جاتا ہوں میرے بیوی بچے مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ تم ایسا کرو کہ جموں سے کسی دوسری پرانت کی طرف چلی جاؤ۔ بہتر ہو گا کہ تم بنگال چلی جاؤ۔"

منگی کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ شیر خان کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے۔ زیادہ امکان اسی بات کا تھا کہ وہ مر گیا ہے۔ منگی نے اپنی آنکھوں سے فرانسیسی اسمگلر شارل کو اس پر تین گولیاں فائر کرتے دیکھا تھا۔ شیر خان نے تینوں گولیاں سینے پر کھائی تھیں۔ وہ کہاں زندہ رہا ہو گا۔ منگی کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے ماتا رام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"ماتا رام! تم ایک اچھے انسان ہو۔ بھگوان تمہارا بھلا کرے گا۔ تم نے مجھے ایک جہنم سے نکالا ہے۔" ماتا رام بولا۔

"کوئی بات نہیں منگی۔ تمہیں بہن کہا تھا تو تمہاری مدد کرنا میرا فرض بن گیا تھا۔ لاری آ رہی ہے۔ میں سرینگر کی طرف جاؤں گا۔ تم ایک طرف ہٹ جاؤ۔ لاری کی روشنی تم پر نہیں پڑنی چاہیے۔"

منگی سڑک کے کنارے ایک درخت کے پیچھے ہو گئی۔ ماتا رام نے سڑک پر آ کر لاری کو ہاتھ دیا۔ لاری قریب آ کر رکی۔ ماتا رام اس میں سوار ہوا اور لاری آگے روانہ ہو گئی۔ منگی تھکے تھکے قدم اٹھاتی شہر کی طرف چل پڑی۔ اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے۔ شہر کی طرف خوب روشنیاں تھیں۔ کسی طرف سے اسپیکر پر فلمی گانوں کی ریکارڈنگ کی آواز آ رہی تھی۔ منگی نے اس سڑک کو پہچان لیا تھا۔ وہ کھیتوں میں پڑ گئی اور دھند میں ڈوبے کھیتوں میں سے گزرتی اس علاقے میں آ گئی جہاں وہ ہوٹل تھا جس کے ایک کمرے میں منگی اور شیر خان رہ رہے تھے۔ ہوٹل کھلا تھا۔ منگی سیدھی کاؤنٹر پر گئی جہاں ہوٹل کا مالک بیٹھا حساب کتاب کر رہا تھا۔ اس نے منگی کو کمرے کی چابی دیتے ہوئے اس کے "خاوند" کے بارے میں پوچھا۔ وہ شیر خان کو اس کا خاوند ہی سمجھتا تھا۔ منگی نے کہا۔ وہ دوسرے شہر کام سے گیا ہے کل تک آ جائے گا۔

کمرے میں آ کر منگی نے اپنے آپ کو پلنگ پر گرا دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

جب کچھ دیر بعد اس کے دل کا غبار ہلکا ہوا تو اس نے اپنے آپ کو ٹھیک کیا۔ دروازے پر لڑکے نے دستک دی۔ منگی نے دروازہ کھولا۔ لڑکے نے کھانا لانے کا پوچھا۔ منگی نے کہا۔

"کھانا میں کھا آئی ہوں۔ تم چائے لے آؤ۔" لڑکا چلا گیا۔ منگی اپنے آپ کو کمبل میں لپیٹ کر پلنگ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ بجلی کی روشنی میں اسے کھونٹی کے ساتھ لٹکے شیر خان کے کپڑے نظر آئے تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے آنسوؤں کو باہر نہ آنے دیا اور دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ شیر خان کے قاتل فرانسیسی اسمگلر قاتل شارل سے اس قتل کا بدلہ لے کر رہے گی۔ لڑکا چائے لے آیا۔ چائے پینے سے منگی کے جسم میں گرمی آ گئی۔ اسے جو سردی لگ رہی تھی وہ ختم ہو گئی۔ اس نے بتی بجھا دی۔ پلنگ پر نیم دراز ہو گئی اور سوچنے لگی کہ وہ ڈوگرہ راجہ کے محل میں جا کر شارل سے شیر خان کا بدلہ کیونکر لے سکتی ہے۔ راجہ کے محل میں منگی کا جانا موت کے منہ میں جانے کے برابر تھا۔ اگر وہ بھیس بدل کر بھی جاتی ہے تو ضرور پہچان لی جائے گی اور پھر وہاں سے اس کے زندہ واپس آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ انہی سوچوں میں گم منگی کو نیند نے آ لیا اور وہ بے سدھ ہو کر گہری نیند میں کھو گئی۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو دن کافی نکل آیا تھا۔ اور دروازے پر کوئی ہلکی ہلکی دستک دے رہا تھا۔ منگی نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ ہوٹل والا لڑکا چائے وغیرہ کا چھوٹا سا گول ٹرے لیے کھڑا تھا۔

"میں تیسری بار ناشتہ لے کر آیا ہوں۔ آپ سو رہی تھیں۔"

منگی نے ناشتے کا ٹرے لے کر لڑکے کو بھیج دیا۔ منگی نے ناشتہ کیا اور کئی قسم کے خیالات نے اسے گھیر لیا۔ کبھی اسے شیرنی کا خیال آتا کہ وہ کہاں ہو گی۔ کیا معلوم وہ ابھی تک جموں شہر میں ہی ہو۔ جب اسے اپنے باپ کی موت کی خبر ملے گی تو غم سے اس کا برا حال ہو جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ شیرنی اگر جموں میں ہی ہے تو اسے کیسے ڈھونڈا جائے ناشتہ کرنے کو منگی کا ذرا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر زندہ رہنے کے لیے کچھ نہ کچھ کھانا بھی ضروری تھا۔ منگی ناشتہ زہر مار کر کے اٹھی منہ ہاتھ دھو کر گیروے کپڑے پہنے کاندھوں پر شیر خان کا نسواری کمبل ڈالا اور ہوٹل سے نکل کر بازار میں ایک طرف چل پڑی۔ اپنی طرف سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منگی نے اپنا حلیہ کافی تبدیل کر لیا تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ راجہ کے باغوں میں مالی پھرتے رہتے ہیں۔ منگی شہر کے جنوبی علاقے کی طرف آگئی۔ یہاں کھلے کھیت بھی تھے اور آگے تھوڑا سا پہاڑی علاقہ بھی تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔

منگی کو دھوپ بڑی اچھی لگی۔ وہ کھیتوں کو پیچھے چھوڑ کر نیم پہاڑی علاقے میں آگئی۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اور فرانسیسی قاتل شارل سے شیر خان کے قتل کا بدلہ لینے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ غیر شعوری طور پر وہ پتھروں میں اگی ہوئی جڑی بوٹیوں کو بھی دیکھتی جاتی تھی۔ کیونکہ آخر وہ سنیاسی عورت تھی اور جڑی بوٹیوں کی خاصی پہچان رکھتی تھی۔ اچانک اس کی نگاہ ایک خاص بوٹی پر پڑی۔

اس بوٹی کی شاخوں پر چھوٹی چھوٹی بیل لگی تھی جس کی شکل سانپ کے پھن سے ملتی جلتی تھی۔ سنیاسن منگی کو یہ بوٹی بڑی دیر بعد دکھائی دی تھی۔ اس بوٹی میں خاص بات یہ تھی کہ اگر اس کے پھل کو توڑ کر کھا لیا جائے تو آدمی پر سانپ کے کاٹنے کا اثر نہیں ہوتا۔ بوٹی کا پھل ایک بار کھانے سے آدمی کم از کم ایک سال کے لیے سانپ کے زہر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ منگی دل میں سوچنے لگی کہ قدرت نے ان جنگلوں میں جڑی بوٹیوں کی شکل میں کیسی کیسی انمول چیزیں بکھیر رکھی ہیں جن کا لاکھوں میں سے کسی ایک انسان کو ہی علم ہوتا ہے۔ ویسے بھی جموں آزاد کشمیر کا علاقہ قدرتی جڑی بوٹیوں کے لیے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ منگی نے بوٹی کے تین چار پھل توڑ لیے۔ ایک پھل اس نے اسی وقت منہ میں ڈال لیا۔ اور باقی تین پھل کپڑے میں لپیٹ کر اپنی کمر کے ساتھ باندھ لیے۔ یونہی منگی کو خیال آیا کہ اس تریاق کو آزمانا چاہیے۔ اب وہ کسی سانپ کو تلاش کرنے لگی۔ وہ درختوں کے نیچے اگی ہوئی جنگلی جھاڑیوں میں آکر کسی سانپ کا بل ڈھونڈ رہی تھی کہ اچانک ایک جھاڑی میں سے کالے رنگ کا ڈیڑھ بالشت لمبا سانپ نکل کر سامنے آگیا۔ یہ سانپ جھاڑی کے پاس دھوپ سینک رہا تھا۔ کہ منگی کا ہاتھ اس کے قریب پڑا۔ قدرتی طور پر منگی نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ پھر اسے تریاقی صفت والی بوٹی کا خیال آگیا۔ جس کا پھل وہ کھا چکی تھی۔ وہ ابھی سانپ کو پکڑنے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی۔ کہ سانپ نے پلک جھپکنے میں اچھل کر منگی کے پاؤں پر ڈس لیا۔ اس کے ساتھ ہی منگی نے اس پر زور

سے ہاتھ مارا اور سانپ کو وہیں دبوچ لیا۔ سانپ کی گردن منگی کی انگلیوں میں تھی اور سانپ اس کی کلائی سے لپٹ گیا تھا۔

منگی وہیں بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے پیر کو دیکھا سانپ نے پاؤں کے اوپر گھٹنے کے پاس ڈسا تھا۔ وہاں اس کے دانتوں کے دو نشان پڑ گئے تھے جس میں سے خون نکل کر وہیں جم گیا تھا۔ منگی نے اپنے حواس کا جائزہ لیا۔ اس کے جسم میں سانپ کے ڈسنے سے جو سستی اور غنودگی پیدا ہونی چاہیے تھی وہ پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس کا جسم بالکل نارمل تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ بوٹی نے سانپ کے زہر کو بے اثر کر دیا تھا۔ منگی نے دلیری کے ساتھ ایک بار پھر سانپ سے اپنے ہاتھ پر ڈسوایا اور اس بار پھر سانپ کے زہر نے کوئی اثر نہ کیا۔ منگی نے سانپ کو اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا اور جھاڑیوں سے نکل کر کچے راستے پر ٹہلنے لگی۔ وہ چھ سات منٹ تک ٹہلتی رہی۔ زہر کی کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی۔ منگی کو یقین ہو گیا کہ اس نے صحیح بوٹی کا انتخاب کیا تھا۔

وہ پہلے سانپ کو وہیں جنگل میں چھوڑنے لگی۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے سانپ کو اپنی چادر کے کونے میں باندھ کر اپنی کمر کے ساتھ لٹکا لیا۔ یہ سانپ مشکل کے وقت اس کے کام آسکتا تھا۔ زہریلے تیر تو اس کے پاس رہے نہیں تھے۔ یہ سانپ ہی اب اس کا ہتھیار ثابت ہو سکتا تھا۔ منگی ایک جگہ دھوپ میں بیٹھ گئی اور سوچنے لگی۔ کہ راجہ کے محل میں شارل کو ہلاک کرنے کے لیے وہ کس ترکیب سے جائے اسے شارل سے شیر خان کے قتل کا بدلہ ہر حالت میں لینا تھا۔ وہ شیر خان کے قاتل کو اس دنیا میں زندہ نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اب ایک سانپ اس کے قبضے میں تھا۔ اس سانپ سے وہ شارل کو ہلاک کرنے میں مدد لے سکتی تھی۔ کچھ دیر وہاں دھوپ میں بیٹھی منگی یہی کچھ سوچتی رہی۔ شیر خان کے قتل ہو جانے سے اس کا دل کچھ دیر کے لیے بجھ سا ضرور گیا تھا مگر اب اس کی جگہ ایک نئی آگ روشن ہو گئی تھی۔ یہ انتقام کی آگ تھی۔ وہ شیر خان کے خون کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ اس کے خون کا بدلہ لیے بغیر منگی کے دل کی آگ ٹھنڈی نہیں ہو سکتی تھی۔

منگی نے سوچا کہ اسے جس طرح بھی ہو آج رات ڈوگرہ راجہ کے پراسرار محل میں پہنچ کر شارل کو سانپ کی مدد سے ہلاک کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیر خان کا قاتل اپنے ملک واپس چلا جائے۔ وہ اٹھی اور سست قدموں کے ساتھ اپنے ہوٹل کی طرف چل پڑی۔ وہ نیم پہاڑی جنگل میں اونچے نیچے راستوں سے ہوتی ایک کھلی جگہ پر آگئی۔ جس کی ایک جانب اونچی چٹان کی ڈھلان تھی اور دوسری طرف ایک گہری کھائی تھی۔ یہاں اسے ایک چھوٹی سی پگڈنڈی نظر آئی جو پہاڑی چٹان کی ڈھلان کی طرف جاتی تھی۔ وہاں سے ایک چھوٹی سی جھونپڑی بھی دور سے نظر آرہی تھی۔ منگی کو اس جھونپڑی سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ وہ اسے پیچھے چھوڑ کر پگڈنڈی پار کر کے دوسری طرف اونچی اونچی جھاڑیوں کے ساتھ چلنے لگی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ جس جھونپڑی کو وہ بے حقیقت سمجھ کر چھوڑ کر آگئی ہے۔ اس کے اندر شیرنی چارپائی پر بیٹھی اپنے باپ شیر خان کے بارے میں سوچ کر کبھی اداس ہو جاتی ہے تو کبھی آگ بھبوکا سی ہو کر چارپائی سے اٹھ کر ٹہلنے لگتی ہے۔

یہ وہی جھونپڑی تھی جہاں خالصتان تحریک کا سردار شیرنی کو اپنے خاص آدمی مکھن سنگھ کی حفاظت میں یہ کہہ کر چھوڑ گیا تھا کہ یہ سردارنی میری بہن ہے۔ یہ جب تک یہاں رہنا چاہے اس کی اپنی جان دے کر بھی حفاظت کرنا۔ جس وقت منگی وہاں سے گزر رہی تھی اس وقت ادھیڑ عمر مکھن سنگھ ایک درخت کی اوٹ میں بیٹھا اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے کوئی جوگن عورت سمجھ رہا تھا جو اکثر اس علاقے میں پھرتی نظر آجاتی تھیں۔

اچانک مکھن گھبرا کر اٹھا اور جھونپڑی کی طرف دوڑا۔ اس نے پولیس کی ایک جیپ کو بڑی تیزی سے جھونپڑی کی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ جیپ پتھروں پر سے اچھلتی ہوئی تیز رفتاری سے دوڑی چلی آرہی تھی۔ منگی نے بھی جیپ کو دیکھ لیا۔ وہ یہ سمجھی کہ پولیس اس کی تلاش میں وہاں آن پہنچی ہے۔

تھی۔ منگی جلدی سے جھاڑیوں کے پیچھے بیٹھ گئی۔ جیپ اس کے قریب سے نکلی اور چٹان کے دامن میں بنی ہوئی جھونپڑی کے پاس جا کر ایک دم رک گئی جیپ میں سے دو سپاہی اور ایک تھانیدار چھلانگیں لگا کر نکلے اور سیدھے جھونپڑی میں جا گھسے۔ منگی یہ سارا تماشہ جھاڑیوں کے پیچھے بیٹھی دیکھ رہی تھی۔ جو سکھ دوڑتا ہوا پہلے جھونپڑی کی طرف گیا تھا وہ خدا جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ منگی نے سوچا کہ ضرور یہاں جرائم پیشہ منشیات فروش

قسم کے لوگوں کا اڈہ ہو گا جہاں پولیس نے چھاپا مارا ہے۔ وہ اٹھ کر جانے ہی لگی تھی کہ زمین نے اس کے پاؤں جکڑ لیے۔

اس نے دور ہی سے شیر خان کی بیٹی شیرنی کو پہچان لیا تھا۔ دو سپاہی اسے کھینچتے ہوئے باہر لا رہے تھے۔

"ہے بھگوان! یہ تو شیرنی عائشہ ہے۔" منگی کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا۔ وہ لپک کر جھاڑیوں کی دوسری طرف ہو کر چھپ گئی۔ تھانیدار کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ منگی درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے پیچھے ہوتی ہوئی اس جگہ آکر بیٹھ گئی جہاں سے پولیس کی جیپ اسے صاف نظر آرہی تھی۔ شیرنی کو جیپ کے پاس لا کر تھانیدار نے گرج کر پوچھا۔ "تیرے دوسرے خالصتانی ساتھی کہاں ہیں؟" منگی نے دیکھا کہ شیرنی نے سکھ سردارنیوں والا لباس پہن رکھا تھا۔ زرد شلوار قمیص تھی۔ دوپٹہ ماتھے پر بندھا ہوا تھا۔ بغل میں کرپان لٹک رہی تھی اور ہاتھوں میں کڑا پڑا تھا۔ شیرنی نے بڑے وقار سے کہا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔"

تھانیدار نے شیرنی کو زور سے تھپڑ مارا شیرنی بپھر گئی اس نے بھی تھانیدار کو ایک زور دار طمانچہ جڑ دیا۔ تھانیدار کی کلاوہ والی ڈوگروں والی پگڑی نیچے گر پڑی۔ سپاہیوں نے شیرنی کو وہیں دبوچ لیا۔ تھانیدار اٹھ کر فائر کرنے ہی لگا تھا کہ رائفل کا ایک دھماکہ ہوا اور ایک سپاہی خون میں لت پت ہو کر زمین پر تڑپ رہا تھا۔ تھانیدار نے چلا کر کہا۔

"جیپ اسٹارٹ کرو۔ جیپ اسٹارٹ کرو۔ خالصتانی سکھ گھات میں ہیں"

ایک اور فائر ہوا مگر تھانیدار اور سپاہی شیرنی کو نیچے کھینچ کر زمین پر لیٹ گئے تھے۔ اور آہستہ آہستہ جیپ کی طرف رینگ رہے تھے۔ منگی نے اسی دوران اپنی کمر کے گرد بندھے ہوئے کپڑے میں سے زہریلے سانپ کو نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ وہ تھانیدار اور سپاہی پر اگر سانپ پھینکتی ہے تو اس بات کا خطرہ تھا کہ سانپ شیرنی کو بھی ڈس سکتا تھا۔ تھانیدار اور سپاہی نے شیرنی کو کھینچ کر جیپ میں ڈالنا چاہا تو شیرنی نے ایک دم سے اچھل کر تھانیدار کی کلائی پر پوری طاقت اور مہارت سے ہاتھ مارا۔ پستول اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ دوسرے سپاہی نے رائفل کا رخ شیرنی کی طرف کیا ہی تھا کہ شیرنی نے پستول دبوچ کر فائر جھونک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیا۔ دوسرا سپاہی سینے میں گولی کھا کر پیچھے کو گرا۔ تھانیدار نے چھلانگ لگا کر پیچھے سے شیرنی کو قابو کرنا چاہا۔ لیکن شیرنی اب پوری طرح ہوشیار ہو چکی تھی اس نے پستول کا رخ تھانیدار کی طرف کر دیا۔ تھانیدار نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے اور کہا۔

"گولی مت چلانا۔ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔"

اتنی دیر میں جھونپڑی کی طرف سے مکھن سنگھ دوڑتا ہوا آگیا۔ اس کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ اس نے چلا کر کہا۔

"سردارنی! فائر کیوں نہیں کرتی؟" شیرنی نے مکھن کی طرف دیکھا اس کا دھیان مکھن سنگھ کی طرف ہو گیا۔ بس اسی لمحے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تھانیدار نے لپک کر شیرنی کے ہاتھ سے پستول چھینا اور اسے دبوچ کر پستول کی نالی اس کی کنپٹی کے ساتھ لگاتے ہوئے چلایا۔

"سردار! بندوق پھینک دے نہیں تو میں تیری سردارنی کو شوٹ کر دوں گا۔ میں تین بار گنتی کروں گا۔ ایک..... دو....." شیرنی نے چیخ کر کہا

"سردار جی! بندوق نہ پھینک ..... فائر کر دو۔ میری پرواہ نہ کرو۔" مگر تھانیدار کے تین کہنے سے پیشتر ہی مکھن سنگھ نے بندوق زمین پر رکھ دی۔ تھانیدار نے حکم دیا۔

"زمین پر لیٹ جاؤ۔ زمین پر لیٹ جاؤ۔" مکھن سنگھ زمین پر لیٹ گیا۔ تھانیدار شیرنی کو دبوچے وہاں تک گیا۔ مکھن سنگھ کی بندوق اٹھا کر جیپ میں پھینکی۔ پھر شیرنی کو الگ کر کے اس پر پستول تان لیا۔

"سردارنی! اگر تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو میرے پستول میں ابھی کافی گولیاں ہیں۔ میں تمہیں ایک سیکنڈ میں شوٹ کر دوں گا۔" اس کے ساتھ ہی تھانیدار نے اپنی پیٹی کے ساتھ بندھی ہوئی ہتھکڑی نکالی اور شیرنی کو دونوں ہاتھ پیچھے لے جانے کو کہا۔ شیرنی حملہ کرنے کے لیے کسی موقعے کی تلاش میں تھی۔ مگر تھانیدار پستول تانے اس سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس کے دونوں سپاہیوں کی لاشیں خون میں لت پت وہاں پڑی تھیں۔ مکھن سنگھ اسی طرح زمین پر اوندھا لیٹا ہوا تھا۔ تھانیدار نے جلدی سے شیرنی کو ہتھکڑیاں لگا دی۔ پھر اس کی گردن پر پیچھے سے پستول رکھے اپنے ساتھ ساتھ چلاتے ہوئے دونوں سپاہیوں کی رائفلیں اٹھا کر جیپ میں پھینکیں اور شیرنی کو بھی جیپ میں بیٹھنے کا حکم دیا۔

شیرنی ذرا ہچکچائی۔ تھانیدار نے اس کی گردن کے قریب فائر کر دیا۔ گولی شیرنی کے کان کے بالکل نزدیک سے ہو کر نکل گئی۔

"جیپ میں بیٹھو۔" تھانیدار چلایا۔ شیرنی نے ایک نظر مکھن سنگھ کو دیکھا اور بے بسی کی حالت میں جیپ میں بیٹھ گئی۔ تھانیدار دوسری طرف سے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف دوڑ کر آیا۔ پستول کا رخ اس نے شیرنی کی طرف کیا ہوا تھا۔ اس نے اپنا اگلا پاؤں پائیدان پر رکھنے کے لیے اٹھایا ہی تھا کہ اسے اپنی پنڈلی پر کسی چیونٹی کے کاٹنے کا احساس ہوا اس نے اپنا خالی ہاتھ پنڈلی پر رکھا ہی تھا کہ جس سانپ نے پہلے اس کی پنڈلی کو ڈسا تھا اب اس کے ہاتھ پر بھی ڈس دیا۔ یہ سانپ منگلی نے اس کی طرف پھینکا تھا۔ تھانیدار نے زور سے ہاتھ کو جھٹکا۔ اس نے سانپ کو ایک طرف جھاڑیوں میں گھستے دیکھا۔ اس پر خوف طاری ہو گیا۔ سانپ کے زہر کا اثر ہو گیا تھا۔ اس کو چکر سا آگیا۔ اور پہلے پستول اس کے ہاتھ سے گرا اور پھر وہ بھی جیپ کے پاس ہی گر پڑا۔ منگلی جھاڑیوں میں سے نکل کر شیرنی کی طرف دوڑی۔

"عائشہ! میں منگلی ہوں۔"

شیرنی نے منگلی کو دیکھا تو خوشی سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ مکھن سنگھ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ منگلی نے تھانیدار کی پیٹی سے چابی نکال کر شیرنی کی ہتھکڑی کھول دی۔ دونوں ایک دوسرے کے گلے ملیں۔

"خدا کا شکر ہے منگلی کہ عین وقت پر تم آگئیں۔" مکھن سنگھ نے قریب آکر منگلی سنیاسن کو غور سے دیکھا اور پوچھا۔ "سردارنی! یہ سنیاسن کون ہے؟" مکھن سنگھ بولا۔

"سردار جی! یہ میری منہ بولی بہن منگلی ہے۔" شیرنی نے کہا۔

"جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے ہمیں نکل جانا چاہیے۔ پولیس کی دوسری گارڈ یہاں آسکتی ہیں۔"

منگلی شیرنی اور مکھن سنگھ جیپ میں بیٹھ گئے۔ مکھن سنگھ جیپ اسٹارٹ کر کے اسے وہاں سے نکال کر لے گیا۔ وہ نیم پہاڑی راستے پر تیزی سے جیپ کو ایک طرف لیے جا رہا تھا۔

"ہم کدھر جا رہے ہیں؟" شیرنی نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بی بی! تمہیں خطرے سے دور لے جانا میری ڈیوٹی ہے میں تمہیں کٹھوعہ سے آگے جالندھر جانے والے راستے پر ڈال دوں گا۔ تم جالندھر گوردوارے میں چلی جاؤ وہاں تم محفوظ ہو گی۔ ہمارے آدمی وہاں تمہاری حفاظت کریں گے۔"

مکھن سنگھ اس سارے علاقے کو جانتا تھا۔ اور دن کی روشنی میں پولیس کی جیپ کو پہچانا جا سکتا تھا۔ مگر مکھن سنگھ جیپ کو ویران علاقوں پر سے لیے جا رہا تھا۔ منگی ان علاقوں کو پہچانتی تھی۔ وہ شیر خان کے قاتل سے دور نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس نے ابھی عائشہ کو اس کے باپ کے قتل کے بارے میں بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ پہلی بار جب مکھن سنگھ نے شیرنی کو سردارنی کہہ کر پکارا تو شیرنی نے منگی کو اشارے سے خاموش رہنے اور کوئی سوال نہ پوچھنے کو کہا تھا۔ اس کے سکھوں ایسے پہناوے ہی سے منگی سمجھ گئی تھی کہ شیرنی یہاں سکھ عورت کے روپ میں رہ رہی ہے۔ بلکہ چھپی ہوئی ہے۔ جیپ میں بھی وہ مکھن سنگھ کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ منگی پچھلی سیٹ پر تھی۔ ایک جگہ مکھن سنگھ نے جیپ کچے راستے پر اتار دی جو ایک گھاٹی کی طرف جاتا تھا۔ گھاٹی کی دوسری جانب پہنچ کر اس نے جیپ روک دی اور شیرنی سے بولا۔

"بی بی! یہاں سے آگے کٹھوعہ کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے اب آگے تمہیں اپنی حفاظت خود کرنی ہو گی۔ دو کوس کھیتوں کھیت جاؤ گی۔ تو ایک بہت بڑا آموں کا باغ ملے گا۔ وہ پار کرو گی تو نالہ آئے گا۔ اس کی دوسری طرف ایک گاؤں ہے وہاں سے تمہیں جالندھر جانے والی لاری مل جائے گی۔ سرداروں کو میرا فتح بول دینا۔"

مکھن سنگھ نے اپنی صدری کی جیب میں سے سو سو روپے کے چار نوٹ نکال کر شیرنی کو دیے اور کہا۔

"جالندھر تک تمہارے لیے کافی ہوں گے آگے ہمارا پنتھ تمہیں سنبھال لے گا۔" مکھن سنگھ جیپ موڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد شیرنی نے منگی کی طرف دیکھا اور خوش ہو کر بولی۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ تم ہو۔ خدا کا شکر ہے۔ اب مجھے میرا ساتھی مل گیا ہے۔ مگر منگی میں نے والد صاحب کو یہاں بہت تلاش کیا۔ مگر ان کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ یہاں مجھے خالصتان تحریک کے سکھوں نے پناہ دے رکھی تھی۔ تم سناؤ۔ تم

یہاں کیسے پہنچیں کیا تمہیں میرے والد کے بارے میں کچھ پتا چلا؟"

منگی نے شیرنی کو اس کے باپ کی موت کے بارے میں بتانے کا فیصلہ کر لیا ہوا تھا۔ یہ بات وہ اس سے چھپانا نہیں چاہتی تھی اس نے شیرنی کو ایک طرف درخت کے نیچے بٹھا لیا اور سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اپنے باپ کے قتل کا سن کر شیرنی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ بچوں کی طرح رونے لگی۔ اس طرح زندگی میں اس نے کبھی آنسو نہیں بہائے تھے۔ جب اس کے دل کا بوجھ ذرا ہلکا ہوا تو اس کا خون انتقام کی آگ میں کھولنے لگا۔ اس نے منگی سے کہا۔

"میں اپنے باپ کے قاتل سے جب تک بدلہ نہیں لے لوں گی چین سے نہیں بیٹھوں گی میں' میں واپس جموں جاؤں گی۔" منگی نے شیرنی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"عائشہ بہن! انتقام کا لاوا میرے سینے میں بھی ابل رہا ہے۔ میں تمہارے باپ کے قاتل کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنا چاہتی ہوں اور یقین کرو میں ایسا کر کے رہوں گی۔ مگر اب ہمیں بڑی احتیاط سے اور ٹھنڈے دل سے کام لینا ہو گا۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ ڈوگرہ کے محل میں جانا اتنا آسان نہیں ہے۔ اب وہاں بہت زیادہ پہرہ ہو گا اور پھر پولیس تمہاری تلاش میں بھی لگی ہوئی ہے۔"

"چاہے کچھ ہو جائے۔" شیرنی نے بپھرتے ہوئے کہا۔ "میں اس بدمعاش ڈوگرے کی حویلی میں جاؤں گی۔ ضرور جاؤں گی اور شارل کے جسم کے ٹکڑے کر کے اسی طرح گھاٹی میں پھینکوں گی جس طرح اس نے میرے باپ ....." شیرنی جملہ پورا نہ کر سکی اور چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔ منگی کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ اس نے شیرنی کو تسلی دی۔

"روؤ گی تو تمہارے بہادر باپ کی روح کو دکھ ہو گا۔ ہمیں بہادر مردوں کی طرح شیر خان کے قتل کا بدلہ لینا ہو گا۔" شیرنی نے چادر سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ میرا باپ زندہ ہو تم نے اس کی لاش تو نہیں دیکھی نا۔" منگی نے کہا۔

"ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ مگر تمہارے باپ کو بالکل سامنے سے شارل کے پستول کی تین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گولیاں لگی تھیں۔ مجھے نہیں امید کہ شیر خان زندہ بچا ہوگا ۔ بہرحال یہ باتیں بعد میں سوچنے کی ہیں۔ پہلے تو ہمیں شیر خان کے قتل کا بدلہ لینا ہے جس شخص نے اسے میری آنکھوں کے سامنے گولیاں ماری ہیں میں قیامت تک اس کا پیچھا کروں گی۔ جب تک اپنے ہاتھوں سے اسے موت کے گھاٹ نہ اتار لوں گی چین سے نہیں بیٹھوں گی۔"

شیرنی کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔ وہ بے اختیار ہو کر اٹھی۔ دوسرے درخت کے پاس گئی۔ کرپان نکال کر درخت کے تنے پر زور سے ماری اور پھر درخت کے ساتھ سر لگا دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ منگی نے قریب جا کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اور شانوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"تم کیوں روتی ہو اب تو تمہارے دشمن روئیں گے۔" کافی دیر تک شیرنی اپنے بہادر اور محبت کرنے والے باپ کو یاد کر کے آنسو بہاتی رہی۔ پھر منگی کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"منگی! شارل کی اگلی نسل نہیں چل سکے گی۔ یہ میں تمہارے سامنے عہد کرتی ہوں۔ جس حویلی میں میرے باپ پر ظلم کیا گیا ہے۔ اس کی مٹی بھی لوگوں کو نہیں ملے گی۔ تم مجھے صرف ایک بار وہ حویلی دکھا دو۔" منگی نے کہا۔

"سب کچھ ہو جائے گا۔ کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ابھی ہمیں کسی ایسی پناہ گاہ کی ضرورت ہے جہاں ہم کچھ دیر کے لیے چھپ کر اپنے پروگرام پر غور کر سکیں۔" شیرنی نے درخت کے تنے میں کھبی ہوئی کرپان زور سے نکالی اور اسے نیام میں ڈالتے ہوئے بولی۔

"ہم مکھن سنگھ کے ٹھکانے پر واپس نہیں جا سکتے وہ جگہ پولیس نے دیکھ لی ہے۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی خفیہ جگہ یہاں ہو گی۔" منگی کہنے لگی۔

"تمہارے باپ کے ساتھ میں جس ہوٹل میں ٹھہری ہوئی تھی وہاں بھی جانا اب مناسب نہیں ہو گا۔" شیرنی نے کہا۔

"منگی! ہمیں اسلحہ بھی چاہیے۔" منگی کچھ سوچنے کے بعد کہنے لگی۔

"یہاں جموں چھاؤنی میں اسلحے کی ایک دکان ہے اسلحہ ہمیں وہیں سے مل سکے گا۔"

"ہم آدھی رات کو یہ دکان توڑ کر اسلحہ نکالیں گے" شیرنی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ منگی اس کا منہ تکنے لگی۔

"ٹھیک ہے" منگی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔" ایسا ہی ہو گا۔ ہمیں ایسا ہی کرنا ہو گا۔ مگر سب سے پہلے ہمیں راجہ کی حویلی کے آس پاس کوئی پناہ گاہ تلاش کرنی ہو گی۔" شیرنی بولی۔

"پہاڑیوں میں ہمیں ایسی کئی جگہیں مل جائیں گی۔ ہم ابھی چلتے ہیں۔" منگی نے شیرنی کا بازو تھام کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

"ابھی نہیں شیرنی' ذرا اندھیرا ہو لینے دو۔ ہم نے تھوڑی دیر پہلے پولیس کے تین اہلکاروں کو قتل کیا ہے۔ ہمارے سامنے ایک بڑا قیمتی مشن ہے۔ اب ہمیں ایک ایک قدم بڑی احتیاط سے اٹھانا ہو گا۔"

دونوں عورتیں وہیں جنگل میں شام ہونے تک بیٹھی رہیں جب سورج غروب ہو گیا اور شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تو منگی نے شیرنی کو ساتھ لیا اور وہ شہر کی طرف آنے کی بجائے پہاڑیوں کی طرف چل دی۔ کافی دیر تک پہاڑی راستوں پر چلتے رہنے کے بعد منگی اس جگہ سیاہ چٹانوں کے درمیان آ گئی۔ جہاں سے بدکردار ڈوگرہ جاگیردار کی پراسرار حویلی کا ایک برج اندھیرے میں بھی آسمان کی طرف اٹھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ منگی نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیرنی سے کہا۔

"یہ اس حویلی کا برج ہے جہاں جرائم اور گناہ پلتے ہیں اور جہاں تمہارے باپ اور میرے دوست میرے ساتھی شیر خان کو قتل کر کے لاش گھاٹی میں گرا دی گئی تھی۔"

شیرنی خاموش مگر شعلے اگلتی نظروں سے رات کے اندھیرے میں نیلے آسمان کے پس منظر میں جاگیردار کی حویلی کے برج کو تکتی رہی۔ منگی بولی۔

"ہمیں اس جگہ کوئی غار تلاش کر کے وہاں اپنی عارضی پناہ گاہ بنانی ہو گی۔ اس جگہ پر ہم لوٹا ہوا اسلحہ وغیرہ رکھیں گے۔ اور حویلی کو ایک ہی دھماکے سے اڑا دینے کی اسکیم تیار کریں گے۔" یہ اسکیم شیرنی کی تھی جو اس نے منگی کو راستے میں بتا دی تھی اس نے کہا کہ تھا کہ میں اس حویلی کو اس طرح سے نیست و نابود کر دینا چاہتی ہوں۔ کہ لوگوں کو اس کے کھنڈر بھی نہ مل سکیں۔ شیرنی کو اتنی سمجھ ضرور تھی کہ جس عمارت کو تہس نہس کرنا ہو اس کی بنیادوں اور ڈاٹوں میں کس طرح سے اور کہاں کہاں گولہ بارود لگایا جاتا ہے وہ کہنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لگی۔

"مگر منگی! شارل کو سب سے پہلے موت کے گھاٹ اتارنا ہو گا۔ اسے میں اپنے ہاتھوں اس لہان سے رک رک کر تڑپا تڑپا کر قتل کروں گی۔"

"وہ تو میرا بھی فرض بن چکا ہے۔ میں نے دل ہی دل میں دیوتاؤں کے آگے قسم کھا رکھی ہے۔ کہ شارل کو کسی صورت میں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ ہم دونوں اسے قتل کریں گی اس کے جسم کے ٹکڑے کریں گی۔ آؤ ان ٹیلوں میں کوئی ٹھکانہ تلاش کرتے ہیں۔" یہ سارا علاقہ پہاڑی تھا۔ اور جس مقام پر ڈوگرہ جاگیردار نے اپنی پر اسرار حویلی بنائی تھی وہ سارے کا سارا علاقہ اونچے اونچے دشوار گزار ٹیلوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہاں کوئی پناہ گاہ تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ جگہ جگہ کھڈیں نالے اور قدرتی غار تھے۔ شیرنی نے حویلی کے پیچھے ایک ٹیلے میں ایک غار میں ٹھکانہ بنا لیا۔ اب وہ رات گہری ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ منگی اس کے پاس ہی تھی۔ اس نے شیرنی کو حویلی کے اندر کا سارا نقشہ سمجھا دیا تھا کہ کہاں کہاں کون کون سا کمرہ ہے۔ اور شارل کس کمرے میں رات کو سوتا ہے۔ باپ کا چہرہ شیرنی کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ یہ سوچ کر اس کا خون کھول اٹھتا کہ اس حویلی میں اس کے پیارے بڑے بہادر اور باوقار باپ کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا ہے۔ وہ اپنے باپ کے قاتل کے ساتھ اس حویلی کا بھی نام و نشان مٹا دینا چاہتی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اس کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد باقی رہ گیا ہے کہ اپنے باپ کے قاتل کو بیدردی سے قتل کرے خواہ اس میں اس کی اپنی جان بھی کیوں نہ چلی جائے اس نے اپنی جان اپنے باپ پر پہلے ہی قربان کر رکھی تھی۔ جب رات گہری ہو گئی اور منگی نے شیرنی کو بتایا کہ اب بازار سنسان ہو گئے ہوں گے اور اسلحہ کی دکان بھی بند ہو گئی ہو گی تو شیرنی اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں ٹیلے کے غار سے نکلیں اور رات کے اندھیرے میں راستہ بناتیں شہر کو جانے والی سڑک کی طرف چل پڑیں۔

منگی اسلحہ کی دکان سے واقف تھی۔ اس نے شیرنی کو بتا دیا تھا کہ اسلحہ کی دکان پر کئی تالے لگے ہوئے ہیں اور رات بھر ایک مسلح چوکیدار پہرہ بھی دیتا ہے۔ شیرنی نے کہا تھا۔

"میں شیرنی ہوں۔ وہ مسلح پہریدار ایک بھیڑ ہے۔ سب سے پہلے میں اسے ہلاک کروں

گی۔"

شیرنی کی غضبناک جذباتی کیفیت دیکھ کر منگی کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں اس کی کسی غلطی سے سارا منصوبہ دھرے کا دھرا نہ رہ جائے اور الٹا وہ پولیس کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ مگر شیرنی کی حالت ایسی تھی کہ وہ اس کے سامنے چپ تھی۔ اب اسے سمجھانا یا کسی قسم کی ہدایت دینا بیکار تھا۔ شیرنی نے اپنے باپ شیر خان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا رکھی تھی۔ منگی شیرنی کو بازار کی پچھلی جانب سے لائی یہاں اندھیرا تھا۔ منگی نے شیرنی کو اسلحہ کی دکان دور سے دکھائی اور چوکیدار بھی دکھایا جو آگ کی انگیٹھی جلا کر دکان کے آگے بندوق لیے اسٹول پر بیٹھا تھا۔ وہ بند دکانوں کے پیچھے سے ہوتی ہوئیں اسلحہ کی دکان کے عقب میں اینٹوں کے ڈھیر کے پاس بیٹھ گئیں۔ شیرنی نے اردگرد کا اچھی طرح سے جائزہ لیا اور دھیمی آواز میں منگی سے کہا۔

"اس آدمی کو کسی طرح پیچھے بلانا ہو گا۔" منگی نے شیرنی کا ہاتھ دبایا اور سرگوشی کی۔

"میرے ایسی عورت کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ تم یہاں اوٹ میں چھپ کر بیٹھ جاؤ۔"

شیرنی اینٹوں کے ڈھیر کے پیچھے ہو گئی۔ اس نے کمرے کے گرد لپٹی ہوئی نائیلون کی باریک رسی کھول کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لی۔ اس رسی سے اسے مسلح چوکیدار کا کام تمام کرنا تھا۔ منگی دکان کے پیچھے سے نکل کر سڑک پر آ گئی۔ چوکیدار نے قدموں کی آہٹ سن کر دائیں جانب ایک عورت کو اپنی طرف آتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ کوئی فقیر قسم کی عورت ہے جو آگ تاپنے چلی آ رہی ہے۔ منگی قریب آئی چوکیدار اس کے جوگیانہ لباس سے بھی مرعوب نہ ہوا۔ وہ ہوس ناک نظروں سے منگی کی طرف تکنے لگا۔ منگی یہی چاہتی تھی۔ وہ چوکیدار کے پاس ہی سڑک پر بیٹھ گئی اور آگ پر ہاتھ تاپتے ہوئے بولی۔

"آج تو بڑی سردی ہے۔"

چوکیدار اس دوران دائیں بائیں پوری طرح دیکھ کر اطمینان کر چکا تھا کہ وہاں اور کوئی نہیں ہے اور میدان صاف ہے۔ اس نے جھک کر انگیٹھی میں لکڑی کو ہلانے کے بہانے منگی کے بازو کے ساتھ اپنا بازو لگا دیا۔ منگی نے جلدی سے بازو پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کوئی آگیا تو کیا کہے گا۔" چوکیدار شیر ہو گیا۔

"اری یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ چلو دکان کے پیچھے چل کر باتیں کرتے ہیں۔"

منگی کے ذہن میں اچانک خیال آگیا کہ ممکن ہے چوکیدار کے پاس دکان کی چابیاں ہوں۔ اگر ایسا ہو تو انہیں دکان کے تالے نہیں توڑنے پڑیں گے جو بڑا جان جوکھم کا کام تھا۔ اس نے مرد کو پاگل بنا دینے والی نظروں سے چوکیدار کی طرف دیکھا اور کہا۔

"دکان کے اندر چلتے ہیں۔ وہاں بڑے آرام سے باتیں کریں گے۔" چوکیدار جلدی سے بولا۔

چابیاں تو مالک کے پاس ہیں۔" پھر فوراً کہنے لگا۔ "تم یہیں بیٹھو۔ مجھے دکان کا پچھلا گودام والا دروازہ کھولنا آتا ہے جانا مت۔ میں ابھی آتا ہوں۔" منگی نے پیار بھرے انداز میں کہا۔

"نہیں میرے راجہ' میں اب تمہاری ہوں۔"

چوکیدار کے ہاتھ سے بندوق گرتے گرتے بچی۔ اسٹول سے اٹھ کر اس نے خالی خالی نیم روشن بازار کا جائزہ لیا پھر دکان کے پیچھے چلا گیا جہاں گودام تھا اور جس کا دوسرا دروازہ دکان کے اندر ہی کھلتا تھا۔ شیرنی نے چوکیدار کو دکان کے عقبی حصے کی طرف آتے دیکھا تو چوکس ہو گئی۔ منگی کو یہی ڈر تھا کہ کہیں شیرنی چوکیدار پر حملہ نہ کر دے شیرنی اس لیے رک گئی کہ چوکیدار کو اس نے دکان کی کھڑکی والا چھوٹا دروازہ کھولنے کی کوشش کرتے دیکھ لیا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ منگی نے کوئی ڈراما رچایا ہے۔ شیرنی اینٹوں کے پیچھے ہی چھپ کر بیٹھی رہی۔ چوکیدار نے کھڑکی نما دروازے کا کیواڑ ہاتھ ڈال کر کھول لیا۔ جلدی سے واپس منگی کے پاس آگیا اور اسٹول پر بیٹھ کر انگیٹھی پر ہاتھ تاپتے ہوئے بولا۔

"میں نے گودام کی کھڑکی کھول دی ہے۔ تم پہلے پیچھے جاؤ۔ میں ایک منٹ میں آتا ہوں۔" منگی نے اٹھتے ہوئے چوکیدار کا بازو بڑی محبت سے دبا دیا اور کہا۔"جلدی آنا۔" چوکیدار کا حلق خشک ہو گیا۔ وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔ "جلدی جاؤ۔"

منگی نے دکان کے پیچھے آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ شیرنی کو ساری اسکیم سمجھا دی۔ شیرنی کی آنکھیں اندھیرے میں واقعی شیرنی کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس نے کسی قسم کے

رد عمل کا اظہار نہ کیا خاموش رہی صرف اتنا کہا۔

"تم اب میری جگہ پر آجاؤ۔ تمہاری جگہ میں دکان کے اندر جاؤں گی۔"

منگی اور کوئی اعتراض کرنے لگی تو شیرنی نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے پاس کھینچ لیا۔

"جیسے میں کہتی ہوں ویسے کرو۔ تم یہاں بیٹھو جب میں اشارہ کروں تو دکان کے اندر آجانا۔"

منگی کو ہکا بکا چھوڑ کر شیرنی تیزی سے گودام یا دکان کے ادھ کھلے عقبی دروازے یا دروازہ نما کھڑکی کے پاس گئی اور اندر داخل ہو گئی۔ منگی دھڑکتے دل کے ساتھ یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ ابھی بمشکل ایک منٹ ہی گزرا تھا کہ چوکیدار بھی بندوق کاندھے پر ڈالے یوں ٹہلتا ٹہلتا آگیا جیسے اپنے گشت پر ہو۔ دکان کے عقبی دروازے کے پاس کھڑے ہو کر اس نے بڑے حساب کتاب سے دائیں بائیں ایک جائزہ لیا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا تو دروازہ کھول کر دکان یا گودام کے اندر گھس گئی۔ اندر اندھیرا تھا۔ مگر اس اندھیرے میں شیرنی چوکیدار کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے منگی کو آہستہ سے پکارا۔

"اری کہاں ہو میری جان؟"

شیرنی نے اس کی جان نکالنے کا سارا بندوبست کر رکھا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ جونہی چوکیدار اس کے قریب سے گزرا شیرنی کے دونوں ہاتھ بجلی کی تیزی سے اوپر اٹھے۔ نائیلون کی رسی نے چوکیدار کی گردن کو اپنے شکنجے میں لے لیا ایک زبردست جھٹکا لگا اور چوکیدار کی گردن ڈھلک گئی شیرنی نے اسے پرے گرا دیا۔

اس کی بندوق اٹھالی دکان سے باہر نکل کر منہ سے ہلکی سی سسکار کی آواز نکال کر منگی کو بلایا۔ منگی دوڑ کر دکان میں آگئی۔ انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ چوکیدار کی لاش اوندھی پڑی تھی۔ یہاں ایک دروازہ اسلحے کی دکان میں کھلتا تھا۔ یہ دروازہ بند تھا اور اس کی درزوں میں سے جلنے والے بلب کی شعائیں نکل رہی تھیں۔ انہوں نے دروازے کو بندوق کی نالی ڈال کر کھول دیا۔ سامنے ایک کشادہ دکان تھی جس کی الماریاں اسلحے وغیرہ کے سامان سے بھری پڑی تھیں۔ شیرنی نے بندوق کی نالی کی مدد سے ایک الماری کا تالا توڑ ڈالا اور اندر سے شاٹ گنیں اور کارتوس کے ڈبے باہر نکال لیے یہاں اسے ایک شکاری

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خنجر بھی مل گیا جو ریوالور کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ شیرنی نے اسے چمڑے کی پیٹی سمیت اپنی کمر کے گرد قمیص کے نیچے باندھ لیا۔ اس نے منگی سے کہا کہ ہمیں ڈائنامائٹ کی چھڑیوں کی ضرورت ہے مگر وہ یہاں دکھائی نہیں دے رہی۔ منگی بھی ان ہی کی تلاش میں تھی۔

"میرا خیال ہے یہاں بارود کی چھڑیاں نہیں ہیں۔ پستولیں بندوقیں بہت پڑی ہیں۔"

ہاں شیرنی دکان کی الماریوں کا جائزہ لے رہی تھی۔ باہر سڑک پر سے کوئی گاڑی گزری۔ منگی کہنے لگی۔

"ہمیں زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ باہر چوکیدار کو موجود نہ پا کر کسی کو شک پڑ سکتا ہے۔"

شیرنی ایک الماری کی طرف بڑھی۔ یہاں اسے ایک پستول نظر آیا تھا جس کے پاس ہی سائی لنسر کی فولادی نالی پڑی تھی۔ شیرنی نے پستول نکال کر نالی اس کے آگے لگا دی۔ سائی لنسر پستول میں پورا میگزین بھرا اور اپنے لباس میں اسے چھپا لیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب یہاں سے نکل چلو جس چیز کی مجھے زیادہ ضرورت تھی وہ یہاں نہیں ہے۔"

وہ جلدی جلدی دکان کے پچھلے دروازے سے نکلیں اور اندھیرے میں واپس روانہ ہو گئیں۔ دونوں شارٹ گنیں اور میگزین کے دو ڈبے شیرنی نے اپنی چادر میں چھپا کر اپنے ساتھ لگا رکھے تھے۔ منگی راستہ دکھا رہی تھی۔ ایک گھنٹے بعد وہ پہاڑی ٹیلے میں اپنی پناہ گاہ میں بیٹھی تھیں۔ شیرنی نے دونوں گنوں میں میگزین بھر لیا تھا۔ منگی نے اسے شارل کا پورا حلیہ ایک بار پھر بتایا اور کہنے لگی۔

"مگر اس وقت میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔ میں اسے ہزاروں آدمیوں میں پہچان سکتی ہوں۔"

منگی کا خیال تھا کہ وہ شیرنی کو صبح دن کی روشنی میں حویلی کے آس پاس لے جا کر اسے اس کی درودیوار اور موقع دکھا دے مگر شیرنی اسی وقت اپنے باپ کے قاتل کو ہلاک کرنا چاہتی تھی۔ منگی نے کہا۔

"میں بھی یہی چاہتی ہوں شیرنی! مگر میں صرف اتنی تسلی کر لینا چاہتی ہوں کہ شارل

حویلی میں ہی ہے اور جس کمرے میں ہم دھاوا بولیں گی وہ اسی کمرے میں ہو گا۔ دوسری بات ہمیں یہ نہیں بھولنی چاہئے کہ میرے فرار کے بعد حویلی کی حالت اب پہلے جیسی نہیں رہی اور شارل بھی محتاط ہو گیا ہو گا۔ کیونکہ اسے پتا ہے کہ میں شیر خان کو پیار کرتی تھی۔ اس کے قتل کے بعد حویلی سے فرار ہو چکی ہوں۔ اس اعتبار سے میں اس سے شیر خان کے خون کا بدلہ لے سکتی ہوں۔ چنانچہ بہت ممکن ہے کہ وہ حویلی سے چلا گیا ہو۔ یا پھر کسی خفیہ تہ خانے میں رات بسر کرتا ہو۔" شیرنی نے جھنجھلا کر کہا۔

"تم اس طرح وقت ضائع کر دو گی۔" منگی نے کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ ہمیں کم از کم اس شخص کے بارے میں جس کو ہم ہلاک کرنے یہاں آئے ہیں پتا تو ہونا چاہیے کہ وہ کہاں پر رات کو سوتا ہے؟" شیرنی نے بے دلی سے پوچھا۔

"یہ تم کیسے پتا کرو گی؟ تم تو یہاں میرے پاس بیٹھی ہوئی ہو۔"

"اس کی ایک ترکیب میں نے سوچ لی ہے۔" منگی نے جواب دیا۔

"وہ کیا ہے؟" منگی کہنے لگی۔

"سندراں نام کی ایک عورت حویلی میں کھانا وغیرہ پکاتی ہے۔ وہ میری بڑی ہمدرد تھی اکثر میرے پاس بیٹھ کر مجھ سے بڑی ہمدردی کی باتیں کرتی تھی وہ رات کو کام وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنے گھر آجاتی ہے جو یہاں سے تھوڑی دور ایک پہاڑی گاؤں میں ہے۔ اس سے شارل کے بارے میں سارا پتہ چل سکتا ہے کہ وہ رات کو حویلی میں کس جگہ سوتا ہے۔ وہ ہمارے لیے حویلی میں داخل ہونے کی سہولت بھی مہیا کر سکتی ہے۔" شیرنی نے تھوڑا سا غور کیا اور کہا۔

"تو پھر اس کے گاؤں ابھی چلتے ہیں۔ یہاں وقت ضائع کرنا فضول ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں میری طرف سے ابھی چلے چلتے ہیں۔"

چنانچہ وہ دونوں ٹیلے کے غار سے نکلیں اور سندراں کے گاؤں کی طرف چل پڑیں جو وہاں سے تین کوس کے فاصلے پر ایک برساتی نالے کے قریب واقع تھا۔ منگی ایک دفعہ سندراں کے مکان پر جا چکی تھی۔ یہ مکان کیا تھا ایک جھونپڑا سا بنا ہوا تھا۔ جس میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سندراں زندگی کے باقی دن گزار رہی تھی۔ وہ بوڑھی ہو رہی تھی۔ کوئی اولاد نہیں تھی۔
خاوند ڈوگرہ جاگیردار کی خدمت کرتے کرتے مرگیا تھا۔

اندھیری رات میں دونوں سہیلیاں سندراں کی جھونپڑی کے باہر آکر رک گئیں۔
سندراں دن بھر کے کام کاج سے تھک ٹوٹ کر گہری نیند سو رہی تھی۔ منگی نے جھونپڑی میں جاکر اسے جگایا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ منگی نے دیے کی لو اونچی کر دی اور کہا۔

"سندراں! میں ہوں منگی مجھے پہچانا نہیں؟" سندراں لحاف ہٹا کر چارپائی پر اٹھ بیٹھی

"منگی ہو تم؟ یہاں کیسے آگئیں۔ تمہیں تو اس علاقے سے بھاگ جانا چاہیے تھا۔" پھر اس نے شیرنی کی طرف دیکھا۔ "یہ کون ہے؟"

منگی نے کہا۔

"یہ میری بہن ہے۔"

"تم اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہی ہو؟" سندراں نے حیران ہو کر پوچھا۔ منگی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"سندراں مای ہم تمہارے پاس ایک ضروری کام سے آئی ہیں۔" منگی نے شیرنی کو مونڈھے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور سندراں سے کہنے لگی۔

"سندراں! تم مجھے اچھی طرح سے جانتی ہو۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ مجھے ظالم ڈوگرے کی قید سے رہائی دلانے کے لیے میرا خاوند آیا تھا جس کو ڈوگرے کے دوست شارل نے گولی مار کر مار ڈالا۔ اب میں تم سے اتنا پوچھنے آئی ہوں کہ مجھے صرف یہ بتا دو کہ شارل حویلی میں رات کو کس جگہ سوتا ہے۔ اور پھر کل کس وقت حویلی میں داخل ہونے میں ہماری مدد بھی کرو میں شارل سے اپنے آدمی کے خون کا بدلہ لینا چاہتی ہوں۔"

"اری منگی تو اس ولایتی انگریز کی بات کر رہی ہے جس کی چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی؟"

"ہاں ماسی وہی۔ اس نے میرے آدمی کا خون کیا ہے میں اس سے بدلہ لینا چاہتی ہوں۔"

"تم نے دیر کر دی منگی۔ وہ ولایتی انگریز تو کل ہی بمبئی چلا گیا تھا۔" منگی نے انتہائی مایوسی کی نظروں سے شیرنی کی طرف دیکھا۔ شیرنی کا چہرہ ساکت اور پر سکون تھا۔

"تم یقین سے کہہ رہی ہو سندراں کہ وہ گورا ولایتی بمبئی چلا گیا ہے۔" سندراں نے ماتھے پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

"منگی! میری ساری عمر ڈوگرہ راجہ کے اس کنجر خانے میں گزر گئی ہے۔ مجھے سب پتا ہوتا ہے کون کہاں سے آیا اور کہاں جا رہا ہے۔ اور پھر وہ ولایتی گورا تو مجھے سو روپیہ انعام بھی دے گیا ہے۔ کہہ رہا تھا تم کھانا بڑا اچھا بناتی ہو۔ میرے ساتھ بمبئی چلو گی۔ میں نے کہا میری جوتی جاتی ہے۔" اب شیرنی نے پوچھا۔

"ماسی! تمہیں معلوم ہے وہ بمبئی میں کہاں جا کر ٹھہرا ہو گا؟" سندراں بولی۔

"جانے میری بلا وہ کہاں جا کر رہے گا۔ اری بمبئی میں راجہ کا ایک بنگلہ ہے۔ راج محل کہتے ہیں اسے وہیں جا کر ٹھہرے گا اور کہاں جائے گا۔"

"وہ اکیلا گیا تھا؟" منگی نے سوال کیا۔

"ہاں حویلی سے تو گاڑی میں اکیلا ہی گیا تھا۔" شیرنی راج محل کے بارے میں مزید جاننا چاہتی تھی۔ اس نے پوچھا۔

"ماسی سندراں! کیا تم بتا سکتی ہو راج محل بمبئی میں کس علاقے میں ہے؟"

منگی نے بھی شیرنی کے سوال کی تائید کی۔

"ہاں ماسی! یہ بہت ضروری ہے۔ اگر تمہیں معلوم نہیں تو ہمیں حویلی سے معلوم کر کے بتا دینا۔"

سندراں نے ہاتھ کو جھٹک کر کہا۔

"مجھ سے زیادہ کس کو معلوم ہو گا۔ میں تو خود راج محل میں ایک بار چھ مہینے' ایک بار دو مہینے راجہ کے ساتھ گزار چکی ہوں۔" منگی نے بے تابی سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تو پھر ہمیں بتاؤ یہ راج محل کہاں پر ہے؟" سندراں نے کہا۔

"جب تم بمبئی کے بڑے اسٹیشن پر اترو گی تو وہاں کسی بگھی والے' کسی ٹیکسی والے سے راج محل کا پوچھ لینا۔ وہ تمہیں وہاں پہنچا دے گا۔ نہیں تو تم اندھیری نام کے علاقے میں چلی جانا۔ وہاں سے تمہیں کوئی بھی راج محل کا پتا بتا دے گا۔" شیرنی گہرا سانس بھر کر بولی۔

"منگی بہن! ہمیں اسی وقت ریلوے اسٹیشن پہنچ جانا چاہیے۔ شاید کوئی ریل گاڑی مل جائے جو ہمیں جموں شہر سے لے جائے۔" سندراں کہنے لگی۔

"ہو تو تم منگی کی بہن مگر لگتا ہے تمہیں یہاں کی ریل گاڑیوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ تمہیں صبح چھ بجے سے پہلے کوئی گاڑی نہیں ملے گی۔ چھ بجے ایک ریل گاڑی دلی کو جاتی ہے۔"

پھر وہ منگی کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

"منگی! تیرے پیچھے تو راجہ کے غنڈے لگے ہوئے ہیں۔ تو دن کی روشنی میں پکڑی جائے گی ایسا کر کہ دن میری جھونپڑی میں رہ جا۔ شام ہو جائے تو چلی جانا۔ شام کے وقت ایک ریل گاڑی جالندھر پٹیالے کو جاتی ہے۔" منگی نے شیرنی کو مشورہ دیتے ہوئے کہا

"میرے خیال میں ماسی ٹھیک کہتی ہے۔ ہمیں کسی نہ کسی طرح دن یہیں گزار دینا چاہیے۔ شیرنی نے اندیشے کا اظہار کیا۔

"اور اگر وہ آدمی ہاتھ سے نکل گیا تو؟"

"وہ کہیں نہیں جاتا۔" منگی بولی۔ "وہ بمبئی میں ہی مل جائے گا۔" سندراں کہنے لگی۔

"ہاں ہاں وہ ابھی وہیں ٹھہرے گا۔ جب کبھی ادھر آتا ہے تو بمبئی میں بھی کچھ دن ضرور گزارتا ہے۔ اس کے بعد ولایت چلا جاتا ہے۔" شیرنی کو منگی کے ساتھ ساتھ دن کی روشنی میں اپنے پکڑے جانے کا بھی خطرہ تھا۔ چھ بجے دن نکل آیا ہوتا ہے۔ اس نے وہیں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ سندراں نے اٹھ کر پرانے صندوق سے ایک لحاف نکال کر انہیں دیا اور کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہیں سو جاؤ لحاف اوڑھ کر۔"

منگی اور شیرنی وہیں زمین پر بچھی چٹائی پر لحاف اوڑھ کر لیٹ گئیں۔ وہ بے حد تھکی ماندی تھیں۔ سردی بھی انہیں خوب لگی تھی۔ پیدل چل چل کر برا حال ہو گیا ہوا تھا۔ لیٹتے ہی سو گئیں۔ صبح اٹھیں تو دن کافی نکل آیا تھا۔ سندراں ان کے لیے مکئی کی روٹی اور چائے لے آئی۔ انہوں نے جھونپڑی کے اندر ہی ناشتہ کیا۔ منگی نے کہا۔

"ماسی! یہاں گاؤں میں ہمارے بارے میں کسی کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔" سندراں بولی۔

"میں کوئی بیوقوف نہیں ہوں۔ یہ ساری باتیں جانتی ہوں۔ تم آرام سے یہاں پڑی رہو۔ آج میں حویلی سے بھی دوپہر کے بعد واپس آجاؤں گی۔" سندراں ان دونوں کو جھونپڑی میں چھوڑ کر راجہ کی حویلی کی طرف چل دی۔ سندراں کے جانے کے بعد منگی شیرنی سے کہنے لگی۔

"شیرنی! اس علاقے سے ہم جا تو رہے ہیں مگر اس علاقے کے جنگلوں پہاڑیوں میں جو جڑی بوٹیاں ہیں وہ ہندوستان کے کسی علاقے میں نہیں ملتیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم یہاں بیٹھو میں ان پہاڑیوں کا ایک چکر لگا کر آؤں۔ شاید کچھ قیمتی جڑی بوٹیاں مل جائیں یہ بمبئی میں ہمارے کام آسکتی ہیں۔"

شیرنی کو جڑی بوٹیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے منگی کو بھیج دیا مگر تاکید کی کہ وہ آبادی کی طرف نہ جائے۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ سردی دھوپ کی وجہ سے کم ہو گئی تھی۔ منگی ٹیلوں کے درمیان جھاڑیوں میں ادھر ادھر پھرنے لگی۔ اس کی تجربہ کار تیز آنکھیں ایک ایک جڑی بوٹی کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ برساتی نالے کے دوسری طرف آگئی۔ یہاں اس کی نظر سانپ کے زہر کے تریاق والی بوٹی پر پڑی۔ اس نے اس کے پھولوں میں سے بوٹی کے کتنے ہی دانے نکال کر تھیلے میں سنبھال کر رکھ لیے۔ اچانک اسے وہ بوٹی نظر آگئی جس کے زہر سے وہ لنکا میں زہریلے تیر تیار کیا کرتی تھی۔ اس نے وہ بوٹی بھی توڑ کر اپنے پاس رکھ لی۔ دوپہر کو وہ واپس جھونپڑی میں آگئی۔ کچھ دیر بعد سندراں بھی پہنچ گئی۔ منگی نے شیرنی کو دونوں جڑی بوٹیاں دکھائیں۔ سندراں ان کے لیے حویلی ہی سے پراٹھے پکا کر لے آئی تھی۔ جو سب نے مل کر کھائے سندراں کہنے لگی۔

"میں نے پتا کرا لیا ہے۔ دلی جانے والی گاڑی اسٹیشن سے پونے سات بجے چھوٹتی ہے۔"

"اچھا ہے۔" منگی بولی۔ "اتنی دیر تک اندھیرا ہو جائے گا۔" سندراں نے منگی کو بتایا کہ غنڈے اس کی تلاش میں امرتسر جالندھر کی طرف بھی گئے ہوئے ہیں۔ اس لیے اسے راستے میں ہوشیار رہنا پڑے گا۔ منگی نے زہریلی جڑی بوٹیوں کے زہر سے بانس کے کچھ تیر بنانے کا سوچا مگر یہاں اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ بوٹی کو پیس کر زہر کا سفوف بناتی اور بانس کی تیلیاں چھیل کر اس کی زہریلی سوئیاں تیار کرتی۔ انہوں نے شاٹ گنیں وہیں غار میں پھینک دی تھیں۔ شیرنی نے اپنے پاس صرف ایک سائیلنسر والا پستول ہی رکھا ہوا تھا۔ خنجر اس نے قمیص کے اندر کمر کے ساتھ باندھا ہوا تھا۔ منگی کے پاس اپنے بچاؤ کے واسطے کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ اس کا خیال ایک بار پھر سانپوں کی طرف چلا گیا۔ اگر وہ اپنے پاس کوئی زہریلا سانپ رکھ لے تو یہ بڑا اچھا ہتھیار ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ سانپ کے تریاق والی بوٹی شیرنی کو بھی کھلا سکتی تھی۔ مگر وہاں اب سانپ پکڑنے کا بھی وقت نہیں تھا۔ دیکھتے دیکھتے دن غروب ہو گیا۔ سندراں کہنے لگی۔

"میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ تمہارا اکیلے جانا خطرناک ہو سکتا ہے۔ تم ایسا کرو ریلوے لائن کی طرف سے پلیٹ فارم پر پہنچو میں تمہارے ٹکٹ لے کر وہاں آجاؤں گی۔"

شیرنی نے سندراں کو کچھ روپے دیے اور منگی کے ساتھ شام کے گہرے ہوتے اندھیرے میں جھونپڑی سے باہر نکل گئی۔ دونوں نے کھدر کی نسواری اور کالے رنگ کی چادریں اس طرح اوڑھ رکھی تھیں کہ ان کے چہرے زیادہ نظر نہیں آتے تھے۔ سندراں گاؤں کی دوسری طرف سے ریلوے اسٹیشن کی طرف پہلے ہی روانہ ہو چکی تھی۔ سندراں نے بڑی عقلمندی سے کام لیا تھا۔ کیونکہ جب وہ اسٹیشن پر آئی تو وہاں پولیس موجود تھی اور آنے جانے والے مسافروں کی کڑی نگرانی ہو رہی تھی۔ سندراں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان دونوں عورتوں نے رات کو اسلحہ کی ایک دکان بھی توڑی تھی۔ منگی اور شیرنی کھیتوں میں ریلوے لائن کے ساتھ دور تک چلتی گئیں۔ کافی آگے جا کر وہ اوپر ریلوے ٹریک پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چڑھ گئیں اور پھر واپس اسٹیشن کی طرف چلنے لگیں۔ پلیٹ فارم پر ایک گاڑی کھڑی تھی جس میں مسافر اپنا اپنا سامان وغیرہ رکھوا رہے تھے۔ کافی رش تھا۔ منگی نے شیرنی کو ایک جگہ بنچ پر بٹھادیا۔ کیونکہ اس کے لیے یہ جگہ منگی کے مقابلے میں اجنبی تھی۔ خود مسافروں کے بیچ سے گزرتی ہوئی گیٹ کی طرف جا رہی تھی کہ سندراں نے پیچھے سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور بولی۔

"میں ادھر ہوں۔" سندراں ان دونوں کے لیے جموں سے جالندھر تک کے دو ٹکٹ لے کر آئی تھی۔ اس نے منگی سے شیرنی کے بارے میں پوچھا۔

"وہ ادھر بنچ پر بیٹھی ہے۔"

سندراں نے کہا۔ "باہر پولیس موجود تھی۔ اچھا ہوا کہ تم گیٹ کی طرف سے نہیں آئیں۔ یہ ٹکٹ لو اور جتنی جلدی ہو سکے کسی ڈبے میں گھس جاؤ باہر مت بیٹھی رہنا۔ میں جاتی ہوں۔"

منگی ابھی سندراں کا شکریہ بھی ادا نہیں کر پائی تھی کہ سندراں مسافروں کی بھیڑ میں غائب ہو گئی۔ وہ تیزی سے شیرنی کے پاس آئی اور پھر دونوں ایک زنانہ ڈبے میں آکر کونے میں مسافروں کے اسباب کے پاس بیٹھ گئیں۔ حلیے اور لباس سے وہ دیہاتی عورتیں لگ رہی تھیں۔ سائیلنسر والا پستول اور خنجر شیرنی نے لباس کے اندر چھپا رکھا تھا۔ اوپر سے وہ بڑے بھولے بھالے انداز میں دیہاتی عورت کی طرح بیٹھی تھی۔ منگی کا لباس اب جوگنوں والا نہیں تھا۔ اس نے بھی دیہاتی عورتوں کی طرح شلوار قمیض اور گرم چادر اوڑھ رکھی تھی۔ ایک چھوٹا سا تھیلا اس کے پاس تھا جس میں سانپ کے تریاق اور زہریلے تیر تیار کرنے والی جڑی بوٹیاں تھیں۔ ریل گاڑی چل پڑی۔ شیرنی نے خدا کا شکر ادا کیا اور چادر سے منہ سر اچھی طرح ڈھانپ لیا کیونکہ موسم سرد تھا۔ گاڑی کے چلتے ہی مسافر عورتوں نے کھڑکیوں کے شیشے وغیرہ چڑھا دیے۔ جس سے ڈبے کی فضا نیم گرم ہو گئی۔ راستے میں ٹرین کو ریلوے ٹریک کی مرمت اور کسی ٹوٹے ہوئے پہاڑی نالے کے پل کی وجہ سے کئی بار رکنا پڑا جس کی وجہ سے ٹرین لیٹ ہو گئی۔ اور دن کو نو بجے جالندھر پہنچی۔ دونوں تھرڈ کلاس کے زنانہ ویٹنگ روم میں آگئیں۔

ویٹنگ روم میں آکر انہوں نے ناشتہ کیا اور بنچ پر بیٹھیں ایک دوسرے کے ساتھ سر جوڑ کر باتیں کرتی رہیں۔ منگی جب پلیٹ فارم کی کنٹین پر ناشتہ وغیرہ لینے گئی تھی تو اس نے بمبئی جانے والی گاڑی کے بارے میں معلومات حاصل کر لی تھیں۔ شام سے پہلے وہاں سے سیدھی بمبئی جانے والی کوئی گاڑی انہیں مل سکتی تھی۔ تین گاڑیاں دلی جانے والی انہیں مل سکتی تھیں۔ جن میں سے ایک گاڑی ایک گھنٹے بعد امرتسر سے آرہی تھی۔ شیرنی اور منگی نے آخر یہی طے کیا کہ وہ اس گاڑی میں بیٹھ کر دلی جائیں گی۔ وہاں سے پھر بمبئی جانے والی کوئی ٹرین پکڑ لیں گے۔

منگی باہر جا کر دلی تک کے دو ٹکٹ خرید کر لے آئی۔ شیرنی خاص طور پر بڑی محتاط تھی۔ اور تیز نگاہوں سے کسی کسی وقت ماحول کا جائزہ لے لیتی تھی۔ جب امرتسر سے ٹرین آئی تو پلیٹ فارم پر آگئیں۔ ایک ڈبے میں گھس کر بیٹھ گئیں اور تھوڑی دیر بعد ٹرین اسٹیشن سے چل دی۔ پنجاب سے نکلنے کے بعد ان کا سفر نسبتاً محفوظ ہو گیا تھا۔ شیرنی کبھی کبھی اس تشویش کا اظہار کرتی کہ شارل کہیں بمبئی سے آگے کسی دوسرے ملک کی طرف نہ نکل گیا ہو۔ جس پر منگی اسے تسلی دیتی کہ فکر نہ کرو۔ وہ جہاں بھی جائے ہم موت بن کے وہاں پہنچ جائیں گی۔ شیرنی نے کہا۔

"ہمارے پاس کوئی پاسپورٹ وغیرہ بھی نہیں ہے۔ ہم یہ ملک چھوڑ کر کسی دوسرے ملک نہیں جا سکیں گے۔ اس لیے شارل کا بمبئی میں موجود ہونا بڑا ضروری ہے۔"

ٹرین دلی کی طرف جاتے ہوئے اتر پردیش کے میدانوں اور کھیتوں میں داخل ہو چکی تھی۔ منگی نے کہا۔

"تم کیوں فکر کرتی ہو۔" ہمارا شکار بمبئی کے راج محل میں ہی ہو گا۔"

موضوع بدلنے کی خاطر منگی شیرنی کو ان جڑی بوٹیوں کے خواص کے بارے میں بتانے لگی جو اس نے جموں کی پہاڑیوں سے جمع کر کے تھیلے میں رکھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے سانپ کے تریاق والی بوٹی کے متعلق تو شیرنی کو وہ پہلے ہی باخبر کر چکی تھی۔ کہنے لگی۔

"اس کا پھل تمہیں بمبئی پہنچ کر کھلا دوں گی۔ باقی جو دوسری بوٹی ہے۔ اس کو پیس کر چھان کر زہریلا سفوف تیار کر کے اسے پانی میں گھول کر بانس کی سوئیوں کے آگے لگانا ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گا۔ پھر اس کو دشمن پر پھینکنے کے لیے ایک پھونکنی بھی تیار کرنی ہو گی۔" شیرنی نے کہا۔

"یہ بک بک تم کیسے کر سکوں گی؟ بہتر یہی ہے کہ اس کی دس بارہ زہریلی سوئیاں تیار کر کے اپنے پاس رکھ لو۔ کوئی ایسا وقت پڑا تو دشمن کو چبھو دینا۔ مجھے تمہاری ان زہریلی سوئیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس خنجر اور پستول موجود ہے میں ان سے دشمن کو ہلاک کر سکتی ہوں۔" منگی ہنس کر بولی۔

"میری پیاری شیرنی! یہ اپنے پاس رکھ لو جہاں تیرے خنجر پستول جواب دے جائیں گے میری یہ جڑی بوٹی بڑے کام آئے گی۔ اسے اپنے پاس رکھ لو۔" مگر شیرنی نے انکار کر دیا۔

"یہ تم ہی اپنے پاس رکھو۔" ٹرین دلی پہنچی تو رات ہو چکی تھی۔ شیرنی کے پاس اب زیادہ کرنسی نوٹ نہیں رہے تھے۔ انہیں دلی سے بمبئی تک کا کرایہ درکار تھا۔ تھرڈ کلاس کے ویٹنگ روم میں آ کر شیرنی نے تھیلی میں سے تہہ کئے ہوئے نوٹ نکال کر گنے۔ یہ کل اڑھائی سو روپے بنے تھے۔ منگی نے کہا۔

"یہ روپے ہمارے لیے کافی ہیں۔ بمبئی پہنچ کر کوئی بندوبست کر لیں گے۔"

ویٹنگ روم میں ہی دونوں نے کھانا کھایا۔ معلوم ہوا کہ بمبئی جانے والی گاڑی دلی سے صبح سات بجے چلے گی۔ اب انہیں رات وہیں گزارنی تھی۔ منگی کہنے لگی۔

"یہیں ویٹنگ روم میں پڑے رہیں گے۔ یہاں سے باہر جانا مناسب نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہاں زیادہ سردی بھی نہیں لگ رہی۔" منگی بولی۔

"بمبئی میں تو موسم بڑا خوشگوار ہو گا بلکہ دن کے وقت گرمی بھی لگتی ہے۔ میں وہاں کئی بار جا چکی ہوں اس موسم میں بمبئی شہر کا موسم بڑا اچھا لگتا ہے مجھے۔"

شیرنی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ صرف یہی سوچ رہی تھی کہ اگر اس کے باپ کا قاتل شارل بمبئی سے جا چکا ہو گا تو پھر وہ کیا کرے گی؟ جس ملک میں وہ گیا ہے اس ملک کا ویزا اور پاسپورٹ وغیرہ کہاں سے بنوائے گی۔ اس سلسلے میں منگی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ شیرنی پڑھی لکھی عورت تھی جب کہ منگی بہادر اور دلیر ضرور تھی مگر وہ صرف خط ں پڑھ سکتی تھی۔ وہ بھی ہندی کی لکھائی والا۔ اردو کے حروف بڑی مشکل سے اٹھاتی تھی۔

انہوں نے ویٹنگ روم کے ایک بنچ پر ہی رات گزارنے کو جگہ بنا لی۔ وہاں دوسری مسافر عورتیں بھی اپنے سامان اور بال بچوں کے ساتھ موجود تھیں جن کی وجہ سے ماحول میں کافی شور مچا ہوا تھا۔ یہ ساری باتیں شیرنی کے حق میں جاتی تھیں اس طرح کسی پولیس والے کا ادھر خیال نہیں جا سکتا تھا۔ ویسے بھی وہ پنجاب سے نکل آئی تھیں۔ جہاں اس کے گرفتار ہونے کا زیادہ خطرہ تھا۔ کسی نہ کسی طرح انہوں نے رات بسر کر لی۔ دن نکلا تو پتہ چلا کہ بمبئی جانے والی گاڑی چار گھنٹے لیٹ ہے۔ شیرنی نے سر پکڑ لیا۔ وہ پریشان ہو گئی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے اس کے باپ کا قاتل اس کے ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ منگی یہاں بھی اس کی ڈھارس بندھاتی رہی۔ مگر اندر سے وہ بھی پریشان تھی کہ اگر شارل بمبئی کے راج محل سے چلا گیا ہو گا تو وہ کیا کرے گی۔

بہر حال انہیں وہیں ویٹنگ روم میں بیٹھ کر انتظار کرنا تھا۔ چار گھنٹے بعد گاڑی آ گئی۔ شاید یہ ٹرین کلکتے سے آ رہی تھی۔ ٹکٹ انہوں نے پہلے ہی سے خرید کر رکھ لیے تھے۔ ٹرین میں بڑا رش تھا۔ لیٹ ہونے کی وجہ سے رش میں اضافہ ہو گیا تھا۔ شیرنی اور منگی کو ایک زنانہ ڈبے میں جگہ مل گئی۔ خدا خدا کر کے گاڑی دلی سے چلی آگے بڑا لمبا سفر تھا۔ ڈبے میں ان کے پاس رات کو سونے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ مگر جب رات ہو گئی تو ڈبے سے کچھ مسافر عورتیں اتر گئیں اور شیرنی منگی کے لیے ایک برتھ خالی ہو گئی۔

شیرنی نے منگی سے کہا کہ تم اوپر جا کر تھوڑی دیر آرام کر لو۔ تمہارے بعد میں لیٹ جاؤں گی۔ منگی برتھ پر چڑھ کر لیٹ گئی۔ چلتی گاڑی میں اسے جلدی نیند آ گئی۔ ٹرین رات کے اندھیرے میں چھوٹے چھوٹے، قصبوں، کھیتوں، جنگلوں میں گزرتی جا رہی تھی۔ شیرنی اپنی سیٹ پر ہی بیٹھی رہی۔ دوسری عورتیں جہاں بیٹھی تھیں وہیں گردنیں لٹکائے سو رہی تھیں۔ رات کے ایک بجے ایک بڑے شہر کے اسٹیشن پر ٹرین رکی تو منگی کی آنکھ کھل گئی۔ اوپر سے جھانک کر شیرنی کو دیکھا۔ پھر نیچے اتر آئی اور بولی۔

"اب تم اوپر جا کر سو جاؤ۔ ابھی کل کا پورا دن سفر کرنا ہے۔ کل رات کو کسی وقت بمبئی پہنچیں گے۔" شیرنی کو واقعی نیند آ رہی تھی۔ وہ برتھ پر چڑھ کر سو گئی۔ ڈبے کی اکثر عورتیں سو رہی تھیں۔ یہ کوئی بڑا اسٹیشن تھا۔ منگی کو چائے کی طلب ہوئی۔ وہ ٹرین سے اتر کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پلیٹ فارم پر چائے کی کنٹین تلاش کرنے لگی۔ پلیٹ فارم پر کافی مسافر تھے جو ڈبوں میں سوار ہو رہے تھے۔ منگی ٹرین کے پچھلے ڈبوں کی طرف آگئی۔ یہاں کونے میں اسے ایک چائے کی کنٹین نظر آگئی۔ کچھ مسافر پہلے سے وہاں کھڑے چائے پی رہے تھے۔ عورت وہاں کوئی نہیں تھی۔ وہ تو ایک مرد قسم کی عورت بن چکی تھی۔ ساری زندگی جنگلی درندوں اور جنگل کے ماحول میں گزری تھی۔ وہ بے دھڑک کنٹین کے کاؤنٹر پر آگئی اور چائے کے لیے کہا کاؤنٹر کے کونے پر ایک گرانڈیل قسم کا مشکوک شکل و صورت والا آدمی پہلے سے چائے پی رہا تھا۔ اس نے غور سے منگی کو دیکھا۔ پھر چائے کا گلاس خالی کر کے کاؤنٹر پر رکھا اور منگی کے قریب آکر کہنے لگا۔

"کہاں جا رہی ہو شریمتی جی"۔ منگی سمجھ گئی کہ یہ کوئی اوباش قسم کا آدمی ہے۔ فوراً بولی۔

"شریمتی نہیں بہن جی کہو"۔ وہ آدمی کچھ شرمسار ہو کر بولا۔

"میرا مطلب تھا کہ تم پنجاب سے آئی ہو میں بھی پنجاب کا رہنے والا ہوں۔"

وہ منگی سے اوٹ پٹانگ قسم کی باتیں کرتا رہا جس کا منگی بڑے اعتماد سے جواب دیتی رہی۔ اس نے چائے پی کر پیسے ادا کیے اور اپنے ڈبے کی طرف چل دی۔ وہ آدمی سر کھجاتا دوسری طرف چلا گیا۔ منگی ڈبے میں آکر بیٹھ گئی اور پلیٹ فارم پر اس آدمی کو تکتی رہی کہ کہیں وہ کسی پولیس والے سے تو بات نہیں کرتا۔ مگر ایسی کوئی بات نہ تھی۔ انجن نے سیٹی دی۔ گارڈ نے ہری جھنڈی لہرائی اور ٹرین اپنے سفر پر روانہ ہو گئی۔ دوسرے روز بھی ان کا سفر جاری رہا۔ گاڑی رات کے وقت بمبئی کے بہت بڑے ریلوے اسٹیشن میں داخل ہوئی۔ وہ رات انہوں نے اسٹیشن کے قریب ہی ایک گوردوارے میں بسر کی۔ اگلے دن منگی نے شیرنی کو گوردوارے میں ہی رہنے کو کہا اور خود راج محل میں شارل کی موجودگی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔ ٹیکسی والے کو راج محل کا نام بتا دینا ہی کافی تھا۔ وہ منگی کو وہاں لے گیا۔ اس نے ٹیکسی کچھ دور ہی رکوائی اور پھر ٹیکسی چھوڑ دی۔

یہ ایک بڑی کشادہ دو منزلہ کوٹھی تھی جس کے آگے بہت بڑا باغ تھا۔ کوٹھی پرانے طرز کی تھی۔ احاطے کی دیوار کافی اونچی تھی اور ساتھ ساتھ پام کے اونچے اونچے درخت لگے تھے۔ لوہے کا جنگلے والا دروازہ تھا جس کے باہر ایک ڈھیلی ڈھالی خاکی وردی والا آدمی پہرہ دے رہا تھا۔ منگی نے کوٹھی کے احاطے کی دیوار کے چاروں طرف ایک چکر لگایا۔ یہاں رات کے اندھیرے میں کسی بھی جگہ سے دیوار پار کر کے اندر جایا جا سکتا تھا۔ درختوں کی شاخیں اور پرانی بیلیں دیوار پر جھکی ہوئی تھیں۔ اب اسے شارل کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔ وہ گیٹ کے پاس آگئی۔ چوکیدار شکل و صورت سے ڈوگرہ معلوم ہوتا تھا۔ جب منگی نے اسے پرنام کر کے اس سے بات کی تو اس کا قیاس درست نکلا۔ چوکیدار چنے کا رہنے والا تھا۔ منگی نے اپنے آپ کو بھی چنے کے ایک گاؤں کی رہنے والی ظاہر کیا اور کہا کہ میرا آدمی مجھے دلی سے بمبئی سیر کرانے لایا تھا۔ وہ بازار کی بھیڑ بھاڑ میں کہیں گم ہو گیا ہے۔ کچھ پتا نہیں چل رہا۔ ڈوگرے چوکیدار نے اوپر سے نیچے تک منگی کو دیکھا۔ اسے منگی میں کافی دلکشی نظر آئی۔ کہنے لگا۔

"کوئی فکر نہ کرو۔ تم وہ سامنے میری کوٹھری میں چل کر بیٹھو میں تمہارے آدمی کا پتا کراتا ہوں۔ اس کا حلیہ اور نام بتا دو"۔

منگی نے یونہی ایک فرضی نام اور حلیہ بیان کر دیا۔ چوکیدار اسے احاطے کی دیوار کے ساتھ ہی پیچھے کی طرف ایک چھوٹی سی کٹیا میں لے آیا جہاں لوہے کی ایک چارپائی پر میلا سا بستر لگا تھا۔ ایک اسٹول پر پانی سے بھری ہوئی صراحی رکھی تھی۔ سلاخوں والی کھڑکی کے ساتھ دیوار پر شیشہ لٹک رہا تھا۔ رسی پر ایک تولیہ نیکر اور بنیان لٹک رہے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم یہاں بیٹھ کر آرام کرو۔ میں تمہارے آدمی کا پتا کر کے آتا ہوں۔ فکر نہ کرو۔ اگر وہ نہ ملا تو میں ریڈیو پر اعلان کرا دوں گا۔ یہاں کا پتا بھی لکھا دوں گا۔ وہ خود اسے یہاں آ کر چھوڑ جائیں گے۔" منگی بولی۔

"بھگوان تمہارا بھلا کرے جلدی پتا کر کے آنا۔" چوکیدار چلا گیا۔ اس نے گیٹ کا دروازہ بند کر دیا۔ اسے جانا کہاں تھا۔ ادھر ادھر سے چکر لگا کر بیڑی پیتا واپس آ گیا۔ کٹیا میں داخل ہوتے ہی خوش ہو کر بولا۔

"لو بھئی تمہارے آدمی کا نام حلیہ سب کچھ بتا دیا ہے۔ دو بار ریڈیو پر اعلان ہو گا۔ بس شام تک پولیس کے آدمی اسے یہاں خود آ کر چھوڑ جائیں گے۔" منگی جانتی تھی کہ وہ بھی جھوٹ بول رہا ہے۔ مگر منگی کو اس چوکیدار سے بڑی اہم معلومات حاصل کرنی تھی۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے راج محل کی باتیں شروع کر دیں۔ یہاں کون راجہ رہتا ہے۔ اس کی رانی کیسی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ چوکیدار اس کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"بیڑی پیو گی۔"

"نہیں میں تمباکو نہیں پیتی۔" چوکیدار چائے بنانے لگا اور ساتھ ساتھ منگی پر حملے کے لیے منصوبہ بندی تیار کرنے لگا۔ منگی نے کہا۔

"میرا آدمی بتاتا تھا کہ یہاں ایک راج محل ہے جس کے اندر راجہ رہتا ہے اور ولایتی انگریز بھی وہاں آتے ہیں۔ کیا یہاں انگریزوں کا بادشاہ بھی آتا ہے۔" چوکیدار نے کہا۔

"اری نہیں۔ انگریزوں کا بادشاہ یہاں نہیں آتا۔ مگر ولایت کے آدمی ضرور آتے جاتے رہتے ہیں ان کو ہمارے راجہ صاحب سے کام جو ہوتا ہے۔ یہ لو چائے پیو۔"

چوکیدار نے کیتلی میں سے چائے گلاس میں ڈال کر منگی کو دی۔ منگی چائے کا گھونٹ بھر کر بولی۔

"مگر میں نے یہاں تھوڑی دیر پہلے ایک گورے کو دیکھا تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی۔ بڑا ہٹا کٹا تھا۔ وہ کون ہے تمہارا۔" چوکیدار جو اپنے گلاس میں چائے کی جگہ تاڑی پی رہا تھا اور جو اس سے پہلے بازار سے بھی تاڑی کے دو گلاس چڑھا آیا تھا ہاتھ کو جھٹک کر بولا۔

"اری وہ تو ولایتی غنڈہ ہے۔ شالا شالا اس کا نام ہے۔ بڑا لعنتی ہے۔ ہر وقت نشے میں دھت رہتا ہے۔"

منگی نے چوکیدار کو آتے ہی بھانپ لیا تھا کہ یہ تاڑی چڑھا آیا ہے اور اب بھی اسے پتا چل چکا تھا کہ وہ گلاس میں تاڑی ہی پی رہا ہے۔ چوکیدار کے قریب ہوتے ہوئے بولی

"یہ محل میں رہتا کہاں ہے رے۔" چوکیدار نے کڑوا سا منہ بنا کر کہا۔

"اری تجھے اس سے کیا' چاہے جہاں بھی رہے۔" منگی نے مسکرا کر کہا۔

"یہ تو اپنی میم کے ساتھ رہتا ہو گا۔" چوکیدار نے شارل کو گالی دی اور بولا۔

"سالا بڑا بدمعاش ہے۔ وہ سامنے جو اوپر والی منزل ہے کونے میں گول کمرہ دیکھ رہی ہو نا اس میں رات کو سوتا ہے۔ ساری رات وہاں اودھم مچا رہتا ہے۔ انگریزی گانوں کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔" منگی مزید تصدیق کرنا چاہتی تھی۔

"سنا ہے یہ جموں میں راجہ کی حویلی میں کسی کا خون کر کے آیا ہے۔" چوکیدار چونکا۔

"تجھے ان باتوں سے کیا لینا ہے ری تو تو مجھے سی آئی ڈی والی لگتی ہے۔" تب منگی نے دل پر پتھر رکھ کر چوکیدار کی گردن میں بازو ڈال دیا۔

"مجھے کیا لینا ہے۔ مجھے تو گاؤں میں کسی نے بتایا تھا کہ راجہ کی حویلی سے ایک گورا خون کر کے بمبئی چلا گیا ہے۔"

چوکیدار بھول گیا کہ وہ کیا بات کر رہا تھا۔ منگی کے دوبارہ پوچھنے پر بولا۔

"ہاں ہاں یہ وہی گورا بدمعاش ہے۔ شالا نام ہے اس کا.... نام تو شاید کچھ اور ہے مگر یہاں سب اسے شالا صاحب ہی کے نام سے جانتے ہیں۔" منگی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے میں تو بھول ہی گئی تھی میری ایک سہیلی بھی میرے ساتھ بمبئی آئی ہوئی ہے۔ وہ بے چاری سرائے میں میری راہ دیکھ رہی ہو گی۔ چلتی ہوں شاید میرا آدمی بھی وہاں پہنچ گیا ہو گا۔ یہاں آئے تو اسے یہیں بٹھا لینا۔" چوکیدار اسٹول پر بیٹھا ہکا بکا ہو کر منگی کو تک رہا تھا۔ منگی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں رات کو دس بجے کے بعد آؤں گی۔ میری سہیلی بھی میرے ساتھ ہو گی تم یہاں اکیلے ہی ہونا۔ کسی دوسرے کو ہرگز نہ آنے دینا۔ نہیں تو ہم الٹے قدم واپس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چلی جائیں گی۔"

"میں اکیلا ہی ہوں گا۔" چوکیدار بڑبڑاہٹ میں صرف اتنا ہی کہہ سکا اور منگی کٹیا سے نکل کر جا چکی تھی۔

گوردوارے میں آتے ہی اس نے شیرنی کو ساری کہانی بیان کر دی فوراً انہوں نے رات کے وقت شارل کو قتل کرنے کا پروگرام ترتیب دے دیا۔ چوکیدار کی مدد سے وہ دونوں شارل کے کمرے میں پہنچ سکتی تھی۔ شیرنی اور منگی کو یقین تھا کہ جو حلیہ چوکیدار نے بیان کیا ہے وہ شارل کے سوا دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ بہرحال یہ ایک چانس تھا۔ وہ اس کا بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ منگی کہنے لگی۔

"مجھے تو سو فیصد یقین ہے کہ یہ گورا شارل ہی ہے۔ اگر شارل نکلا تو وہ ہمارے ہاتھ سے بچ کر نہیں نکل سکے گا۔ اگر کوئی دوسرا گورا ہوا تو ہم ایک بار پھر اپنی خونی مہم کا آغاز کریں گی۔"

شیرنی کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ اس کے باپ کا قاتل شارل ہی ہے۔ اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے کوئی غیبی طاقت اس کے کان میں آکر سرگوشی کر رہی ہے کہ یہ تمہارے باپ کا قاتل ہی ہے۔ اس سے اپنے باپ کے خون کا بدلہ لو۔ شیرنی نے خنجر منگی کو دے دیا اور خود پستول بھر کر اپنے پاس رکھ لیا۔ اب وہ بیتابی سے رات ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔ جب بمبئی شہر کے سمندر میں سورج غروب ہو گیا اور شہر کی عمارتیں روشنیوں سے جگمگانے لگیں تو ان دونوں نے گوردوارے کے لنگر سے کھانا کھایا۔ کوٹھری میں بیٹھ کر ایک بار پھر اپنے منصوبے پر غور کرنے لگیں۔ جب رات کے دس بج گئے تو وہ اپنے اپنے ہتھیار کپڑوں میں چھپا کر گوردوارے سے نکل کر ایک ٹیکسی میں بیٹھیں اور راج محل کی طرف روانہ ہو گئیں۔

ادھر چوکیدار بھی ان دونوں کے آنے کی خوشی میں تاڑی کے مزید دو گلاس چڑھا چکا تھا۔ گیٹ رات کو نو بجے بند کر دیا جاتا تھا۔ اس کی رات کو ڈیوٹی ہوتی تھی اور وہ اس دوران دو تین بار سڑک پر آکر دیکھ چکا تھا۔ آخر اسے دو عورتیں گیٹ کی طرف آتی نظر آئیں وہ جلدی سے ان کے پاس گیا۔ اس نے منگی کو پہچان لیا ساتھ میں دوسری عورت کو

دیکھ کر اس کے ہاتھ پیر خوشی سے پھول گئے۔

"ادھر آجاؤ۔ ادھر۔" وہ ان کو لے کر تیزی سے اپنی کٹیا کی طرف چل پڑا۔ اس کے چلنے کے انداز سے شیرنی اور منگی نے اندازہ لگا لیا کہ وہ چڑھائے ہوئے ہے۔ شیرنی نے منگی کے کان میں سرگوشی کی۔

"اس کی کٹیا میں جاتے ہی اپنی کہانی شروع کر دینا۔" منگی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کٹیا میں چوکیدار نے بڑی صاف ستھری چادر چارپائی پر بچھائی ہوئی تھی۔ چائے سے بھری ہوئی کیتلی اور دو شیشے کے گلاس صاف کر کے اسٹول پر رکھے تھے۔

"لو پہلے چائے پی لو۔" اس نے گلاس میں چائے ڈال کر منگی اور شیرنی کو دی۔

"تمہاری سہیلی بھی بڑی خوبصورت ہے۔" شیرنی نے چوکیدار کی طرف آنکھیں نکال کر دیکھا۔ چوکیدار نے جلدی سے آنکھیں دوسری طرف کر لیں اور منگی سے کہنے لگا۔

"میری جان! تمہارے آدمی کا کیا بنا۔" منگی نے بے نیازی سے کہا۔

"گولی مارو میرے آدمی کو۔ اب تو تم ہی میرے آدمی ہو۔" چوکیدار کے کانوں سے تو خوشی سے جیسے دھواں نکلنے لگا۔ جلدی سے گلاس نیچے رکھ کر بیڑی سلگائی۔ دو کش لیے اور بولا۔

"اری کیوں نہیں۔ ہم تو تمہاری سہیلی کے بھی آدمی ہیں۔ یہ تو بالکل مدھو بالا ہے مدھو بالا۔ تمہیں اسٹوڈیو میں مدھو بالا سے بھی ملاؤں گا۔ اری وہ تو ہر ہفتے یہاں راج محل میں آتی ہے۔ اپنی بڑی دوست ہے۔"

منگی اور شیرنی تھوڑا سا مزید وقت گزار دینا چاہتی تھیں۔ منگی نے چوکیدار کو باتوں میں لگا لیا تھا۔ جب چوکیدار نے ذرا آگے بڑھنے کی کوشش کی تو منگی نے کہا۔ "پہلے ہمیں راج محل کی سیر کراؤ۔" چوکیدار بولا۔

"اب تو رات ہو گئی ہے۔ رات کے وقت تو باہر کے کسی آدمی کو اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ دیکھو۔ گیٹ پر تالا لگا کر چابی میں نے اپنی جیب میں رکھی ہوئی ہے۔" شیرنی نے کہا۔

"یہ چابی مجھے دے دو۔" چوکیدار بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"توبہ کرو۔ یہ تو چابی میں کسی کو نہیں دے سکتا۔"

شیرنی نے بڑے آرام سے ڈوگرہ چوکیدار کی گردن پر دائیں جانب سے زوردار ہاتھ مارا۔ وہ پیچھے کو گرا۔ منگی نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ بے چارہ تاڑی کی وجہ سے پہلے ہی مدہوش تھا۔ شیرنی کی ضرب نے اسے مزید نیم جاں کر دیا تھا۔ انہوں نے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسنے کے بعد چارپائی پر لیٹا کر رسی سے باندھ دیا۔

چابی شیرنی کے ہاتھ میں تھی۔ کٹیا کی بتی کو بجھا دیا۔ منگی نے خنجر کے دستے پر ایک ہاتھ قمیص کے اندر سے رکھ لیا۔ شیرنی کا دایاں ہاتھ پہلے ہی پستول پر تھا وہ راج محل کے احاطے کی دیوار کے ساتھ ساتھ اندھیرے میں چلتی گیٹ تک آئیں۔ شیرنی نے دائیں بائیں دیکھا وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے منگی کو اشارہ کیا۔ وہ دوڑ کر اس کے پاس پہنچ گئی۔ شیرنی نے چابی لگا کر گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھولا۔ دونوں تیزی سے احاطے میں داخل ہو گئیں۔ دروازہ پیچھے سے بند کر دیا گیا۔ منگی آگے آگے تھی۔ جدھر اندھیرا تھا ادھر سے ہو کر برآمدے میں آئیں تو سامنے جہاں روشنی میں گول کمرے کی دیوار دوسری طرف گھوم جاتی تھی ادھر سے کچھ آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر ایک بند گاڑی اسٹارٹ ہو کر روشنی میں آئی تو منگی نے شیر خان کے قاتل شارل کو دیکھا۔ وہ گاڑی میں سوار ہو رہا تھا۔ گاڑی کی چھت پر دو سوٹ کیس لدے ہوئے تھے۔ منگی نے بے اختیار کہا۔

"شارل۔ یہی تمہارے باپ کا قاتل ہے۔"

شیرنی نے پستول کی نالی اس کی طرف کی ہی تھی کہ وہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ منگی نے شیرنی کا ہاتھ نیچے کر دیا۔

"ٹھہر جاؤ۔" اس نے سرگوشی کی۔ گاڑی شارل کو لے کر گیٹ کی طرف بڑھی۔" دو نوکر گیٹ کی طرف دوڑے انہوں نے گیٹ کھول دیا۔ گاڑی گیٹ سے نکل گئی۔ شیرنی نے منگی کو ایک طرف کھینچا۔ منگی نے شیرنی کے ہاتھ کو زور سے دباتے ہوئے کہا۔

"صبر کرو صبر کرو۔" ایک جیپ پیچھے سے آکر رکی۔ ڈرائیور نے چلا کر کہا۔

"سامان پورا رکھ دیا صاحب کا۔" اوپر سے کسی نے جواب دیا۔

"ہاں ہاں رکھ دیا ہے۔ جلدی سے صاحب کے پیچھے پیچھے جاؤ۔" شیرنی چھلانگ لگا کر

احاطے کی دیوار کی طرف دوڑی۔ منگی کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ شیرنی کیا کرنا چاہتی ہے۔ وہ بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑی۔ شیرنی گیٹ سے باہر نکلی۔ شیرنی کے پستول سے ایک فائر ہوا۔ گولی ڈرائیور کے سر پر لگی اور جیپ ایک طرف کو گھوم کر رک گئی۔

شیرنی نے دوڑ کر ڈرائیور کی لاش کو سیٹ پر سے باہر پھینکا اور منگی سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ۔" منگی لپک کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ شیرنی نے اسٹیرنگ سنبھالا اور جیپ کو جتنی تیزی سے چلا سکتی تھی چلا کر وہاں سے نکال کر لے گئی۔ وہ چھوٹی سڑک پر پوری رفتار سے جیپ کو بھگائے لیے جا رہی تھی۔ یہ سڑک ختم ہوئی۔ بڑی سڑک آگئی۔ یہاں اسے دور شارل کی گاڑی کی پچھلی لال بتیاں نظر آنے لگیں۔

"یہ اسی کی گاڑی ہے۔" شیرنی نے کہا۔

"ہاں۔" منگی نے تائید کی۔

منگی ابھی تک اپنے حواس کو سمیٹ نہ سکی تھی۔ یہ سب کچھ آناً فاناً ہو گیا تھا۔ شیرنی کی خونخوار آنکھیں سڑک پر دور سے نظر آتی سرخ بتی پر جمی تھیں جو اب آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی۔ منگی نے کہا۔

"اپنی گاڑی کی بتیاں بجھا دو۔" شیرنی نے جیپ کی ہیڈ لائیٹس بجھا دیں۔ اس نے گاڑی کو ایک فاصلے پر رکھا ہوا تھا۔

"یہ کہاں جا رہا ہے۔" شیرنی بڑبڑائی۔ منگی کھڑکی میں سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"کچھ پتا نہیں۔ شاید یہ ہوائی جہاز پر کہیں جا رہا ہے۔" شیرنی کو سمندر کی مرطوب ہوا آنے لگی۔

"یہ سمندر کی طرف جا رہا ہے۔" منگی کو دور کچھ روشنیاں دکھائی دیں جن کا عکس پانی میں پڑ رہا تھا۔ شیرنی سمجھ گئی کہ شارل کسی بحری جہاز پر سوار ہونے والا ہے اس نے یہ بات منگی کو بھی بتا دی اور کہا۔

"میں اسے جہاز پر سوار ہونے سے پہلے ہلاک کرنا چاہتی ہوں۔" منگی نے کہا۔

"ہمیں احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ شارل کے باڈی گارڈ اس کے ساتھ ہیں۔" شیرنی نے غصیلی آواز میں کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"احتیاط کس چیز کی احتیاط' میں اپنی جان موت کے حوالے کر کے اپنے باپ کے قاتل کو ہلاک کرنے آئی ہوں۔"

شارل کی گاڑی سمندر کی طرف مڑ گئی۔ شیرنی نے اپنی جیپ کی رفتار ہلکی کر دی شارل کو ایک بار اپنے پیچھے سڑک پر کسی گاڑی کی روشنی دکھائی دی تھی۔ مگر پھر غائب ہو گئی تھی ۔ اس کے تو وہم میں بھی یہ بات نہیں تھی۔ کہ شیر خان کی بیٹی اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے اس کے تعاقب میں ہے۔ وہ بڑے اطمینان سے پچھلی سیٹ پر پھیل کر بیٹھا تھا۔ ایک باڈی گارڈ اگلی سیٹ پر تھا اور دوسرا اس کے پاس ہی..... رائفل تھامے بیٹھا تھا۔ شارل کا ذاتی اسٹیمر سمندر میں لکڑی کے تختوں والی جیٹی کے ساتھ لگا تھا جس کے اوپر والے کیبن میں روشنی ہو رہی تھی۔ شارل کی گاڑی جیٹی پر چڑھ گئی اور اسٹیمر کے پاس آکر رک گئی۔ اسٹیمر میں سے دو آدمی جیٹی پر آگئے۔ بھاری بھرکم شارل گاڑی سے نکلا باڈی گارڈ اس کے دائیں بائیں تھے۔ وہ تیز قدم اٹھاتا سیڑھی چڑھ کر اسٹیمر میں چلا گیا۔ شیرنی اور منگی نے اسے اسٹیمر کے اندر جاتے دیکھ لیا تھا۔ شیرنی کی جیپ اندھیرے ساحل سمندر کے پام کے درختوں کے پیچھے کھڑی تھی۔ منگی کہنے لگی۔

"اگر یہ اب ہاتھ سے نکل گیا تو پھر....." شیرنی نے جیپ میں سے اترتے ہوئے کہا۔

"وہ کہیں نہیں جا سکتا۔ اس کی موت آگئی ہے۔" میرے ساتھ آؤ۔ ہم پچھلی طرف سے اسٹیمر پر چڑھنے کی کوشش کریں گی۔"

سائیلنسر والا پستول شیرنی کے پاس تھا۔ منگی کے پاس صرف خنجر ہی تھا۔ وہ اندھیرے میں چھپ کر چلتیں جیٹی سے آگے نکل کر اس جگہ آگئیں جہاں سمندر میں چھوٹی چھوٹی چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ وہ پانی میں اتر گئیں۔ سمندر کی موجیں انہیں پیچھے دھکیلنے لگیں۔ شیرنی اور منگی چٹانوں کا سہارا لیتے آگے بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ پانی ان کے کاندھوں تک آگیا ہوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اسٹیمر کے قریب ہوتی جا رہی تھیں۔ اسٹیمر کے عقب میں صرف ایک بتی جل رہی تھی اور لنگر کی آہنی زنجیر صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ اب منگی اور شیرنی سمندری لہروں میں تیر رہی تھیں۔ یہاں سمندر کا پانی گہرا تھا۔ شیرنی نے لنگر کی زنجیر کی طرف اشارہ کیا۔ منگی اس کے پیچھے تیرتی چلی آ رہی تھی۔

شیرنی اس طرح تیر رہی تھی کہ پانی میں آواز پیدا نہ ہو اس نے لپک کر لنگر کی زنجیر کو پکڑ لیا اور پھر آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگی۔ اسٹیمر کوئی بڑا بحری جہاز نہیں تھا۔ سمندر کی سطح سے زیادہ سے زیادہ ایک منزل بلند ہو گا۔ شیرنی نے عرشے کے جنگلے میں سے سر نکال کر ڈیک کے کاریڈار کو دیکھا۔ وہاں کوئی آدمی اسے نظر نہ آیا۔ وہ عرشے پر چڑھ گئی۔ اس کے پیچھے منگی بھی جنگلے کو پکڑ کر عرشے پر آگئی۔ دونوں جھکی جھکی چلتیں اس زینے کے پاس آکر بیٹھ گئیں جو نیچے جاتا تھا اور جس کے اوپر آدھی چھت پڑی ہوئی تھی۔ شیرنی نے پستول ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس نے منگی کو اشارہ کیا اور خاموشی سے زینہ اتر گئی۔ یہاں ایک کیبن تھا جہاں پٹرول یا ڈیزل آئل کے دو بڑے ڈرم دیوار کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ سامنے چھوٹا سا تنگ دروازہ تھا۔ جس میں سے ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ ادھر سے کسی کے گانا گاتے ہوئے کیبن میں آنے کی آواز سنائی دی۔ منگی اور شیرنی تیزی سے تیل کے ڈرموں کے پیچھے ہو گئیں۔ ایک ملاح گنگناتا ہوا کیبن میں آیا۔ اس کے ہاتھ میں گلاس تھا وہ کونے میں رکھی لوہے کی الماری کی طرف گیا۔ وہاں سے کوئی بوتل اٹھائی اور گلاس میں مشروب انڈیلا۔ اسے حلق میں ڈالا۔ مزے سے سر کو ہلایا اور باہر نکل گیا۔ کیبن خالی ہو گیا۔ منگی نے سرگوشی میں کہا۔

"ہمیں اوپر والے کیبن میں جانا ہے۔ شارل وہیں ہو گا۔"

شیرنی کا ذہن بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اچانک گڑگڑ کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی اوپر سے لنگر کھینچا جانے لگا۔ منگی نے کہا: "اسٹیمر چلنے والا ہے۔"

شیرنی نے شدت جذبات میں آکر پستول کی نالی منگی کی گردن سے لگا دی اور غضبناک سرگوشی میں کہا۔

"چپ رہو۔ مت بولو۔" اسٹیمر چل پڑا تھا۔ وہ ساحل سے ایک طرف گھوما اور پھر خاص رفتار کے ساتھ سمندر میں روانہ ہو گیا۔ منگی نے برا نہ منایا۔ وہ شیرنی کی ذہنی کیفیت سے واقف تھی۔ شیرنی نے اپنے قریب پڑے ہوئے کین کو اٹھا کر سونگھا اس میں پیٹرول تھا۔ شیرنی نے ڈبے کا سارا پیٹرول تیل کے دونوں ڈرموں کے پاس اور سامنے والی دیوار پر انڈیل دیا۔ منگی نے کوئی سوال نہ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ شیرنی کچھ سوچ سمجھ کر ہی ایسا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر رہی ہے۔ لیکن ایک بات کا اسے یقین ہو گیا تھا کہ شیرنی اپنی زندگی کی بازی لگا چکی ہے۔ منگی کی بھی یہی کیفیت تھی۔ وہ خود مر کر بھی شارل کو مار ڈالنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

کین میں پیٹرول کی بو پھیل گئی۔ یہ بو کیبن سے نکل کر اوپر بھی جا سکتی تھی۔ شیرنی نے منگی کو اشارہ کیا اور وہ دونوں دبے پاؤں کیبن کے چھوٹے سے دروازے سے باہر کاریڈار میں نکل آئیں یہ نچلے ڈیک کا کاریڈار تھا۔ آگے پھر ایک زینہ تھا۔ شیرنی زینہ چڑھ کر اوپر جانے والے کیبن میں جانا چاہتی تھی۔ جونہی وہ زینے کی طرف بڑھی اوپر سے کوئی نیچے اتر رہا تھا۔ شیرنی اور منگی جلدی سے پیچھے ہٹ گئیں۔ مگر وہاں چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ وہ دوڑ کر واپس کیبن میں چلی جاتیں۔ ملاح نیچے آگیا۔ ابھی وہ شیرنی اور منگی کی طرف مڑا ہی تھا کہ شیرنی کے پستول میں سے خاموش فائر ہوا۔ گولی ملاح کے سینے سے پار ہو گئی۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور وہ پیچھے کو گرا۔ منگی نے شیرنی کو پیچھے کھینچتے ہوئے کہا۔

"کیبن والے تیل کو آگ لگا دیتے ہیں۔ اس طرح لوگ ادھر کو دوڑیں گے۔ ہمیں اوپر والے کیبن میں جانے کا موقع مل جائے گا۔"

شیرنی نے اپنی چادر پھاڑ کر اس کو آگ لگائی اور کیبن میں پھینک دیا۔ کیبن میں پیٹرول پہلے سے پھیلا ہوا تھا۔ فوراً آگ لگ گئی۔ شیرنی اور منگی تیزی سے زینہ چڑھ کر اوپر ڈیک پر پہنچ گئیں۔ اسٹیمر کھلے سمندر میں چلا جا رہا تھا۔ نیچے کیبن میں ایک دھماکہ ہوا اور اسٹیمر کے پچھلے حصے کو آگ لگ گئی۔ اسٹیمر پر شور مچ گیا۔ ملاح ادھر ادھر سے نکل کر آگ بجھانے کی کوشش کرنے لگے۔

شیرنی نے منگی کو دوسری طرف سے آنے کا اشارہ کیا اور خود اس کیبن کی طرف دوڑی جہاں روشنی ہو رہی تھی اور جس کے بارے میں اسے یقین تھا کہ اس کے باپ کا قاتل اندر ہی ہو گا۔ اسٹیمر کے نچلے کیبن میں لگی ہوئی آگ کے شعلے اب اوپر عرشے تک آگئے تھے۔ شارل اس وقت اپنے خاص کیبن میں داد عیش میں مصروف تھا کہ شور سن کر وہ باہر نکل آیا۔ جونہی وہ باہر آیا شیرنی نے اس پر اوپر تلے دو فائر کیے ایک گولی شارل کے کندھے کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔ دوسری اس کے سر کے ایک انچ اوپر سے نکل گئی۔ شارل

نے پستول نکال کر اپنے باڈی گارڈ کو آواز دی۔ وہ چھلانگ لگا کر کیبن میں واپس گھسا اور کیبن کی دوسری طرف آکر پیچھے فائرنگ شروع کر دی۔ اسٹیمر رک گیا تھا اور آگ اوپر والے ڈیک کو نگلنے لگی تھی۔ دو ملاح آگ بجھانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ شیرنی نے جیب سے میگزین نکال کر پستول میں بھرا اور شارل کا سر باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگی۔ آگ کے شعلوں کی روشنی میں وہ اب دیکھی جا سکتی تھی۔ مگر منگی پیچھے خنجر لے کر کھڑی اس کی نگرانی کی رہی تھی۔

شارل حیران تھا کہ یہ کون دشمن ہے جو سب لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اسٹیمر میں سوار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے باڈی گارڈ زینے پر سے اوپر آگئے۔ وہ اندھا دھند فائر کرنے لگے۔ شارل نے انہیں چلا کر کہا۔

"کاریڈار میں پیچھے سے آؤ۔ دشمن اوپر ہے۔"

شیرنی نے بمبئی کی زبان میں بولا ہوا یہ جملہ سنا تو منگی کو اشارہ کیا۔ منگی عقب سے ہو کر کیبن کی چھت پر چڑھ گئی۔ شیرنی عرشے پر کیبن کی دیوار کے ساتھ چمٹ کر آگے رینگنے لگی۔ جونہی ایک گارڈ شیرنی کے پیچھے آیا اوپر سے منگی نے اس کی گردن پر خنجر کا کاری وار کیا۔ خنجر نے گارڈ کی آدھی گردن کاٹ ڈالی وہ بے دم ہو کر نیچے گرا۔ منگی نے نیچے چھلانگ لگا کر اس کی رائفل قبضے میں کی اور پیچھے اس گارڈ پر فائر جھونک دیا جو اپنے ساتھی کو گرتا دیکھ کر اس کی طرف بڑھا تھا۔ دوسرا گارڈ گولی کھا کر سیڑھیوں پر سے پیچھے کی طرف بھڑکتے شعلوں میں جا کر گرا اور اس کی بھیانک چیخ آگ کے شعلوں نے نگل لی۔ شیرنی اور منگی شارل کے کیبن کی طرف دوڑیں مگر وہاں شارل نہیں تھا۔ آگ پھیلتی جا رہی تھی۔ شعلے اب درمیانی کیبن تک آگئے تھے۔ ملاح سمندر میں چھلانگیں لگا کر ساحل کی طرف تیر کر پہنچنے کی جدوجہد کر رہے تھے۔ شیرنی نے منگی کو ہاتھ سے دوسری طرف جانے کا اشارہ کیا۔ اب شیرنی نیچے جانے والے زینے کے قریب پستول لیے بیٹھی تھی اور منگی کیبن کے قریب جھکی ہوئی پیچھے دیکھ رہی تھی کہ کوئی آدمی پیچھے سے آکر نہ حملہ کر دے۔ مگر وہاں اوپر والے ڈیک پر اب کوئی ملاح نہیں تھا۔ شارل نچلے کیبن میں بھری ہوئی شاٹ گن لیے آہستہ آہستہ زینے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کیونکہ آگ کی تپش کیبن کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیواروں تک پہنچ گئی تھی۔ اس نے یہ تو دیکھ لیا تھا کہ دو عورتیں اس کو ہلاک کرنے کی کوشش میں ہیں اور انہوں نے ہی اسٹیمر کو آگ بھی لگائی ہے۔ مگر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان عورتوں سے اس کی کیا دشمنی تھی۔

شارل نے لائف بیلٹ پہن لی تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح وہ فائرنگ کرتا اوپر جائے اور اسٹیمر کے ڈیک سے سمندر میں چھلانگ لگا دے۔ شیرنی کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ شارل زیادہ دیر تک نیچے نہیں ٹھہرے گا۔ کیونکہ آگ وہاں تک پہنچ رہی تھی۔ اسٹیمر میں پیچھے ایک اور دھماکہ ہوا اور وہ ایک طرف کو جھک گیا۔ شیرنی اور منگی نے ڈیک کے جنگلے کو پکڑ لیا۔ عین اس وقت شارل اندھا دھند فائر کرتا اوپر نکل آیا جونہی اس نے سمندر میں چھلانگ لگانے کی کوشش کی ایک طرف سے شیرنی اور دوسری طرف سے منگی کی گولیاں اس کے جسم سے پار ہو گئیں۔ شارل لڑکھڑا کر گرا۔ شیرنی نے ایک نعرہ لگایا۔ اور جوش میں آکر اٹھ کھڑی ہوئی۔ شارل ابھی زندہ تھا۔ ابھی اس میں اتنی سکت باقی تھی کہ وہ اپنی شاٹ گن کا ٹریگر کم از کم ایک بار دبا سکتا۔

جونہی شیرنی اس کے سامنے کھڑی ہوئی شارل نے شاٹ کو اونچا کیا اور ٹریگر دبا دیا شیرنی پیچھے کو گر پڑی۔ اس کے پیٹ کا ایک حصہ دائیں جانب سے اڑ گیا تھا۔ منگی کے حلق سے بھیانک چیخ نکل گئی۔ اس نے رائفل پھینک دی اور خنجر نکال کر شارل پر ٹوٹ پڑی اور اس کے مردہ جسم پر پے در پے وار کر کے ٹکڑے کر دیے۔

ایک اور دھماکہ ہوا یہ دھماکہ پہلے دھماکوں سے سب سے زیادہ بھیانک تھا۔ اس دھماکے نے اسٹیمر کے ٹکڑے اڑا دیے۔ یہ ہمہ گیر تباہی اور موت کا آخری دھماکہ تھا جس نے دوست اور دشمن کے امتیاز کو بھی ختم کر دیا۔ نہ دوست باقی رہا۔ نہ دشمن باقی بچا۔ قتل کرنے والے بھی مر گئے۔ قتل ہونے والے بھی مر گئے۔ سمندر کی بلند موجیں اٹھ اٹھ کر اسٹیمر کے جلتے ہوئے باقی ماندہ ٹکڑوں کے شعلوں کو نگلنے لگیں۔ آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے اسٹیمر کے تمام ٹکڑے سمندر میں غرق ہو گئے۔ ساتھ ہی دوستوں اور دشمنوں کی لاشوں کے ٹکڑے بھی غرق ہو گئے۔ نہ شارل رہا' نہ منگی رہی' نہ شیرنی رہی۔ سمندر ان سب کو بہا لے گیا۔ پھر سمندر پر ایک گہرا سکوت چھا گیا۔ کھلے سمندر میں موجیں اپنے آپ اوپر

نیچے ہو رہی تھیں۔ اور پھر جب مشرق سے سورج کی سنہری کرنوں نے طلوع ہو کر سمندر کو دیکھا تو وہاں سوائے چند ایک تیرتے ہوئے جلے بجھے تختوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ جنہیں سمندر کی موجیں نہ جانے کن منزلوں کی طرف بہائے لیے جا رہی تھیں۔ شارل کہیں قتل ہوا تھا۔ اسٹیمر کہیں غرق ہوا تھا اور اس کے ٹکڑے نہ جانے کہاں سے کہاں نکل آئے تھے۔

مگر شیرنی کی بچی کھچی لاش اسی جگہ سمندر کی تہہ میں پتھروں اور سنگ ریزوں کے درمیان پڑی تھی۔ یہاں کسی وجہ سے ہلکا سا تموج پیدا ہوتا تو شیرنی کی لاش اوپر نیچے ہو کر پھر ساکت ہو جاتی ہے۔ منگی کی لاش کا کچھ پتا نہیں تھا پھر مشرق کی طرف سے نہ جانے کہاں سے سفر کرتی ہوئی ایک پر اسرار لہر آئی جو سمندر کی تہہ تک پہنچ گئی۔ اس نے شیرنی کی لاش کو جیسے آگے کو دھکیل دیا اور شیرنی کی لاش آہستہ آہستہ سمندر کی تہہ میں نیچے ہی نیچے ایک طرف سے بہنے لگی۔ یہ کون سی لہر تھی یہ کونسی پراسرار طاقت تھی جو شیرنی کی لاش کو ایک خاص زیر آب سمندری چٹان کی کھوہ کی طرف لیے جا رہی تھی۔

چٹان کے پتھروں میں پہلے سے ایک لاش کا ڈھانچہ اٹکا ہوا تھا۔ گوشت مچھلیاں کھا گئیں تھیں۔ ہڈیاں نہ جانے کس طرح باقی رہ گئی تھیں۔ شاید اسی لیے کہ ان ہڈیوں کو اپنے جگر گوشے کا انتظار تھا۔ یہ ڈھانچہ شیرنی کے باپ شیر خان کی لاش کا ڈھانچہ تھا۔ جو لاش کی صورت میں ڈوگرہ راج کی حویلی سے پہاڑی نالے میں پھینکا گیا اور جسے پہاڑی نالے کا تیز رفتار پانی بہاتا ہوا جموں توی کے دریا میں لے گیا اور پھر دریا نے اسے سمندر کے حوالے کر دیا۔ گوشت سمندری مخلوق کی نذر ہو گیا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی تھا اس کا بھی ہاتھ کہیں کسی پتھر سے اٹکا تو وہیں رہ گیا۔ پاؤں کہیں الگ ہو گیا۔ صرف ڈھانچے کی وہ ہڈیاں باقی بچی رہ گئی تھیں جن کے اندر کبھی بیٹی کی محبت سے بھرا ہوا دل دھڑکا کرتا تھا۔ ان ہڈیوں پر مونگے چمٹ گئے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ پتھر بن رہی تھیں۔ مگر ان پتھر کی تہوں کے نیچے بیٹی کے پیار کی شعاعیں اسی طرح نکل رہی تھیں اور اپنی بیٹی کو تلاش کر رہی تھیں۔ اپنے جگر کے ٹکڑے کی جستجو میں تھیں اور پھر جب شیرنی کی لاش سمندر کی تہہ میں آکر بیٹھ گئی تو ان شعاعوں میں جیسے طوفان بپا ہو گیا۔ ایسا طوفان جو زمین پر اس وقت پیدا ہوا تھا۔ جب اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فضاؤں میں چھائے ہوئے دھوئیں اور گیسوں کے سیاہ کالے بادل چھٹ گئے تھے اور زمین نے پہلی بار سورج کو دیکھا تھا۔ محبت۔ مامتا۔ شفقت کی انتہا۔ اولاد کی محبت کی ان شعاعوں کے چاند سورج ستارے تھے جو شیرنی کی لاش کے پاس سمندر کی لہریں بن کر جا پہنچے اور اسے اپنی آغوش میں لے کر چل پڑے۔ یہ دلہن کا اپنے بابل کے گھر کی طرف واپسی کا سفر تھا۔ ستاروں ایسی مچھلیاں شیرنی کی لاش کے اوپر رقص کر رہی تھیں۔ لہریں اسے آہستہ آہستہ اپنے باپ کی ہڈیوں کے پاس لے جا رہی تھیں۔ اور پھر..... پھر شیرنی کی لاش بیٹی کی لاش کا سر اس باپ کی لاش کے سینے کے پنجر کے ساتھ آ کر لگ گیا۔

بیٹی باپ سے مل گئی۔ سورج سے بچھڑی ہوئی کرن اپنے سورج کے ساتھ آن ملی۔

بیٹی کی ڈولی جا رہی ہے۔ باپ کی آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔

مت رو بابل! مت رو بابل!

بیٹیوں کے دکھ بڑے ہوتے ہیں۔